قصہ
حاتم طائی اردو

شیخ غلام علی اینڈ سنز پوسٹ بکس ۵۲۸ لاہور

الٰہی غنچۂ امید بکشائی

دریں زمان سعادت اقتران بفضل ایزد منان کتاب موسومہ بہ

آرایش محفل با تصویر

یعنی

قصۂ حاتم طائی

جسکو شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

نے اپنے

علمی پرنٹنگ پریس میں باہتمام شیخ نیاز احمد چھاپا

شیخ نیاز احمد پرنٹر د پبلشر نے اپنے علمی پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپواکر، کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی دے مجھے روشن بیانی کہ تا دل پر کھلے راز نہانی
زبان کو مخزنِ اسرار کر دے دہن کو گوہرِ معنے سے بھر دے
کمیت خامہ کو میرے لگا پر معنی میں مجھ کو آشنا کر
پلا دے مجھ کو جام ارغوانی کہ جس سے طے ہو حاتم کی کہانی
کہیں سُنکر اسے ارباب اُردو
کہ ہے یہ گوہرِ نایاب اُردو

یہ قصہ عبارت سلیس زبان فارسی میں کسی شخص نے آگے لکھا تھا۔ اب اس کو سیّد حیدر متخلص بہ حیدری رہنے والے دہلی نے امیر والاتدبیر پشت پناہ پیر و جوان دستگیر درماندگان و بیکسان نوشیروانِ وقت ہمایوں بخت زبدۂ نوائینان عظیم الشان مشیرِ خاص شاہ کیوان بارگاہِ انگلستان رکوئس ویلزلی گورنر جنرل بہادر دام اقبالہٗ کی حکومت میں خداوند خدایگان والاشان عالیخاندان جان گلگرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہٗ کے حکم سے ۱۲۱۶ھ و ۱۸۰۱ء کے مطابق اور جلوس تینتالیس شاہِ عالم بادشاہ غازی کے موافق زبان ریختہ میں اپنی طبع کے موافق ہو اس کتاب سے جو ہاتھ لگی تھی ترجمہ نثر میں کیا اور اس کا نام "آرائشِ محفل" رکھا۔ مگر اس میں اپنی طبیعت سے جہاں جہاں موقعہ مناسب پایا وہاں زیادہ کیا گیا: تاکہ قصہ طولانی ہو جاوے اور سُننے والوں کو خوش آوے۔ لکھنے والے نے یوں لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں طے یمن کا ایک بادشاہ تھا۔ نہایت صاحب حشم عالیجاہ فوج کی طرف سے فرخندہ مال زر و جواہرات سے مالا مال۔ اسکی رعیت سب خوشحال اور مالدار اور سپاہ بیشمار الغصہ طے نے چچا کی بیٹی کو نکاح میں لاکر ثمرہ جاودانی کا اُمیدوار ہوا بالے

خدا کے فضل سے چند دنوں میں بیگم صاحبہ سے ایک لڑکا مہر لقا پیدا ہوا۔ یہ خبر فرحت اثر سن کر اس نے حکیموں منجموں رماؤں پنڈتوں کو بلوا کر کہا کہ اپنی اپنی عقل کی آزمائی پوتھی اور قرعہ کی رُو سے دریافت کرو، اور بچارو دیکھو تو اس لڑکے کے نصیب کیسے ہیں؟ اُنہوں نے جو دریافت کیا تو ہر طرح سے اس شہزادے کو صاحب اقبال پایا۔ عرض کی خداوند ہم کو تو اپنے علم سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ شہزادہ ہفت اقلیم کا بادشاہ ہوگا اور تمام عمر برائے خدا کام کیا کریگا۔ اور اس کا نام مہر سپہر کیطرح قیامت تک دُنیا میں جلوہ گر رہے گا۔ اس بات کو سُن کر نہایت خوشی حاصل ہوئی اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور اُن لوگوں کو زر بے شمار سے مالا مال کر دیا۔ اور اس لڑکے کا نام حاتمؔ رکھ کر اپنے مصاحبوں سے یہ بات کہی کہ تم جلد اس بات کا اشتہار دو کہ میرے قلمرو میں آج جس شخص کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے وہ آج ہی کی تاریخ سے نوکر بادشاہی ہے۔ بلکہ اس کے ماں باپ محل مبارک میں پہنچا دیں اور پرورش بھی یہیں رہے گا۔ چنانچہ اُسی روز اُس کے ملک میں چھ ہزار لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ یہ حکم سُنتے ہی ہر ایک لڑکے کے ماں باپ اپنا اپنا لڑکا حضور اعلیٰ میں پُہنچا گئے۔ اس وقت چھ ہزار دائیاں نوکر رکھی گئیں اور ایک ایک لڑکے پر تقسیم ہوگئیں۔ چار دائیاں حاتم کے واسطے مقرر ہوئیں۔ اور کس کس طرح سے تھپکیاں لوریاں دے کر چمکارتی تھیں کہ یہ کسی طرح دودھ پیئے پر وہ ہرگز آنکھیں نہ کھولتا تھا۔ دائی کی چھاتی مُنہ میں نہ لیتا تھا۔ چنانچہ یہ خبر بھی بادشاہ کو پہنچی۔ وہ اس بات کو سُنکر نہایت متفکر ہوا۔ اور اپنے اہلکاروں سے کہنے لگا کہ بعض سیانوں کو بلاؤ۔ غرض وہ آئے اور عرض کرنے لگے۔ جہاں پناہ یہ حاتم زمانہ ہوگا تنہا دودھ نہ پیئے گا، پہلے ان کو پلوائے گا تو پیچھے آپ پیئے گا، اور جب تک جیتا رہے گا تنہا نہ کھائے گا نہ پیئے گا۔ حاصل کلام جب وہ لڑکے پی چکے تب اس نے بھی پیا، اور ابتدا عمر ہی سے نہ روتا نہ اکیلے کھاتا اور نہ غفلت کی نیند سے سوتا۔

جب دودھ چھڑایا گیا تب اُنہیں چھ ہزار لڑکوں کے ساتھ کھانا مقرر کیا۔ حق تو یہ ہے کہ جس غریب غربا کو بھوکے، پیاسے، ننگے کو دیکھتا۔ روپیہ پیسہ دانہ پانی بے دیئے دلائے نہ رہتا۔ اور رات دن دینے دلانے میں مشغول رہتا۔ فضلِ خدا جب چودہ برس کا ہوا، جو زر و جواہر باپ نے جمع کیا تھا اُس کو راہ خدا

میں صرف کرنے لگا۔ جب شکار گاہ میں جاتا کوئی جانور آتا تو جیتا ہی پکڑ لیتا اور چھوڑ دیتا اور کبھی سخت و سست نہ کہتا۔ فضل الٰہی سے حسن بھی ایسا رکھتا تھا کہ جس زن و مرد نے دیکھا ہزار جان سے عاشق ہوگیا۔ اور اگر کوئی سر سواری بھی فریاد کرتا تو یہ گھوڑے کی بھاگ تھام لیتا اور اُسے داد کو پہنچاتا۔ اور جو نہ آتا اُسے میٹھی میٹھی باتوں سے سمجھا دیتا۔ اور کبھی ظلم و ستم کو روا نہ رکھتا۔ نہ اپنے کی حمایت نہ بیگانے کی رعایت کرتا بارے خدا کے فضل سے تھوڑے دنوں میں جوانی کا سبزہ رخسار نازنین پر لہکا۔ حسن چمکا تو ہر شخص کو یوں نصیحت کرنے لگا کہ بندگان خدا مجھ جیسے بہت ہیں۔ قدرت خدا کو دیکھئے کہ اس نے اپنی خداوندی سے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کئے ہیں۔ اس کی سیر کیجئے اور سجدۂ شکر بجا لائیے اور اپنی زندگی کو جوانمردی اور نام آوری کے ساتھ بسر کیجئے۔ چنانچہ اس کے حسن و خلق و دلیری کا شہرہ ہر شہر و قصبہ میں پہنچا۔ جس نے سُنا اس کے مُنہ سے لفظ مرحبا نکلا۔ اور اکثر لوگ اس کے دیکھنے کو آتے تھے اور مسرور ہو کر اپنے اپنے گھر چلے جاتے تھے۔ اتفاقاً وہ کسی جنگل میں ایک دن شکار کے لئے گیا کہ اتنے میں ایک شیر غرّاتا ہوا سامنے سے نظر آیا۔ اندیشہ کرکے اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر خنجر مارتا ہوں تو یہ حیوان بے زبان مارا جاتا ہے۔ اور اگر چھوڑے دیتا ہوں تو میں مارا جاتا ہوں۔ یقین ہے کہ مجھے لپکے اور کھا جائے۔ ان دونوں صورتوں کو خیال کرکے کہا کہ اگر یہ میرا گوشت کھا کر دل تازہ کرے تو اس سے کونسی بات بہتر ہے۔ مجھ کو ثواب ہوگا اور اس کا پیٹ بھرے گا۔ یہ سوچ کر اس کے آگے گیا۔ اور کہنے لگا کہ اے شیر صحرائی میرا گوشت حاضر ہے اگر رغبت کرے تو پیٹ بھر کر کھا اور جہاں چاہے وہاں چلا جا۔ یہ بات سُنتے ہی وہ شیر اپنا سر جھکا کر حاتم کے قدموں پر گر پڑا۔ اور اپنی آنکھیں بند کرکے اس کے تلوؤں کو چاٹنے لگا۔ حاتم نے کہا اے شیر حاتم کی ہمت سے دور ہے کہ تو بھوکا جائے۔ اگر مجھ کو نہیں کھاتا تو میرا گھوڑا موجود ہے کھا اور جنگل کو چلا جا۔ وہ ہر گز نہ بولا اور اپنا سر جھکا کر جنگل کو چلا گیا۔ حاصل کلام یہ کہ اپنے شہر میں ہمسنوں سمیت رہا کرتا تھا اور کار خلق برائے خدا کیا کرتا تھا۔ سُنا ہے کہ خراسان کے ملک میں ایک بادشاہ تھا کہ لاکھوں سوار پیادے اسکے جلوس میں ہمیشہ حاضر رہا کرتے تھے اور عدل و انصاف میں بھی ایسا تھا کہ شیر اور بکری کو ایک گھاٹ پانی پلاتا تھا۔ بلکہ

اپنے پیسے کا بھی پاس نہ رکھا تھا۔ اس کے وقت میں برزخ نام سوداگر نہایت مالدار
صاحب شکوہ دوکاندار تھا۔ اپنے گماشتوں کو ہر ایک ملک میں سوداگری کیواسطے مقرر رکھا تھا

شبیہہ بادشاہ یمن کی اور پیدا ہونا شہزادہ حاتم کا اور دکھوانا نجومیوں سے ستارہ کا

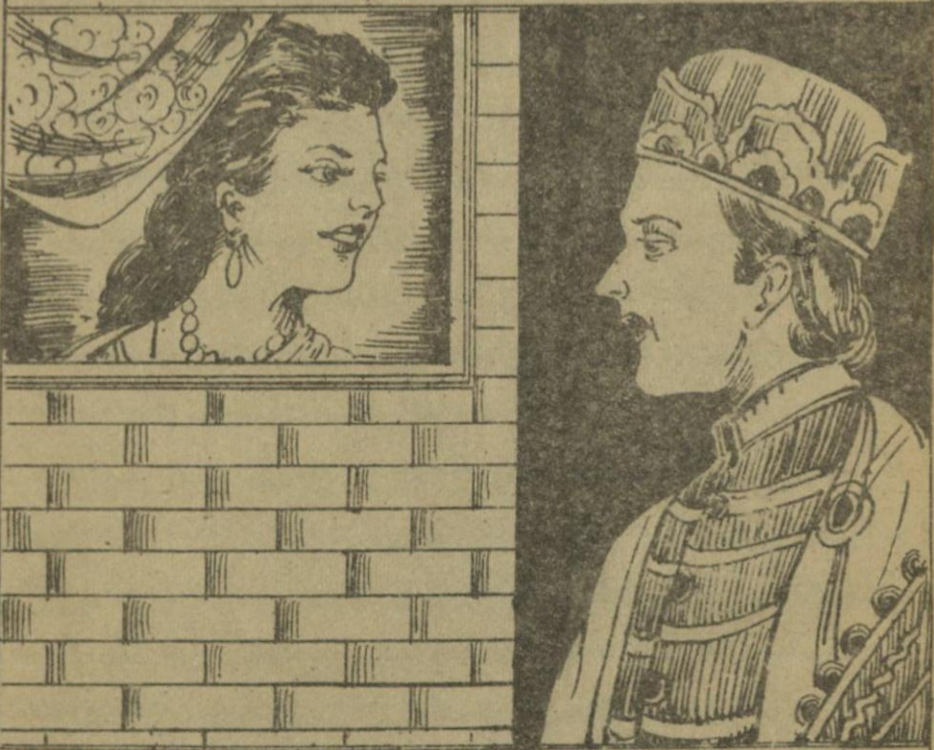

پہلا قصہ حسن بانو برزخ سوداگر کی بیٹی کے شہر خراسان سے نکالے جانے کا جنگل سے زر و جواہر بیشمار اس کے ہاتھ آنے کا اور منیر شامی شہزادہ کا اس پر عاشق ہونا اور حاتم کا مدد کرنا

اور ان کو بہت سا مال و اسباب دیکر بھیجا کرتا تھا۔ اور آپ اس ملک میں دلجمعی سے رہا
کرتا تھا۔ بادشاہ سے بھی اپنی رسوخیت بہم پہنچاتا تھا۔ اور بادشاہ اسکے اوپر کمال مہربانی

کرتا تھا۔ ایک مدت کے بعد قریب مرگ کے پہنچا، اس کی زندگی کا پیالہ بھرنے لگا۔ وہ حسن بانو کے سوا کوئی وارث نہ رکھتا تھا۔ چنانچہ اس کا مال و اسباب اس لڑکی کو پہنچا اور وہ اس وقت بارہ برس کی تھی۔ آخر اس نے اس کے گھر کا مالک کیا اور بادشاہ کے سپرد کر کے آپ ملک عدم کو پہنچا۔ اس بادشاہ نے بھی اسے اپنی لڑکیوں کی طرح سے رکھا اور اس کے زر و جواہر کا کچھ لالچ نہ کیا۔ بلکہ وہ سب اسباب اسے بخشا۔ چند روز کے بعد جب وہ لڑکی شعور مند ہوئی تب اپنی ذہن کی رسائی اور نیک بختی کے باعث سے دائی کو بُلا کر کہنے لگی کہ اے مادر مہربان! دُنیا مثل حباب کے ہے اس کا بیٹھنا کچھ بڑی بات نہیں اسقدر دولت دُنیا لیکر تن تنہا کیا کرونگی مصلحت نیک یہ ہے کہ اسکو خدا کی راہ میں لُٹا دوں اور اپنے آپ کو آلائش دنیوی سے پاک رکھوں۔ بلکہ یادِ خدا ہی میں مصروف رہوں اسواسطے تم سے پوچھتی ہوں کہ اس سے کسی صورت سے چھٹکارا پالوں۔ جو مناسب جانو وہ کہو۔ دائی پہلے دونوں ہاتھوں سے بلائیں لے کر کہنے لگی۔ اے جان نواں ساتواں اشتہار نامہ لکھ کر اپنے دروازے پر لگا دے۔ اور یہ لکھ کر کہ جو کوئی ساتوں سوال پورے کرے گا میں اُس کو قبول کروں گی۔ وہ ساتوں سوال یہ ہیں: پہلا سوال یہ ہے، کہ ایک بار دیکھا ہے دوسری بار کی ہوس ہے۔ دوسرا سوال کہ نیکی کر کنویں میں ڈال تیسرا سوال کہ کسی سے بدی نہ کر اگر کریگا وہی پاویگا۔ چوتھا سوال یہ ہے کہ سچ کہنے میں ہمیشہ راحت ہے۔ پانچواں سوال یہ ہے کہ کوہ ندا کی خبر لاوے چھٹا سوال یہ ہے کہ موتی جو مرغابی کے انڈے کے برابر بالفعل موجود ہے اس کے جوڑے کا پیدا کرے ساتواں سوال یہ ہے کہ حمام باد گرد کی خبر لاوے۔ حسن بانو نے دائی کی اس بات کو قبول کیا اور خوش ہو کر اپنے جی میں کہا کہ وہ شخص ایسا کون ہے جو ان ساتوں سوالوں کے جواب بہم پہنچا دیگا۔ اسی گمان پر وہ آپ کو آٹھوں پہر نماز میں مشغول رکھتی تھی۔ اتفاقاً ایکدن اپنے کوٹھے پر بیٹھی ہوئی بازار کا تماشا دیکھ رہی تھی کہ اتنے میں ایک فقیر نہایت بزرگ صورت ظاہر درست چالیس خادموں کو لئے ہوئے اسی طرف سے گذرا، اور پاؤں بھی زمین پر نہ رکھتا تھا۔ چنانچہ وہی اس کے ساتھی سونے چاندی کی اینٹیں قدم کے نیچے رکھتے تھے۔ وہ ان پر پاؤں رکھتا ہوا چلا جاتا تھا۔ اس حال میں جو حسن بانو نے آتے دیکھا نہایت خوش ہو کر دائی سے کہا۔ اے اماں جان! یہ فقیر کوئی بڑا

صاحب کمال معلوم ہوتا ہے جو اس شان و شوکت سے راہ چلتا ہے۔ اس نے کہا اماں واری یہ بادشاہ کا پیر ہے۔ ہر مہینہ میں دو چار مرتبہ بادشاہ اس کے گھر جاتا ہے اور یہ کبھی ان کے ہاں نہیں جاتا۔ اس کے برابر دنیا میں اب کوئی عمدہ درویش نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ نہایت پرہیزگار اور متقی ہے۔ حسن بانو نے یہ سخن سن کر کہا کہ اگر تم پروانگی دو تو میں اس درویش کی مہمانی کروں۔ اور گھڑی دو گھڑی اپنے گھر بلا کر تکلیف دوں۔ اور اپنی آنکھیں اس کے قدموں پر ملوں۔ دائی نے کہا جانی تجھ کو مبارک ہو۔ یہ کام بے دھڑک کرو۔ مثل مشہور ہے آنکھوں سکھ کلیجے ٹھنڈک۔ غرض اس نے کسی شخص کے ہاتھ اس فقیر کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اگر کسی روز بزرگوں کے طور سے میرے سیاہ خانہ کو اپنے قدم مبارک سے روشن کرو، اور تشریف فرما ہو تو یہ کمترینہ دونوں جہان کی دولت حاصل کرے اور اپنے دامن مراد کو گوہر مقصود سے بھرے۔ وہ گیا اور اس آرزو کا حال سنا کر کہنے لگا کہ بزرگوں کو لازم ہے کہ خوردوں پر مہربانی کریں۔ ان کے دامن تمنا کو گل مراد سے بھریں۔ اس بات کو اس نے قبول کیا اور کہا میں ضرور آؤں گا کیونکہ سنّت نبوی ہے جو کوئی اس سے پھرے جہنم میں گرے۔ مگر آج مجھے کام ہے کل صبح کو آؤں گا۔ یہ خبر حسن بانو کو پہنچی کہ کل اور چار گھڑی دن چڑھے شاہ صاحب اپنے چالیس خادموں کو لے کر رونق افروز ہوں گے اس خبر کے سنتے ہی اس نے اقسام اقسام کے کھانے پکوائے اور کئی خوان میوے اور مٹھائی کے تیار کر کے کئی کشتیاں ابریشمی زربافی زر و جواہر روپے اشرفیاں بھی شاہ صاحب کی نذر کے واسطے درست کر رکھیں۔ اس اُمید پر کہ درویش زمانہ کل آویں گے تو میں یہ کشتیاں ان کے آگے دھروں گی اور عجز و انکساری سے ان کے پاؤں پر گروں گی۔ اتنے میں صبح ہوئی کہ وہ درویش زمانہ سونے اور چاندی کی اینٹوں پر پاؤں رکھتا ہؤا حسن بانو کے گھر تک پہنچا۔ ابیات۔ کروں وصف اب اس کا میں تم سے کیا، وہ ظاہر میں انسان تھا پارسا ◆ جو باطن پہ اس کے کروں میں نظر ◆ تھا شیطان سے بھی وہ ابلیس تر ◆ نہ بالے کا خطرہ نہ بوڑھے کا غم ◆ وہ تھا قتل کرنے میں تیغ دو دم۔ حسن بانو نے دروازے سے نشستگاہ تک فرش زریں بچھوا رکھا تھا۔ وہ اس کو روندتا ہؤا مسندِ شاہانہ پر آ بیٹھا اور خواجہ سرا زر و جواہر کی کشتیاں اس کے پاس لائے۔ اس نے کسی کشتی کو ہرگز قبول نہ کیا۔ اور کہا کہ یہ اسباب میرے کس کام کا ہے اور پھر وہ اندر

گئی اور کئی خوان پوشاک کے لے آئی۔ اس نے ان کو بھی پسند نہ کیا۔ پھر وہ محل میں گئی
اور بہت سے خوان میوے اور شیرینی کے لے آئی اور بڑا سا ایک دسترخوان لطیف و پاکیزہ
بچھا کر اس پر چُن دیئے گئے۔ اور خوان سونے چاندی کے باسنوں سے بھرے ہوئے اور
ان میں اقسام اقسام کے کھانے دھرے تھے اور فرش شاہانہ بچھے تھے اور نگیرہ بھی
الماس تراش اس کے آگے جھمجھاتا ہوا اور خوانچے نہیں اور جواہر سے سجے سجائے
جڑاؤ سونے کی چلمچی و آفتابہ لائے اور ہاتھ منہ دھلوا کر سامنے باادب کھڑے ہو کر عرض
کرنے لگے کہ ہماری بی بی اس بات کی اُمیدوار ہے کہ خداوند کچھ تناول کریں۔ اِس
بات کو سُن کر وہ نابکار کھانے لگا۔ اور اس سونے چاندی کے اسباب کو بھانپنے لگا۔
اور ہر نوالے پر جی میں کہنے لگا کہ برزخ سوداگر کوئی بڑا مالدار تھا۔ جو اس طرح بادشاہوں
کی طرح مال و اسباب اپنے گھر میں چھوڑ گیا۔ چاہیئے کہ اس سب اسباب کو آج
ہی رات کسی طرح اپنے گھر لے جایئے اور مال غنیمت سمجھے۔ اس اندیشہ میں اس ملعون نے
تھوڑا بہت کھانا زہر مار کر کے ہاتھ کھینچا پھر وہ خاص عطردان لے آئے۔ اُس نے
عطر اپنی داڑھی اور پوشاک میں ملا۔ اور سب ظروف میناکاری کے بھانپے۔ ظاہر میں
حُسن بانو کو دعائیں دے کر رخصت ہوا۔ اِتنے میں رات ہوگئی۔ اور اس کے لوگ
اس کمبخت کی ضیافت کے کاروبار میں دن بھر کے تھکے ماندے تھے، رات کے ہوتے
ہی پاؤں پھیلا کر سو رہے۔ اُنہوں نے کوٹھے کے دروازے بند کیئے نہ اس اسباب
کو ٹھکانے سے رکھا۔ پھر کچھ رات گئی کے بعد وہ ڈکیت انسان صورت شیطان خصلت
اپنے اُنہیں چالیس چوروں کے ساتھ آیا اور تمام زر و جواہر مال و متاع غارت کرنے
لگا۔ اس عرصہ میں جو تھوڑے بہت لوگ جاگ اُٹھے اُن لوگوں کے ہاتھ سے زخمی ہوئے
اور کچھ مارے گئے۔ حسن بانو اپنی کوٹھی کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھتی تھی اور ان کو
پہچان کر ہاتھ مل مل کر کہتی تھی کہ افسوس یہ تو موا وہی خانہ خراب درویش ہے
اور اس کے ساتھی ہیں۔ اس کا علاج کوئی کیا کرے۔ غرض رات تو پچھتاوے میں کاٹی
مگر صبح کو ان مُردوں اور زخمیوں کو چارپائیوں پر ڈال کر بادشاہ کے درِ دولت پر
لے گئی۔ اور فریادیوں کی طرح جا کر کھڑی ہوئی اور بآواز بلند دوہائی دے کر کہنے
لگی کہ میں لُٹ گئی۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کون ہے۔ اور کس کے ظلم سے بلبلا رہی ہے

خبرداروں نے خبر دی اے خداوند بہزرخ سوداگر کی بیٹی ہے ڈو چار چار پائیوں پر مُردے اور کئی زخمی لائی ہے اور رو رو کر عرض کرتی ہے کہ اگر جہاں پناہ اپنی مہربانی سے نزدیک بلوائیں تو یہ لونڈی کچھ حال اپنی واردات کا کچھ ظاہر کرے حضور میں۔ اس بات کو سُنتے ہی بادشاہ نے بلوایا اور حال پوچھا۔ اس نے مجرا کر کے کہا، کہ عمر و دولت خدا کی بڑھے اور مہر انصاف سپہر حق پرست تاقیامت جلوہ گر ہے کل دل کو اس فقیر کی مہمانی کی تھی سو اس نے یہ غضب مجھ پر ڈالا۔ پہر رات گئے اپنے چالیسوں فقیروں سمیت آکر مجھ غریب بیکس کے گھر کو لوٹا اور دس بیس کو زخمی کیا۔ دو چار کو مار ڈالا گیارہ بارہ لاکھ روپے کی زر و جواہر نقد و اسباب لے گیا۔ خدا اس کا مُنہ کالا کرے کہ اس قدر ظلم و ستم اس نے اس عاجز پر کیا۔ اس کے سُنتے ہی بادشاہ آگ ہو گیا اور کہنے لگا۔ اے نادان بیوقوف تجھے کچھ شعور بھی ہے جو ایسے ولی کو ایسی تہمت لگاتی ہے۔ وہ تمام ان چیزوں سے نفرت رکھتا ہے حسن بانو نے پھر عرض کی۔ اے خسرو ایسے کافر کو ولی نہ کہیئے یہ تو شیطان سے بھی زیادہ ہے آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں سے اسکو کس طور سے کہیں انسان ہے یہ ملعون زادۂ شیطان۔ اس بات کو سُنتے ہی وہ اور بھی غضبناک ہو گیا اور تاؤ کھا کر کہنے لگا۔ ارے کوئی ہے جو اس بدبخت لڑکی کو میرے سامنے سنگسار کرے کہ یہ اپنی سزا کو پہنچے تو عبرت ہو کہ پھر کوئی ایسی حرکت نہ کرے کہ ایسے بزرگ کو یہ بات کہے۔ اتنے میں ایک وزیر نیک خو نے پایۂ تخت شاہی کو چوم کر عرض کی کہ جہاں پناہ یہ وہی بہزرخ سوداگر کی لڑکی ہے جس کے سر پر خداوند ہمیشہ دستِ شفقت پھیرتے تھے اور پیار کر کے اپنے پاس بٹھاتے تھے۔ آج اس کو سنگسار کرتے ہیں۔ اگر اس کے تئیں سنگسار کیا تو ان غلاموں کے دل سے خداوند کی مہربانی اور بندہ نوازی فرزندوں کے حق میں اُٹھ جائے گی۔ بلکہ ہر ایک اس اندیشہ میں ہلاک ہو گا کہ جہاں پناہ بعد میں ہمارے فرزندوں سے بھی یہی سلوک کریں گے جو لڑکی کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس خیال کو جی میں جگہ دیکر کنارہ کش ہو نگے اور فرصت پاکر بھاگ جائیں گے۔ اغلب ہے کہ غنیموں سے ملیں اور خداوند سے دشمنی کریں۔ یہ حقیقت عرض کرنی واجب تھی عرض کی کہ آگے جو مرضی خداوند کی۔ اس بات کو سُن کر بادشاہ نے کہا اے دانشمند میں نے تیری سفارش اور بہزرخ سوداگر کیوجہ سے اسکی جان بخشی کی، پر اپنا بھلا چاہتی

ہے تو آج ہی اس شہر سے نکل جائے بلکہ حضور عالی سے لوگ جائزہ میں نکال آئیں
اور زر و جواہر سے۔ لے کر جھاڑو کے تنکے تک اس کا اسباب توشہ خانہ میں داخل کریں
اس بات کے سنتے ہی فوج بادشاہی گئی اور اس کو اس کے گھر سے بے گھر کرکے مال و
اسباب جو اس فقیر کے ہاتھ سے بچا تھا وہ سب کا سب لوٹ لائے اور اس کو تن تنہا
وہاں سے نکال کر کسی جنگل میں دائی سمیت چھوڑ آئے۔ چاروں طرف گھبرائی پھرتی تھی
اور رو رو کے دائی سے کہتی تھی کہ اے مادرِ مہربان ایسی مجھ سے کیا خطا ہوئی جو میں
عذاب میں گرفتار ہوئی۔ وہ اس کو گلے لگا کر اور بلائیں لے کر دلاسے دیتی تھی کہ بابا گردشِ
فلکی سے چارہ نہیں، صبر کر اگر خدا فضل کرے گا تو سب کچھ ہو جائیگا۔ اسی صورت سے
گریہ زاری کرتی ہوئی دائی سمیت درخت کے نیچے خاک پر سو رہی کیا خواب دیکھتی ہے
کہ ایک شخص بزرگ صورت نیک خصلت سفید کپڑے پہنے عصا بازوین لئے گلے میں تسبیح
ڈالے کھڑاویں پہنے کھڑا ہے کہتا ہے کہ بابا غم نہ کھا اور اندیشہ نہ کر وہ کریم کارساز ہے
اس سے کچھ عجب نہیں جو تجھے پھر اسی مرتبہ کو پہنچا دے۔ چنانچہ اس درخت کے نیچے
سات بادشاہی کی دولت گڑی ہے حق تعالیٰ نے تیرے واسطے یہاں چھپا رکھی ہے اب
تو اٹھ اور اس خزانہ کو اپنے تصرف میں لا۔ دل کو خدا کی یاد میں رکھ۔ اس نے کہا میں عورت
ناتوان کیونکر اس دولت بیشمار کو اپنے تصرف میں لاؤں۔ اس نے کہا کہ ایک لکڑی سے ذرا سے کھود
اور قدرتِ خدا کو دیکھ کہ وہ مشکل کیونکر آسان کرتا ہے۔ یہ سنتے ہی حسن بانو چونک اٹھی اور اپنی دائی
سے کہنے لگی۔ آخر کار اس نے ذرا سے لکڑی سے کھودا تو سات کنوویں اشرفیوں سے بھرے ہوئے اور صندوق
ہر طرح کے جواہر موتی سمیت جو ہر ایک مرغی کے انڈے کے برابر تھا دکھلا دیا حسن بانو اس دولت خداداد
سے خوش ہوئی اور سجدۂ شکر ادا کرکے اپنی دائی سے کہنے لگی کہ اماں تم اس گھڑی
شہر کی طرف جاؤ، اور ہمارے کنبے کے لوگوں کو اور کچھ کھانے پینے کی قسم کی چیزیں
لاؤ۔ اس نے کہا کہ جاتی میں تمہیں تنہا چھوڑ کر کیونکر جاؤں اور ان کو کیونکر لاؤں، اگر
تیرے پاس کوئی اور ہوتا تو مضائقہ نہ تھا۔ مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں کوئی آفت نہ آئے یہ
اسی بات چیت میں تھیں کہ حسن بانو کا کوکا فقیری بھیس بنائے آ نکلا اور بے اختیار
پاؤں پر گرنے لگا۔ حسن بانو نے اس کو گلے لگا کر دلاسا دیا کہ خاطر جمع رکھ حق
تعالےٰ نے اس قدر زر و جواہر دیا ہے کہ جس کا حساب نہیں۔ اب شہر کو جا

اور اچھے اچھے مزدور اور معمار بُلا کر وہ ایک عمارت عالی شان تیار کریں۔ کیونکہ منظور ہے کہ میں ایک شہر بہت بڑا بساؤں۔ اس کا نام شاہ آباد رکھوں۔ مگر یہ حال کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ وہ یہ بات سُن کر کچھ تھوڑا بہت روپیہ لے کر شہر میں گیا۔ اور اس کے اقربا جو جا بجا تباہ بھیک مانگتے پھرتے تھے۔ اُن سبھوں کو بخوبی جمع کر کے اس کے پاس لے آیا۔ حسن بانو کو دیکھ کر سب خوش ہوئے۔ اور ایک خیمہ بہت بڑا کھڑا کر کے آپس میں رہنے لگے۔ اس کاروبار سے جب فرصت پائی تب وہ پھر آیا اور معماروں کے سردار سے ملاقات کر کے کہنے لگا کہ تم تھوڑے کاریگروں کو اپنے ہمراہ لیکر فلانے جنگل میں چلو مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ اس نے یہ بات قبول کر کے اپنے عملے سمیت اس کی ہمراہی اختیار کی وہ ان کو اپنے ہمراہ لے کر حسن بانو کے پاس آیا اس نے بہت تسلی دی اور کچھ انعام دے کر جس کام کے واسطے بلوایا تھا اس میں لگا دیا۔ چھ مہینے کے بعد ایک حویلی ستھری سی بنوا چکی تب معماروں سے کہنے لگی اب تم اس کے گرد شہر عالیشان کا ڈول ڈالو اور اسے آباد کرو۔ اُنھوں نے عرض کی کہ بادشاہ کی مرضی کے بغیر اتنا بڑا شہر یہاں بسانا اچھا نہیں۔ یہ سُنتے ہی حسن بانو لباس مردانہ پہن کر ایک عربی گھوڑے پر سوار ہو کر تھوڑے سے پیادوں کو آگے رکھ ایک خوان جواہر اور ایک مور یاقوت کا اپنے ساتھ لیکر شہر کی طرف روانہ ہوئی۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی کہ ایک سوداگر بچہ نہایت شکیل حضور کی قدمبوسی کی آرزو رکھتا ہے اور در دولت تک پہنچا ہے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اس کو نہایت عزت و حرمت سے حضور میں حاضر کرو۔ لوگ اُسکو ہاتھوں ہاتھ امتیاز کے ساتھ حضور میں لے آئے۔ وہ مجراگاہ میں کھڑا ہو کر آداب و قواعدِ بادشاہی سے تسلیمات و کورنشات بجا لائی۔ اور نذر کے خوان زیر تخت رکھ کر مہربانی کی اُمیدوار ہوئی بادشاہ اس کو دیکھ کر خوش ہوا شفقت سے احوال یوں پوچھنے لگا کہ تم کس شہر کے رہنے والے ہو اور کس کام کو یہاں آئے ہو۔ تمہارا کیا نام ہے؟ وہ ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگی کہ میں فلانے سوداگر کا لڑکا ہوں قبلہ گاہی گردشِ فلکی سے فلانے شہر کے قریب جنگل میں چند روز ہوئے مر گئے اُمیدوار ہوں کہ ایک شہر آباد کر کے اس کا نام شاہ آباد رکھوں۔ بادشاہ اس سخن سے نہایت خوش ہوا اور خلعت فاخرہ دیکر کہنے لگا کہ اے جوان صالح تیرے ماں باپ نہیں ہیں تو آج سے اُنکی جگہ مجھ کو سمجھ میری فرزندی میں داخل ہونا چاہیئے جو کر چاہے وہاں رہ، اندیشہ خاطر میں نہ لا جو چاہے

لے جا کہا جہاں پناہ میں نے اس سخن کو کیا اس نے نام شاہ رکھا۔ پھر فرمایا اے فرزند ارجمند وہ جنگل یہاں سے بہت دور ہے جی چاہتا ہے کہ ایک شہر اپنے شہر کے قریب آباد کر اس میں بخوبی رہ۔ اس نے عرض کی جہاں پناہ نزدیک دار السلطنت کے دوسرا شہر آباد کرنا ترک ادب ہے اگر حضور سے ارشاد ہو تو اس جنگل میں ہی شہر بسایا جاوے۔ بادشاہ نے اُسکو اجازت دی بلکہ فرمایا کہ ہر ایک کارکن اس شہر کے آباد کرنے میں مشغول ہو غرض وہ بھی ایک مہینہ میں تین بار حضور میں مجرے کو آتی اور ہر روز مزدوروں کو انعام دیکر تاکید کرتی کہ جلد تیار کرو وہ اس کے کہنے کے سبب اس کے بنانے میں مصروف اور نہایت سرگرمی سے اسکی تعمیر میں رات دن مستعد رہتے تھے۔ دو برس کے بعد ایک شہر عظیم آباد کیا، نام اس کا شاہ آباد رکھا۔ کاریگروں کو بہت انعام و خلعت دیکر رخصت کیا۔ پھر تو حسن بانو اکثر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے لگی۔ ایک دن بادشاہ کے مجرے کو آئی اور حضرت اُسوقت اس درویش بزرگ صورت شیطان سیرت کے گھر جانا چاہتے تھے حسن بانو کے دیکھتے ہی کہنے لگے کہ فرزند آج جی چاہتا ہے کہ ہم تم دونوں اُس بزرگوار نیک کردار کی خدمت میں حاضر ہو کر سعادت دارین حاصل کریں۔ کیونکہ ایسے غوث زمانہ کی زیارت نجات کی صورت ہے بسم اللہ کیجیے۔ حسن بانو نے عرض کی خداوند ایک تو ایسے بزرگ کی قدمبوسی سے دونوں جہان کی خوبی حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے جہاں پناہ کے ہمراہ رکاب چلنا اس بات سے سوائے میرے حق میں کیا بہتر ہے۔ جو کروں اور آپ کو ساتھ چلنا ضرور ہے۔ گھر اس کا میرے واسطے خانۂ اُمید ہے۔ کیونکر اس دولت عظمیٰ سے ہاتھ اُٹھاؤں۔ مگر جی میں کہتی تھی کہ ایسے شیطان مجسم کی صورت دیکھنا روا نہیں۔ لیکن کیا کروں مطیع بادشاہ ہوں۔ حاصل کلام بادشاہ کے ساتھ اُس فقیر کے گھر گئی اور بادشاہ اس کی تعریف اس شیطان مجسم کے آگے کرنے لگا۔ ماہرو شاہ کے نام سے مشہور تھی، سر اپنا جھکا کر تعریفیں سُنتی تھی اور چپکے چپکے کہتی تھی کہ اس قدر جو مجھ پر سرفرازی و مہربانی کرتے ہیں یہ سب اندر و جواہر کی تعریف ہے نہیں تو میں اُس بد رخ سوداگر کی بیٹی ہوں جس کو اپنے شہر سے بھی نکلوا دیا تھا، اور مال و خزانہ لوٹ لیا تھا۔ اتنے میں بادشاہ اُٹھا اور اس فقیر سے رخصت ہونے لگا۔ ماہرو شاہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ اگر پیر و مرشد اس کمترین کے گھر میں قدم رنجہ فرمادیں تو عین سرفرازی و بندہ نوازی ہے اور یہ بات بزرگوں کی خصلت

سے بعید نہیں۔ اُس انسان صورت شیطان سیرت نے کہاکہ بابا البتہ میں آؤں گا ماہروشاہ نے پھر بادشاہ سے عرض کی کہ میری حویلی شہر سے بہت دُور ہے شاہ صاحب کو تصدیع ہوگی صلاح یہ ہے کہ یہاں ایک حویلی برزخ سوداگر کی قابل بادشاہوں کے ہے بالفعل خالی پڑی ہے اگر خداوند دو چار روز کے واسطے عنایت کریں تو یہ غلام الیسے ولی کی خدمت قرار واقعی کرے اور دولت بے زوال سے بہرہ مند ہو۔ بادشاہ نے کہاکہ اے فرزند تو نے اسکی خبر کہاں سے پائی۔ کہاکہ اکثر اس شہر کے رہنے والے اس کی تعریف کرتے ہیں۔ کہا، اے ماہروشاہ وہ حویلی تجھ ہی کو بخشی۔ اس بات کے سنتے ہی وہ آداب بجالایا اور اپنے لوگوں کے ساتھ اس حویلی میں داخل ہوا۔ اُس کو بے مرمت دیکھ کر بے اختیار در و دیوار سے لپٹ کر رو دیا۔ لوگوں سے کہا اسکی مرمت کر کے جلد درست کرو۔ یہ کہہ کر اپنے گھر چلا گیا۔ ایک ماہ کے بعد ضیافتوں کا انتظام کر کے اس میں آیا اور کئی خوان سونے چاندی کے جڑاؤ باستو سمیت اور بہت سا اسباب نذر نادرہ نذر لیغت اور ایک بوم طلائی اور ایک طاؤس یاقوتی اور بہت جواہر بیش قیمت اپنے ساتھ لیا پھر اپنے نوکر چاکر اس حویلی میں چھوڑ کر بادشاہ کے پاس گیا، ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگا کہ جہاں پناہ ارادہ ہے کہ چند روز برزخ سوداگر کے مکان پر رہوں۔ مجرے کے واسطے ہر روز حاضر ہا کروں لیکن کل اپنے پیر و مرشد کی تواضع کر لوں۔ بادشاہ نے فرمایا بہت بہتر یہ اختیار ہے بلکہ ہماری بادشاہت کا تجھے اختیار ہے۔ وہ اُٹھ کر آداب بجالایا اور عرض کرنے لگا کہ اس قدر بندہ نوازی اور اتنی سرفرازی خداوند کی محض پرورش ہے فدوی ہر صورت میں بادشاہ عالم پناہ کا تابعدار ہے۔ غرض بادشاہ سے رخصت ہو کر اور اپنے باپ کے گھر آ کر ضیافت کی تیاری کی۔ پھر ایک آدمی سے کہاکہ جا کر اس فقیر مکار کی خدمت میں اس عاجز کی طرف سے بندگی کے بعد عرض کرنا کہ کل تشریف آوری فرماؤ گویا کترین کو بے داموں مول لو۔ غرض وہ گیا اور اسکے ارشاد موجب عرض کی اس نے اس بات کو قبول کیا صبح کو اُسی اپنی عادت سے فقیروں کو ساتھ لیکر سونے چاندی کی انیٹوں پر پاؤں رکھتا ہوا چلا۔ ماہروشاہ نے فرش مکلف اور مسندِ شاہانہ سے ایک مکان پہلے سے آراستہ کر رکھا تھا اس میں داخل ہوا شاہزادے نے اُسکو مسندِ شاہانہ پر بٹھا دیا۔ خوان نذر جواہر مع طاؤس مرصع نذر کئے، فقیر نے قبول نہ کئے تب اس نے طاقوں پر چنوا دیئے۔ اس لئے کہ ان پر فقیر کی نذر پڑے۔ پھر کئی خوان میوے کے منگوائے اور ایک دسترخوان نذر لیغت کا بچھوایا، جڑاؤ سنگ لیشت کے باسنوں میں طرح بطرح کے اور قسم قسم کے کھانے نکالکر چنے، اور گنگا جمنی چلمچی آفتابہ

سے ہاتھ دُھلوا کر عرض کی کہ پیر و مرشد کچھ تناول کریں اور اس کمترین کو سرفراز فرمائیں۔ اس بات کو سنکر اس کوتہ اندیش نے ہاتھ بڑھایا اور اپنے اُنہیں چالیسوں فقیروں کے ساتھ کھا کر ہاتھ اُٹھا لیا اور کہا کہ فقیروں کو پیٹ بھر کر کھانا نہیں چاہیئے کیونکہ اگر بہت کھائیں گے تو عبادتِ الٰہی نہ کر سکیں گے۔ ماہرو شاہ نے پھر عرض کی کہ پیر و مرشد اس کمترین کی تسلی نہیں ہوتی دو چار نوالے آپ اور بھی تناول کریں۔ اس نے کہا میں نے تیری خاطر سے کھا لیا اور تمام دن رات میں دو چار نوالے کھاتا ہوں، آٹھ پہر یادِ خدا میں مصروف رہتا ہوں، کیونکہ جو زیادہ کھاؤں تو یادِ الٰہی کیا خاک کروں۔ پر دل میں کہتا تھا کہ یہ سب کا سب اپنا ہے کہاں جاتا ہے۔ پھر ایک مرصع کار عطردان اور پاندان آگے لاکر رکھا۔ اس نے عطر ملا گھڑی دو گھڑی کے بعد رخصت ہو کر اپنے گھر آیا اور ان چوروں سے کہنے لگا کہ یہ کھانا جب حلال ہے کہ ہم تم آج ہی کی رات چل کر تمام اسباب چرا کر لے آئیں۔ یہ اسی گفتگو میں تھے کہ رات ہو گئی تب اس نے چوروں کے کپڑے پہنے اور اُنہیں چالیسوں کو ساتھ لیکر آدھی رات کو اُسکی حویلی کیطرف چلا ماہرو شاہ نے اپنے لوگوں سے پہلے ہی کہہ رکھا تھا کہ تم آج کچھ اسباب کہیں کہیں سے نہ سمیٹنا جہاں کا تہاں پڑا رہنے دینا مگر مستعد بیٹھے رہنا اور ایک رقعہ شہر کے کوتوال کو لکھ بھیجا کہ آج کی رات ڈاکہ پڑنے کی خبر ہے تم تھوڑے سے لوگ لیکر جلد آؤ اور ایک کونے میں گھات لگا کر چھپے رہو جس وقت حویلی سے آواز بلند ہو اُسی گھڑی تم آپہنچنا اور چوروں کو باندھ لینا کوتوال اس خبر کو سنتے ہی دو سو پیادوں سے اسکی حویلی کے دائیں بائیں آکر بیٹھ رہا۔ اتنے میں وہ اجل گرفتہ ایک ڈھاڑ لیکر اس کی حویلی میں آبیٹھا اور اسباب غارت کرنے لگا۔ غرض ہر ایک نے ہر طرح کے اسباب کا گٹھڑا باندھ کر اپنے اپنے سر پر رکھا، وہ درویش اس طاؤس کو لیکر حویلی سے باہر نکلا۔ پیادے تو اسی گھات میں لگ رہے تھے اپنی جگہ سے کودے اور اُن کو باندھنے لگے چٹ پٹ ان سبھوں کی مشکیں باندھ لیں اور گٹھڑیاں اُنکے گلے میں ڈالدیں غرض اسقدر شور و غل ہوا کہ کوتوال خود چلا آیا۔ اُنہوں نے عرض کی کہ آپ بھی اس سے خبردار رہیں صبح کو حضور معلیٰ میں جائینگے وہاں سے جو حکم ہو گا سو کیا جائیگا۔ حسن بانو دشمنوں کو دیکھ کر خوش ہوئی اور اپنے نوکروں کو انعام دے کر ٹھنڈے جی سے پاؤں پھیلا کر سو رہی۔ اتنے میں صبح ہوئی بادشاہ نے برآمد ہو کر تختِ سلطنت پر جلوس فرمایا اور وزیر و امیر، خان و نواب مجرا کر کے اپنی اپنی جگہ کھڑے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ آج رات شہر میں کیا شور و غل تھا؟ اتنے میں کوتوال ان سب کو باندھے ہوئے آپہنچا اور آداب شاہی بجا لا کر عرض کرنے لگا، آج پہر رات گئے برزخ سوداگر کی حویلی میں ڈاکہ پڑا یہ نمک خوار اس حال کے دریافت کرتے ہی وہاں پہنچا، اور

ان کو مع زر و جواہر باندھ کر حضور میں لے آیا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ شاید میں نے ان کو کہیں دیکھا ہے۔ ظاہراً صورت آشنا سے پڑتے ہیں۔ وہ یہ عرض کر رہی رہا تھا اتنے میں ماہرو شاہ آیا اور مجرا قواعد بادشاہی کے بعد ایک کرسی جواہر پر بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا اے فرزند ارجمند کیا تمہاری حویلی میں شب کو چور آئے تھے۔ اُس نے کہا جہاں پناہ کوتوال شہر بر وقت پہنچا نہیں تو گھر لٹتا اور میں مارا جاتا۔ یہ بات سنکر بادشاہ نے فرمایا انکو ہمارے سامنے لاؤ۔ وہ اسی طرح لے آئے بادشاہ ہنسا اور کہنے لگا کہ اے فرزند یہ تو ہمارے ارزق شاہ معلوم ہوتے ہیں جب نزدیک بلایا تو وہی شاہ صاحب تھے اور اُن کے چالیسوں مرید بھی۔ پھر کوتوال کو حکم کیا کہ تو انکی گٹھریاں اور کمریں کھول اسباب دکھلا اس نے اسکی تلاشی لی تو ہر ایک کے پاس مال اور کمندیں اور پھانسیاں نکلیں بلکہ ارزق کی کمر میں طاؤس اور کئی پھانسیاں ہاتھ آئیں۔ بادشاہ اس حال کو دیکھ کر متعجب ہوا اور غضب سے کہنے لگا ابھی ان کو سولی دو کہ پھر کوئی ایسا کام نہ کرے۔ وہاں زبان ہی ہلاتے کی دیر تھی جلاد نے ہر ایک کا کام تمام کیا۔ حسن بانو نے جب دیکھا کہ دشمن اپنے ساتھیوں سمیت مارا گیا، کرسی سے اُٹھی اور ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگی کہ جہاں پناہ یہ لونڈی خانہ زاد موروثی بزرخ سوداگر کی بیٹی ہے حضرت نے اس فقیر کیواسطے لونڈی کو شہر بدر کیا تھا تب بھی اس عاجز کی تقصیر نہ تھی چنانچہ میرے باپ کا مال اسی کے گھر میں ہے۔ اگر خداوند اسکو کھدوائیں تو نکلے اور جھوٹ سچ معلوم ہو بادشاہ نے فرمایا کہ بیٹی تجھ سے شرمندہ ہوں اور حکم دیا کہ اس کا گھر کھودیں جب کھودا تو تمام مال بزرخ سوداگر کا نکلا حسن بانو نے اُس کو بادشاہ کی نذر کیا اور عرض کی کہ خداوند یہ اُمیدوار ہے کہ اگر آپ بیکس کے ہاں قدم رنجہ فرمائیں تو یہ لونڈی بہت کچھ رکھتی ہے سب حضور عالی میں گذارے اور اپنی حقیقت ظاہر کرے بادشاہ نے قبول کیا۔ وہ حضور سے رخصت ہو کر اپنے شہر میں آئی اور تمام شہر آئینہ بندی سے آراستہ کیا۔ دو تین روز کے بعد بادشاہ نے اسکے شہر کی طرف کوچ کیا۔ جب نزدیک پہنچا وہ استقبال کیواسطے باہر آئی اور قدمبوس ہو کر محل میں لے گئی ایک مسندِ شاہانہ پر بٹھا کر دوسرا طاؤس مرصع اور کئی خوان زر و جواہر کے آگے رکھے۔ بادشاہ ان کو دیکھ کر خوش ہوا۔ پھر اس نے ساتوں کنوئیں زر سرخ کے بھرے ہوئے دکھلائے اور ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ اہلکاروں کو حکم ہو کہ مال و اسباب کو چھکڑوں پر لدوا کر بھجوا دو متصدیوں سمیت کنوئیں پر گئے کیا دیکھتے ہیں کہ ساتوں کنوئیں زر سرخ سے مالا مال ہیں۔ جونہی چاہا کہ نکال کر لدا دیں وہ سب زر سانپ و بچھو کی صورت بن گیا وہ اس واردات سے ڈر کر بادشاہ کے پاس گئے اور اس حال کو ظاہر

گیا۔ بادشاہ حیران ہوا اور حسن بانو کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔ تب حضرت نے فرمایا کہ کچھ اندیشہ نہ کر حق تعالٰی نے تیری ہی قسمت میں لکھا ہے دوسرا اسکو نہ لے سکے گا۔ وہ تسلی آمیز باتوں سے خوش ہوئی اور عرض کرنے لگی اگر حکم ہو تو اسکو راہ خدا میں صرف کروں۔ بادشاہ نے پروانگی دی اور رخصت ہو کر دولتخانہ میں تشریف لے گئے اور حسن بانو اپنے مکان کو واپس آئی۔ بادشاہ نے تھوڑے لوگ فوج میں سے اسکی حفاظت کیواسطے وہاں چھوڑے۔ اس نے اسی روپے سے ایک مسافر خانہ عالیشان بنایا ہر ایک مسافر کو کھانا کپڑا نقد و جنس دیتی اور رخصت کرتی۔ چنانچہ کوئی کہیں کا ارادہ کرکے شہر میں آتا تھا یہ اُس کو اُسکی قدر کے موافق خرچ دیکر رخصت کر دیتی تھی۔ چند ہی روز میں مسافروں نے یہ چلن اور وصف اس کا گاؤں گاؤں میں مشہور کر دیا۔ کہ ایک نئے شہر میں ایک لڑکی ایسی مروت و سخاوت رکھتی ہے کہ ہر بندۂ خدا کا سر اپنے بار احسان سے جھکا دیتی ہے۔ اور اپنی شیریں سخنی سے ہر ایک بشر کو غلام کر لیتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ ایسی سُنی نہ دیکھی۔ اور نوکر بھی اس کے امانتدار ہیں۔ ہر ایک محتاج اور غریب کو روپیہ اور اشرفیوں سے نہال کر دیتی ہے۔ اس کا نام زمانہ میں سخاوت کے باعث چاند اور سورج سے بھی زیادہ روشن ہے۔ یہ خبر رفتہ رفتہ شہر خوارزم میں پہنچی۔ وہاں کا بادشاہ لشکر عظیم اور ملک وسیع رکھتا تھا۔ ایک بیٹا اس کا منیر شامی نام چودہ برس کا نہایت حسین اور خوبصورت تھا۔ اتفاقاً حسن بانو کی سخاوت اور خوبصورت ہونے کا آوازہ سنتے ہی عاشق ہو گیا اور ایک مصوّر کو بُلا کر کہا کہ میں اس قدر روپے تجھے دیتا ہوں تو شاہ آباد میں جا اور حسن بانو کی تصویر جس طرح ہو سکے کھینچ لا۔ وہ کئی مہینہ کا وعدہ کر کے رخصت ہوا، اور شاہ آباد کے قریب جا پہنچا حسن بانو کے نوکر اسی کام کے واسطے مقرر تھے ہر ایک مسافر کو اپنے اپنے مکان پر لے جاتے اور اچھے اچھے کھانے کھلاتے، جب اُسکو رخصت کرتے تب اس کو اس کے پاس لیجاتے۔ وہ اس کا احوال پوچھتی اور اس کے حال کے موافق خرچ دیکر رخصت کرتی۔ اسی صورت سے وہ لوگ اس کو حسن بانو کے پاس لے گئے تب اس نے ایک پردہ ڈال کر اپنے پاس بلوایا اور احوال پوچھا۔ اس نے عرض کی میں اس بات کا اُمیدوار ہوں کہ یہ باقی عمر آپ کے سایۂ دولت میں بسر کروں۔ اُس نے کہا تو کیا کام جانتا ہے؟ وہ بولا کہ میں مصوّر کا کام جانتا ہوں جسکی تصویر چاہو کھنچواؤ۔ پس اس نے اس کو نوکر رکھا۔ تھوڑے دنوں میں خیال آیا کہ اپنی تصویر کھنچوائے، اس کا جھوٹ سچ معلوم ہو جائیگا ایک دن اسکو بلوایا اور کہا اے مصوّر میری تصویر بغیر دیکھے کھینچ۔ اس نے کہا

آپ کوٹھے پر چڑھ جائیں اور ایک لگن پانی سے بھروا کر زیر دیوار رکھوا دیں۔ پانی میں ذرا عکس دیکھ لوں تو آپ کی تصویر ہو بہو کھینچوں۔ اس نے طشت پانی سے بھر کر جلد دیوار کے تلے رکھوانے کا حکم دیا نوکروں نے ویسا ہی کیا وہ اوپر گئی اور پرچھائیں پانی میں پڑی مصور نے ایک نظر پانی میں اسکی شبیہہ دیکھ لی اور اپنے گھر آکر دو تصویریں کھینچیں جو تصویر اچھی تھی وہ اپنے پاس رکھی اور ایسی ویسی حسن بانو کے حوالے کی۔ اس نے اس کو بھی پسند کر کے لے لی اور انعام دیکر رخصت کیا۔ وہ مصور تھوڑے دنوں کے بعد منیر شامی کے پاس پہنچا اور تصویر اسکے آگے رکھ دی وہ تصویر دیکھتے ہی غش کھا گیا۔ جب ہوش میں آیا جی میں ٹھہرائی کہ چل نکلے بھیس بدل کر تن تنہا نکلا اور شاہ آباد کی طرف راہی ہوا۔ ایک مدت کے بعد شہر میں پہنچا، پر کچھ نہ کھایا، خبرداروں نے یہ خبر حسن بانو کو پہنچائی کہ ایک مسافر شہر میں آیا ہے کہ وہ نہ کچھ کھاتا ہے اور نہ کسی سے بات کرتا ہے۔ حسن بانو نے اسکو اپنے پاس بلوایا اور کہا کہ اے مسافر تو نے کھانا پینا کیوں چھوڑا اور اسقدر زر نقد کیوں نہیں لیتا اگر لیتا تو کہیں تیرے کام آتا۔ اس میں سے کچھ تو لے۔ اس نے کہا میں زر و جواہر کا محتاج ہو کر نہیں آیا ہوں، میں بھی دولت و حشمت رکھتا ہوں بلکہ شہر خوارزم کا شہزادہ ہوں۔ اس نے کہا اگر شہزادہ ہے تو فقیروں کا بھیس کیوں بنایا ہے؟ بولا کہ میں تصویر دیکھ کر دیوانہ وار اپنی شہزادگی کو خاک میں ملا کر شہر سے نکلا۔ خاک چھانتا ہوا یہاں تک آپہنچا، فقط آرزوئے وصال رکھتا ہوں، جو بات سچ تھی وہ کہی آگے تیری مرضی جو چاہے سو کر۔ اس بات کو سنتے ہی بے تامل سر نیچا کر لیا۔ ایک دم کے بعد کہا۔ اے جوان اس خیال کو دل سے دور کر، کیونکہ اگر خاک ہو کر ہوا کے ساتھ اڑتا پھریگا تو میرے ایک رونگٹے کے برابر نہ پہنچے گا منہ دیکھنے کا تو کیا ذکر، مگر وہ شخص جو میری سات شرطیں پوری کرے۔ تب شہزادہ بولا کہ میں تیرے دروازہ پر جان دونگا۔ وہ مسکرا کر بولی، جان دینا آسان ہے مگر مراد دیکھنا مشکل تب اس نے کہا تم کو اپنی جان کی قسم ہے وہ سوال کونسے ہیں مجھ سے کہہ تب حسن بانو بولی۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ "ایک بار دیکھا دوسری دفعہ دیکھنے کی ہوس ہے۔" اس کا جواب دے۔ اس نے کہا وہ کہاں ہے اور کب سے یہ سخن کہتا ہے؟ یہ سنکر وہ ہنسی اور کہنے لگی، کیا خوب! اگر میں جانتی تو تجھ سے کیوں پوچھتی۔ شہزادہ سنکر اپنے گریبان میں منہ ڈال کر جی میں کہنے لگا اب کیا کروں بن دیکھے مکان کی طرف کیونکر جاؤں۔ پھر اس نے کہا اے سراپا ناز میرے حق میں تیرا شہر ہی میں رہنا اچھا ہے اور کہیں کے کوچوں کا مرنا مبارک ہے۔ یہ سنکر اس نے کہا ہم ایسے یاوہ گوؤں کو اپنے شہر میں نہیں رہنے دینے

اگر آپ سے جانا ہے تو جانہیں تو بے حرمت ہو کر نکلے گا۔ شہزادہ اس گفتگو سے مایوس ہوا اور ایک برس کا وعدہ کر کے چلنے کا قصد کیا۔ تب سوداگر بچی کو معلوم ہوا کہ یہ اپنا نقد دل کھو چکا ہے تھوڑے بہت روپے خرچ راہ دیئے اور نام پوچھا۔ اس نے کہا کہ منیر شامی۔ القصہ یکبارگی روتا پیٹتا صحرا الصحرا چلا۔ کسی جنگل میں جا کر ہنس دیتا کسی پہاڑ سے سر ٹکرا کر رو دیتا پر قدم بڑھائے چلا جاتا۔ اور بھی اس فتنہ انگیز کی صورت دیکھنے کئی شہزادے و وزیر زادے آئے اور انہی سوالوں میں گرفتار ہو کر کافور ہو گئے اور بہتیرے مر مٹے مگر ایک بھی سوال پورا نہ کر سکا۔ القصہ منیر شامی اس کی تصویر کو بغل میں دبائے جنگل جنگل بگولے کی مانند پھرتا تھا پر کہیں مطلب کا کھوج نہ پاتا تھا اتفاقاً پھرتے پھرتے ایک جنگل میں جا نکلا اور کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر ابر بہار کی مانند زار زار رونے لگا۔ حاتم بھی اس روز شکار کھیلنے کیلئے گیا تھا۔ اتنے میں ایک آواز دردناک اس کے کان میں پڑی۔ اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ اس آواز کی خبر لاؤ دیکھو تو اس جنگل میں ایسا ستم رسیدہ کون ہے جو اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے۔ غرض کئی شخص گئے اور آ کر عرض کرنے لگے۔ اے خداوند ایک شخص نوجوان فقیروں کی شکل بنائے درخت کے نیچے بیٹھا رو رہا ہے۔ نہ آنکھیں کھولتا ہے نہ منہ سے بولتا ہے۔ حاتم اس بات کے سنتے ہی اسکی طرف آیا چپکا کھڑا ہوا دور سے تماشہ دیکھنے لگا۔ وہ بے خبر رو رو کے آہیں بھرتا تھا اور اپنے جگر کے ٹکڑے کرتا تھا یہ حالت اسکی دیکھ کر حاتم بیتاب ہو گیا اور آنسو بھر لایا اور اپنے جی میں کہنے لگا الٰہی اس پر کیا حادثہ پڑا ہے جو ایسا حال ہو گیا۔ غرض اپنے گھوڑے سے اُترا، اس کے سرہانے جا کر کھڑا ہوا اور نرمی سے پوچھنے لگا۔ اے جوان رعنا تجھے ایسی کیا ہی مصیبت پڑی جو تیری یہ حالت ہے؟ اُس نے جو سر اُٹھا کر دیکھا تو ایک نوجوان مہ جبین سرو قد زلف مشکیں، بادشاہوں کی سی پوشاک پہنے ہوئے احوال پوچھتا ہے۔ جب اس نے اُلفت و شفقت کے ساتھ اسے دیکھا بے اختیار بول اُٹھا۔ اے بھائی کیا کہوں نہ طاقت تحریر کی نہ قدرت تقریر کی، اسکے سوا کوئی نظر نہیں آتا جو میرا درد دل سے دُور کرے اور اس کا علاج کرے۔ حاتم نے کہا تو خاطر جمع رکھ اور مجھ سے کہہ کیونکہ میں نے خدا کی راہ میں کمر باندھی ہے تیرا بھی کام کرنے میں قصور تا مقدور نہ کرونگا۔ اگر دولت دُنیا درکار ہے تو ابھی کہے اور اگر کسی دشمن نے ستایا ہے تو اُس کے سامنے کر دے مارونگا یا آپ ہی مروں گا۔ اگر معشوق کے ملنے کی آرزو رکھتا ہے تو وہ بے سعی مل سکتا ہے اسکی تدبیر کروں گا خدا کے فضل سے اُسکو بھی تجھ سے ملا دونگا۔ اگر سر کا طالب

ہے تو وہ بھی حاضر ہے۔ منیر شامی نے اس ڈھب کی باتیں سُنیں تو آفرین و مرحبا کہہ کر دعائیں دیں اور کہا اے جوان صاحبِ وقار سلامت رہے جو ہم غریبوں کو دلاسا دیتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ تصویر اپنی بغل سے نکالی اور اسے دکھلائی اور پوچھا کہ اب تو ہی بتا کہ بن دیکھے اس کے کیونکر جیوں۔ اپنا حال کس طرح ظاہر کروں۔ حاتم نے جو وہ شکل دیکھی جھجک کر رہ گیا۔ پھر کہنے لگا کہ حق بجانب تیرے ہے اتنا بیتاب نہ ہو ذرا صبر کر خاطر جمع رکھ خدا سے دھیان لگا، نااُمید نہ ہو میں بھی تیرے کام میں قصور نہ کروں گا۔ جبتک تیرا یار تجھ سے نہیں ملتا ساتھ نہیں چھوڑونگا۔ غرض اسی طرح تسلّی دیکر ڈھارس بندھا گھر میں لے گیا وہاں حمام کروا پوشاک بدلوائی ضیافتیں کھلوائیں۔ ناچ دکھلائے۔ دو چار روز اسی طور سے مشغول رکھا۔ پھر ایک دن اسے اُداس دیکھ کر کہا اے عاشقِ صادق میں تجھے ٹالتا نہیں، اب تیرے مطلب کی تلاش کرتا ہوں اور کمر کوشش کی باندھتا ہوں۔ شہزادہ بولا، اے میرے یار کامگار میرا کام آغاز و انجام نہیں رکھتا، میں روادار نہیں کہ تو عیش و عشرت چھوڑ اور آپ کو محنت و مشقت میں ڈالے۔ حاتم بولا گو تو نہیں چاہتا نہ چاہ، مگر میں اپنے سخن کو تا بمقدور نبا ہوں گا اور تجھ سے تیری محبوبہ کو اگر جیتا بچا تو ملا دوں گا۔ غرض اپنے ارکانِ دولت کو جمع کر کے فرمایا کہ جس صورت سے مسافروں کو مکان، بھوکوں کو کھانا، ننگوں کو کپڑا، مفلسوں کو خرچ میرے سامنے ملتا ہے۔ اسی طرح میرے آنے کے زمانے تک سب کو ملے۔ یہ کوئی نہ کہے کہ حاتم اس شہر میں نہیں، اب کون کسی کو دے۔ اس امر میں تغافل و تساہل نہ کرنا بلکہ یہ کاروبار بخوبی جاری رکھنا اسی طرح سے سمجھایا۔ منیر شامی کے ہمراہ شاہ آباد کا راستہ لیا کتنے دنوں میں پہنچا۔ حسن بانو کے لوگ جو جمعداری پر متقرر تھے پیشوائی کر کے ان دونوں کو مہمان سرائے میں لے گئے۔ قسم قسم کے کھانے لیجا کر روبرو رکھے۔ اشرفیاں روپے بہت سے حاضر کئے اور بمنت التماس کیا کہ آپ بے تکلف کھانا نوشِ جان کیجئے اور زر سرخ سفید جس قدر درکار ہو بے تامل لیجئے۔ اس نے کہا کہ اے بندے خدا کے میں طالب روٹی اور طالبِ زر و جواہر ہو کر نہیں آیا ہوں۔ حق تعالےٰ نے مجھ کو بھی سب کچھ دیا ہے اور بہت سے ملکوں کا سردار کیا ہے۔ میری تو آرزو بہت بڑی ہے۔ ان لوگوں نے اس بات کو سُنکر حُسن بانو کو کہا کہ حاتم نام ایک شخص تازہ وارد تمہارے سوال کا جواب دینے پر مستعد ہے لیکن منیر شامی بھی اس کے ساتھ ہے۔ اس نے اس ذکر کو سُنکر ان دونوں کو بلوایا۔ جب وہ آئے تو چلمن کی اوٹ میں ہو بیٹھی اور پوچھنے لگی کہ تمہارا کیا حال ہے۔ حاتم نے کہا شکر ہے جیتے تو ہیں اے

مہر لقا اپنے مبتلا کو ذرا صورت تو دکھا کہ اس کے دل کو ذرا تسکین ہو جائے اور کچھ زندگانی کا پھل پائے۔ وہ بولی اے بندۂ خدا میں نامحرم کے سامنے کیوں اور کس طرح اپنا دیدار دکھلاؤں مگر ہاں جو کوئی ساتوں سوال پورے کریگا وہی عقد کے بعد میرے گلشن عیش سے گل راحت چُنے گا۔ اور شراب وصل پیئے گا۔ تب حاتم نے کہا وہ کون سے سوال ہیں؟ تم اپنی شیریں زبانی سے بیان کرو تاکہ ان سوالات کے تکمیل کی فکر کروں اور اس آوارۂ وطن

یہ تصویر اُسوقت کی ہے کہ حاتم کا پرستان میں آنا اور غائب ہو جانا اور کہنا اس کا کہ ایک بار دیکھا دوسری دفعہ کی ہوس ہے

شوریدہ سر کی اُمید دلی بر لاؤں۔ مہر لقا آمادہ ہوئی اور کہا اے حاتم خدا تجھ کو اس کی جزا دے مگر پھر میں کہتی ہوں کہ اس خیال خام سے باز آ اور اپنی جان کو اس تہلکہ میں نہ ڈال۔ حاتم نے کہا، اے ملکہ یہ بات جوانمردی سے بالکل بعید ہے کہ ایک مایوس

کو اُمید دلانا اور اس کی دل شکنی کرنا۔ اے ملکہ وہ دوسرا سوال کیا ہے بیان کرو اور اس کے ساتھ یہ قول بھی دو کہ ان سوالوں کو پورا کروں تو تم کو جسے چاہوں دوں۔ اُس نے اس بات کو مانا اور اقرار بخوبی کیا۔ پھر ایک دن دسترخوان پاکیزہ بچھا کر طرح طرح کے کھانے کھلوا کر تھوڑے بہت روپے دیئے اور رخصت کے وقت یہ کہا کہ اے حاتم پہلا سوال یہ ہے کہ ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے۔ اس کی خبر لا کہ وہ کون ہے اور کہاں ہے اور اس نے ایسا کیا دیکھا جس کے دیکھنے کی آرزو رکھتا ہے۔ پہلے اس کو پورا کر پھر دوسرے کی فکر کیجیو۔ حاتم نے اس بات کو سنتے ہی منیر شامی کو سپرد کیا کہ میرا بھائی ہے جب تک میں یہاں نہ آؤں تب تک اپنی مہمانی میں رکھنا اور خاطر کیا کرنا۔ یہ کہہ کر حاتم وہاں سے رخصت ہوا، اور منیر شامی کو مہمان سرا میں چھوڑ کر کسی طرف کو چلا۔ القصہ حاتم تھوڑی دور گیا تب اپنے جی میں کہنے لگا اب کیا کروں

پہلا قصہ حاتم کے جانے کا اور پہلی شرط بجا لانے کا

کس سے کہوں بے دیکھے بھالے کدھر جاؤں اور اس عقدے کو کیونکر کھولوں۔ مگر برائے خدا یہ مشکل اپنے اوپر لی ہے وہی آسان کریگا مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر توکل بخدا آگے بڑھا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک بھیڑیا قریب ہے کہ ایک ہرنی کو پکڑے اور پھاڑ چیر کر کھا جاوے اس بیکسی میں جو اس نے ہرنی کو دیکھا جلد جا کر آواز سہمناک سے پکار کر کہا کہ اے نابکار کیا کرتا ہے خبردار غریب بچے والی ہے دودھ اسکی چھاتی میں سے گرتا ہے۔ وہ اس بات کو سنکر تھما اور کھڑا ہو کر کہنے لگا شاید تو حاتم ہے جو ایسے وقت میں اس کی اڑی آسان کرنے آیا۔ وہ بولا تو نے کیونکر جانا اس نے کہا میں نے تیری ہمت سے پہچانا ہے لیکن تمام ملک میں یہ بات مشہور ہے کہ تو ہر مخلوق پر احسان کرتا ہے پھر یہ سبب معلوم نہیں کہ میرا شکار میرے منہ سے کیوں چھڑایا تب حاتم نے کہا تو کیا چاہتا ہے وہ بولا میری خوراک تو گوشت ہے جو پاؤں تو کھاؤں۔ حاتم نے کہا بہت بہتر جہاں کا گوشت چاہے میرے بدن سے کاٹ اور اپنا پیٹ بھر لے اور چلا جا۔ اس نے کہا مرن کا گوشت بے ہڈی ہوتا ہے اگر ذرا سا چکھا دو تو دعا دوں۔ تب حاتم نے اس گھڑی خنجر کمر سے کھینچ لیا اور ایک لوتھڑا چوتڑ سے کاٹ کر اُسکے آگے ڈال دیا۔ وہ گوشت اس نے کھایا اور سیر ہو کر بولا کہ اے حاتم ایسی مصیبت تجھ پر کیا پڑی جو تو یمن سا شہر چھوڑ کر اور ایسی تکلیفیں اُٹھا کر اس جنگل خونخوار میں آپڑا۔ تب حاتم نے جواب دیا کہ منیر شامی حسن بانو پر عاشق ہوا ہے

اور وہ سات سوال رکھتی ہے جو اُسے پورا کرے گا اُسے قبول کرے گی۔ میں نے للّٰہ اس کام پر کمر باندھی ہے۔ چنانچہ پہلا سوال یہ ہے کہ ایک بار دیکھا ہے اور دوسری بار کی ہوس رکھتا ہے خبر نہیں کہ وہ مکان کہاں ہے وہ شخص کون ہے اور ایسا کیا دیکھا ہے کہ جس کے دیکھنے کی دوبارہ آرزو رکھتا ہے۔ پر خدا کی طرف لو لگائے صحرا بصحرا پھرتا ہے۔ اس نے کہا میں اُس مکان کو جانتا ہوں۔ اکثر بزرگوں کی زبانی اس کا پتہ پایا ہے اس کا نام دشتِ ہویدا ہے وہاں جو جاتا ہے تمام دن پھرتا ہے اور یہی آواز سُنتا ہے۔ حاتم نے کہا وہ دشت کہاں ہے؟ بھیڑیا بولا یہاں سے تھوڑی دور جا کر دو رستے ملیں گے تو بائیں ہاتھ کی راہ چھوڑ کر داہنی راہ پر ہو لینا یقین ہے کہ وہاں پہنچے گا اور اپنا مدعا حاصل کرے گا۔ ہرنی اس کو دعائیں دیتی چلی اور بھیڑیا بھی اس سے رخصت ہوا، پر وہ دونوں اس کی جوانمردی کے قائل ہوئے۔ حاتم دو چار قدم بڑھا کہ درد کے باعث پیر لڑکھڑائے ناچار ایک درخت کے نیچے تڑپنے لگا۔ وہاں ایک گیدڑ کا بھٹ تھا وہ اپنی مادہ سمیت خوراک کی تلاش میں گیا تھا۔ دو چار گھڑی کے بعد جو گیدڑ آیا حاتم کو اپنی جگہ پر بیٹھا پایا تب مادہ نے اس سے کہا کہ آدم زاد کہاں سے آیا ہے۔ اس مکان کو چھوڑنا چاہیئے کیونکہ غیر جنس ہے کس طرح موافقت اور کیونکر صحبت ہو مثل مشہور ہے کہ آدمی کو حیوان سے کیا نسبت! گیدڑ نے کہا یہ جوان حسین حاتم ہے۔ دشتِ ہویدا کی خبر کو جاتا ہے اب چوتڑ کے درد سے اس درخت کے نیچے گر پڑا، اور جان دیتا ہے۔ وہ بولی تو نے کیونکر دریافت کیا؟ اُس نے کہا میں نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ فلاں تاریخ فلاں روز اس جگہ حاتم کا گذر ہوگا درخت کے نیچے اذیتیں کھینچے گا۔ سو وہ تاریخ و دن یہی ہے۔ اس نے کہا اس کا حال سچ کہہ وہ بولا یمن کا شہزادہ ہے، بڑا سخی ہے۔ آج فلاں جنگل میں ایک ہرنی بچے والی چرتی تھی اور ایک بھیڑیا اس پر لپکا اس نے اپنے چوتڑ کا گوشت دے کر اس بھیڑیئے سے وہ ہرنی چھوڑا دی اور اپنے اوپر مصیبت لی۔ اس نے کہا انسانوں میں کب کسی پر رحم کھاتے ہیں۔ اس نے کہا برائے خدا تو یہ کیا کہتی ہے۔ انسان ہر ایک مخلوق پر بزرگی رکھتا ہے۔ خصوصاً حاتم نہایت اہل ہمت و صاحب مروت و قدر دان و خدا پرست ہے۔ سخاوت بھی اس قدر رکھتا ہے کہ اپنا گوشت دے کر ایک ہرنی کی جان بچا دی۔ اس نے جو اس کی اتنی خوبیاں سنیں تو کہا یہ ایسے زخم سے کیونکر اتنی دور جائے گا۔ گیدڑ نے کہا کہ اگر پریو کے سر کا بھیجا اس کے زخم پر لگے تو بات کہنے میں اچھا ہو جاوے۔ پر یہ بات مشکل ہے اس واسطے کہ وہ جانور ہے دشت ماژندران

میں ہے۔ اور اس کا جسم مور کی مانند ہے اور سر آدمی کا سا۔ جو کوئی اس کے پاس جاتا ہے اور شربت پلاتا ہے وہ مست ہو کر ناچنے لگتا ہے۔ اور تماشہ دکھلاتا ہے بعض آدمی اس سے ایسی صحبت رکھتے ہیں جیسی عورتوں سے۔ یہ سُنکر وہ بولی ایسا کون ہے جو سر اس کا کاٹ لائے اور حاتم کو اچھا کرے۔ اس نے کہا اگر سات روز دن کو دن نہ سمجھے اور رات کو رات نہ سمجھے اور نہ کھائے نہ پیئے اور آٹھوں پہر اس کی خبر گیراں رہے تو میں جاؤں اور اس کا سر کاٹ لاؤں۔ اس نے کہا اس سے کیا بہتر ہے کہ انسان پر حیوان کا احسان ہو گا۔ غرض وہ دونوں کو وہاں چھوڑ کر دشت مازندران میں وارد ہوا، اور اس کو کسی درخت کے نیچے سوتا پایا۔ نزدیک جاکر اس کا سر اس زور سے کھینچا کہ بدن سے جُدا ہو گیا۔ پھر اس کو لئے ہوئے اپنے وعدہ پر آپہنچا۔ مادہ بھی اسی طرح اس کی خبرداری میں مصروف رہی۔ چنانچہ اس کے آنے تک اس نے چڑیا کے بچے کو بھی اس کے پاس نہ آنے دیا۔ اور رات کو اس کے سرہانے بیٹھی جاگا کی۔ حاتم بھی پڑے پڑے اس کی محنت و مشقت کو دیکھا کرتا تھا کہ اتنے میں گیدڑ نے پری رو جانور کا سر لاکر مادہ کے آگے رکھ دیا۔ اس نے وہ سر توڑا اور اس کا مغز حاتم کے چوتڑ پر لگایا وہ زخم وہیں بھر آیا اور درد جاتا رہا۔ حاتم اُٹھ کھڑا ہوا اور اس کی طرف مڑ کر کہنے لگا۔ اے جوان یہ مجھ پر بڑا احسان کیا مگر خوب نہ کیا کہ میرے واسطے ایک جانور کی جان گئی، اس کا عذاب مجھ پر ہو گا۔ مَیں خدا کو کیا مُنہ دکھاؤں گا؟ اس بات کو سُنکر اس نے کہا یہ گناہ میرے اوپر ہے تو کچھ اندیشہ نہ کر کیونکہ ہم بھی اپنے خالق کو جانتے ہیں وہ اسی گفتگو میں تھے کہ اتنے میں حاتم نے کہا کہ اگر تو نے مجھ پر احسان کیا ہے تو کچھ خدمت بھی تو پا کہ میں اُسی کو بجا لاؤں اور اس کام کو بخوبی کروں۔ بولا اے جوانمرد اس جنگل کے قریب گفتارین رہتی ہیں۔ اور ہمارے بچے ہر سال کھا جاتی ہیں اتنا قابو نہیں جوان کو مار کر اپنے بچے بچائیں۔ اگر تو ان کو مارے اور ہمارے سر سے یہ آفت ٹالے تو بڑا احسان مانیں، بلکہ بے دام مول لے۔ حاتم نے کہا مجھ کو ان کا مکان دکھلا دو، مَیں تامقدور قصور نہ کروں گا۔ وہ مکان وہاں سے چھ کوس پر تھا۔ غرض وہ حاتم کو لے کر گیا، اور دکھلا کر آپ کسی جھاڑی میں چھپ رہا۔ حاتم آگے گیا اور اس جگہ کو خالی پاکر بیٹھا کہ اتنے میں ایک جوڑا آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی ہمارے مکان پر بیٹھا ہے اس بات کو دریافت کر کے وہ دونوں آگے بڑھے اور کہنے لگے کہ اے شخص یہ جگہ تیری

نہیں جو تو یہاں آیا اور میرا شکار ہو کر آبیٹھا۔ اگر اپنا بھلا چاہتا ہے تو اُلٹا واپس چلا جا نہیں تو ابھی تکا بوٹی کر لیتے ہیں۔ اس نے کہا اے نادان میں مردم آزار نہیں اور نہ تیرا شکار ہوں۔ تم مجھ سے اتنا کیوں ڈرتے ہو۔ اگر یہ مکان تمہارا ہے تو تمہیں مبارک ہو شوق سے آرام کرو۔ گفتاروں نے کہا کہ آدمی کو مروّت سے کیا کام۔ تو ہم کو فریب نہ دے چلا جا نہیں تو رنج کھینچے گا اور مارا جائے گا۔ حاتم نے کہا اے حیوانوں برائے خدا جیسے اپنی جان جانتے ہو ویسے غیر کی بھی جانو یہ کیا انصاف ہے جو گیدڑ کے بچے مارو اور آپ کو پالو۔ وہ بولے اے جوان کیا اُس گیدڑ کا حمایتی بن کر ہم سے لڑنے آیا ہے۔ اس نے کہا قسم خدا کی میں ان کا حمایتی بن کر نہیں آیا ہوں بلکہ منّت کرتا ہوں کہ تم اس کے بچوں کے کھانے سے انکار کرو اور غضب خدا سے ڈرو۔ وہ بولے کہ اے انسان ان کا غم کھاتا ہے۔ کوئی دم میں وہ ہی تیرا حال ہونا ہے۔ اس بات کو سُنکر حاتم نے کہا از برائے خدا اُس کے بچوں کے عوض مجھے کھاؤ، مگر ان کے بچوں سے ہاتھ اُٹھاؤ۔ وہ بولے ان کو تو کھائیں گے اور آج تجھے بھی نہ چھوڑیں گے۔ حاتم نے کہا قسم ہے تم کو اپنے خدائے معظم کی کہ جس نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کئے ہیں تم گیدڑوں کے بچوں کے کھانے سے باز آؤ وہ کریم روزی رساں ہے بہر صورت وہ تمہیں رزق پہنچائے گا۔ وہ بولے انہیں کب چھوڑتے ہیں اور تجھے کب سلامت جانے دیتے ہیں۔ تب حاتم نے معلوم کیا کہ یہ کمبخت نہایت سخت دل ہیں۔ خدا کی قسم بھی نہیں جانتے ان کو مارنا چاہیئے۔ یہ سمجھ کر مارے غصّے کے لال ہو گیا۔ اور اپنی جگہ سے اوچھل کر ان دونوں کی گردن پکڑ کر زمین پر دے مارا اور جی میں کہا کہ اب ان کو کیونکر ماروں، کیونکہ میں نے آج تک نہ کسی کو مارا ہے نہ کسی کو دُکھ دیا ہے پر انہوں نے خدا کی قسم سے انکار کیا ہے کچھ سزا دینی چاہیئے۔ اس بات کو جی میں ٹھیرا کہ خنجر کمر سے کھینچ کر منہ سے ان کے دانت توڑے اور پھل سے ناخون کاٹ ڈالے، پھر سجدۂ شکر ادا کر کے دعا مانگی کہ اے خدا ان حیوانوں کا درد دور کر۔ یہ دعا اسکی جناب الہٰی میں قبول ہوئی اسی گھڑی درد جاتا رہا۔ پھر اس نے ان کو کھول کر آزاد کیا۔ وہ رو رو کر کہنے لگے اب ہم کو رزق کیونکر ملے گا اور ہم کیونکر جئیں گے؟ حاتم نے کہا کچھ اندیشہ نہ کرو۔ خداوند رازق ہے وہ کسی نہ کسی ڈھب سے پہنچا ویگا۔ اتنے میں وہ گیدڑ سامنے آکر کہنے لگا کہ آپ خاطر جمع رکھیں۔ آج کے دن سے ان کا کھانا پینا ہمارے ذمّہ ہوا

ہم جہاں میں جب تک جیتے ہیں تب تک جہاں سے ہو سکے گا وہاں سے لاکر انکو کھلائیں گے۔ یہ بات سن کر حاتم ان سے رخصت ہو کر آگے بڑھا اتنے میں مادہ نے نر سے کہا اے گیدڑ مروت سے دور ہے کہ جو حاتم دشت ہویدا کو تنہا جائے اور تو اس کا ساتھ نہ دے۔ اس بات کے سنتے ہی وہ دوڑا اور پکار کر کہنے لگا۔ اے حاتم! میں بھی تیرے ساتھ دشت ہویدا کو چلوں گا۔ اس نے کہا اے جوان میں تیرے ایک احسان سے تو گردن اٹھا نہیں سکتا دوسرا بوجھ کیوں کر لوں اور اپنے واسطے تجھے وطن سے آوارہ کس لئے کروں۔ برائے خدا ان باتوں سے باز آ۔ یہ مجھ سے ہرگز نہ ہو سکے گا۔ اگر تو ساتھ ہی دینے پر مرتا ہے تو یہ ہی احسان بہت ہے کہ مجھے راہ راست بتلادے اس نے کہا جو راستہ نزدیک ہے اس میں بہت سی آفتیں ہیں اور دوسری راہ دور دراز ہے، مگر اس میں اس قدر خطرہ نہیں، اسواسطے میں تیرے ساتھ چلنا بہتر سمجھتا ہوں۔ حاتم نے کہا کہ راہ نزدیک بتلادے۔ اس لئے کہ خدائے تعالےٰ راہ نزدیک کی مشکل مجھ پر آسان کرے گا۔ تب گیدڑ نے کہا جو راہ تیرے آگے آتی ہے وہی نزدیک ہے اگر سلامت رہے گا تو دشت ہویدا کو پہنچے گا۔ حاتم اس کو رخصت کر کے آگے چلا۔ ایک مدت کے بعد ایک دوراہ دکھائی دیا۔ یہ وہاں کھڑا ہو کر سوچنے لگا اب کدھر جاؤں اور اس جنگل میں خرس بادشاہت کرتا ہے۔ تمام ریچھ ہی ریچھ بستے تھے۔ اتفاقاً سو دو سو ریچھ اس جگہ پر سیر کرتے تھے۔ حاتم کو دیکھتے ہی خوش ہوئے اور پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ وہ اُسے دیکھ کر خوش ہوا، اور کہنے لگا کہ تم ہمارے پاس بیٹھو اور اپنا احوال کہو کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو اور کیا نام رکھتے ہو؟ ہمیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید یمن کے بادشاہ ہو۔ اس بات کو سن کر اس نے کہا کہ یہ تم سچ کہتے ہو کہ میں حاتم بن طے ہوں۔ اس جنگل میں آنکلا ہوں۔ اُس نے کہا میں تمہارے آنے سے بہت راضی ہوا جو تم یہاں تشریف لائے۔ اب اپنی بیٹی تمہیں بیاہوں گا۔ کیونکہ اس جنگل میں میری دامادی کے لائق کوئی نہ تھا۔ اس نے کہا میں انسان ہوں اور تو حیوان، میری اور تیری موافقت کیونکر ہو؟ وہ بولا، اے حاتم! محبت کی لذت میں انسان اور حیوان میں فرق نہیں اور لڑکی تجھ ہی سے راضی ہے یہ کہہ کر اُس نے دو چار خرسوں سے کہا کہ تم لڑکی کو عروسی گہنے اور کپڑے سے آراستہ کرو، اور دلہن

بنا کر فلاں حجرے میں بٹھاؤ۔ اس لڑکی کو بنا سنوار کر اس حجرے میں لے گئے۔ پھر حاتم کو بھی وہاں لے گئے۔ اس نے جوں ہی اس پری پیکر رشک قمر کو دیکھا متعجب ہو کر مجلس میں پھر آیا اور کہنے لگا، اے خرس تو بادشاہ اور میں فقیر اس شہزادی کو اپنی جورو کروں نہایت ترک ادب ہے۔ اُس نے کہا اس بات کو قبول کر اور حیلہ کو چھوڑ۔ تُو بھی شہر یمن کا بادشاہ ہے۔ وہ متفکر ہوا، اور جی میں کہنے لگا کہ میں کس بلا میں پڑا۔ اب کیا کروں ایک کام کو شہر سے نکلا ہوں اگر یہاں بیاہ کر کے رنگ رلیاں مناؤں گا تو وہاں منیر شامی میرا انتظار کھینچ کر مر جائے گا۔ میں خدا کو کیا جواب دوں گا۔ بادشاہ خرس نے جو پھر اُسے سر بزانو دیکھا تو پوچھا اے جوان اگر تو اس بات کو قبول نہ کرے گا تو قیامت تک نہ چھوٹے گا بلکہ اسی قید میں مر جائے گا۔ اس نے اس کا جواب بھی نہ دیا اور سر اُٹھا کر نہ دیکھا۔ تب شاہ خرس نے غضبناک ہو کر اپنی قوم سے کہا اس کو فلانے غار میں ڈال دو اور اس کے مُنہ پر ایک سل سنگِ خارا کی رکھو۔ اور خبردار رہو۔ اس کلام کے سُنتے ہی خرس دوڑے اور حاتم کو اس اندھیرے غار میں بند کر کے اس کے مُنہ پر بھاری پتھر رکھ دیا۔ وہ اس غار میں بھوکا پیاسا حیران تھا کہ سات دن کے بعد خرس کے بادشاہ نے اُسے بلوایا، اپنے پاس بٹھایا اور سمجھایا اے حاتم! میری لڑکی کو قبول کرو! وہ پھر سربزانو ہُوا اور اُس کو خاطر میں نہ لایا۔ تب اس نے ایک خوان میوے کا منگوا کے اُس کے آگے رکھا، وہ بھوکا پیاسا تھا ہی بے اختیار کھانے لگا۔ جب اس کا پیٹ بھرا تو اُس نے کہا اے جوان اس پری پیکر کو اپنی زوجیت میں لے اور حظِ زندگانی اُٹھا۔ حاتم نے کہا مجھ سے ہرگز نہ ہو سکے گا انسان کو حیوان سے کیا نسبت۔ اُس نے پھر اپنے ریچھوں سے کہا کہ اسے غار میں ڈال دو۔ اُنہوں نے اسی طرح کیا۔ وہ کئی دن تک بے آب و دانہ قید میں رہا۔ اتفاقاً ایک شب خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک پیر مرد سرہانے کھڑا کہتا ہے کہ اے حاتم! کیوں اپنی جان خواہ مخواہ اس اندھے کنوئیں میں گنواتا ہے اور نہیں جانتا کہ تو کس کام کو آیا ہے۔ جب تک اس کی بیٹی کو قبول نہ کرے گا تب تک اس قید سے نہ چھوٹے گا اور ہزار آفتوں میں مبتلا رہے گا۔ اے حاتم! تیرا چھٹکارا اسی میں ہے ورنہ اس قید میں مر جائے گا۔ تجھ کو لازم ہے کہ اس کی بیٹی کو راضی اور خوش کرے کہ وہی تجھ کو بخوبی رخصت

دلوادے گی۔ یہ خواب دیکھتے ہی حاتم چونک پڑا۔ اتنے میں پھر بادشاہ خرس نے بلوایا اور کہا، اے حاتم! تیرے حق میں یہی بہتر ہے کہ میری لڑکی قبول کر۔ اس نے اس شرط پر منظور کیا کہ جب میں اس کے ساتھ بیاہ کروں تب کوئی ریچھ میرے گھر میں نہ آوے بادشاہ نے کہا اے حاتم! یہ کیا بات ہے کس خرس کی مجال ہے جو وہاں دھیان کرے آنا تو درکنار۔ حاصل کلام اس نے اپنے ارکان دولت کو جمع کرکے مجلس شادی ہوئی اور مسندِ شاہانہ بچھوائی اور حاتم اس پر بیٹھا اور اپنے رسوم کے موافق اس لڑکی کو بیاہ دیا۔ اور اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں پکڑا کر آپ اپنے لوگوں سمیت حجرہ سے نکل آیا۔ حاتم نے اس لڑکی کے ساتھ آرام فرمایا اور مزہ بہت اُٹھایا۔ اسی صورت سے ہر روز اس رشکِ قمر کے ساتھ چین کرتا تھا، اور میوے قسم قسم کے کھاتا تھا۔ غرضیکہ یہاں تک میوے کھائے کہ جی بھر گیا اور طبیعت سیر ہو گئی۔ آخر اُکتا کر ایک دن اپنے خسر کے پاس گیا اور کہنے لگا حضرت سلامت میوے کھاتے کھاتے گھبرا گیا۔ اگر قسم اناج سے ہو تو جی بھرے اور طبیعت لگے۔ اُس نے اُسی وقت ریچھوں کو بلوا کر کہا کہ تم ہر قسم کا غلہ اور شکر گھی وغیرہ اور باس گاؤں اور شہروں سے لے آؤ۔ وہ اس بات کو سُنتے ہی دوڑے اور ہر ایک شہر سے طرح طرح کے باسن خوش اسلوب اور قسم قسم کے اجناس انسان کے مرغوب پل بھر میں لے آئے۔ حاتم نے انواع و اقسام کے کھانے پکوائے اور اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھ کر نوشِ جان فرمائے۔ بلکہ اسی طرح سے ہر روز کھاتا اور عیش و عشرت کرتا۔ جب تین مہینے گذر گئے تب اس نے ایک دن میں اختلاط میں اہلیہ سے کہا کہ جانی میں ایک کام کے واسطے اپنے گھر سے نکلا تھا تیرے باپ نے زبردستی میرا بیاہ تیرے ساتھ کر دیا۔ اگر اپنی خوشی سے چند روز کیواسطے رخصت دلوادے تو مین احسان ہے۔ جب میں اس کام سے فرصت پاؤنگا اور جیتا بچوں گا پھر تجھ سے ملاقات کروں گا۔ وہ اس بات کے سُنتے ہی اپنے باپ کے پاس جاکر کہنے لگی کہ بابا جان وہ اس طرح کی بات کہتے ہیں۔ اُس نے کہا بی بی اگر تو راضی ہو تو وہ تیرا خاوند ہے اور تو اسکی جورو ہے۔ وہ جانے اور تو۔ وہ بولی کہ وہ مرد نہایت راست گو معلوم ہوتا ہے اپنے وعدہ پر مقرر آئے گا، کچھ مضائقہ نہیں پروانگی دو۔ اُس نے بُلوا کر رخصت کیا۔ اور بہت سے ریچھوں کو کہہ دیا کہ اس کو بخوبی تمام اپنی سرحد سے باہر

پہنچا دو۔ تب اُسکی بیٹی نے ایک مُہرہ حاتم کی پگڑی میں باندھ دیا کہ اکثر جگہ یہ تیرے کام آوے گا۔ غرض وہ دونوں سے رخصت ہو کر آگے چلا۔ چند روز کے بعد ایک ریگستان میں پہنچا کہ جہاں دانہ پانی نظر نہ آتا تھا۔ مگر شام کے وقت ایک پیر مرد مُنہ پر نقاب ڈالے دو روٹیاں ایک، آبخورہ پانی کا دے جاتا تھا وہ اسی طرح کھا پی لیتا تھا اور رات دن منزلیں طے کرتا۔ ایک دن سامنے اژدہا پہاڑ کی مانند نظر آیا اُسکو دیکھ کر گھبرایا لیکن چلنے سے باز نہ آیا۔ جونہی اس کے پاس پہنچا اس نے دم کو کھینچا۔ حاتم نے ہر چند اپنے آپ کو سنبھالا پر سنبھل نہ سکا، صاف اُس کے منہ میں چلا گیا۔ جبکہ آپکو اُسکے پیٹ میں پایا تب سجدۂ شکر بجالایا اور یہ کہنا شروع کیا۔ خوب ہوا جو میرا تن آلودۂ گناہ ایک بندۂ خدا کے منہ میں پڑا یہ جسدِ خاکی کسی کام کا نہ تھا۔ حق تو یہ ہے کہ جو کوئی آپکو راہِ خدا میں ڈالے اور گھر بار برباد کر کے آپ کو اُس کی یاد میں مشغول رکھے تو برباد نہیں ہوتا۔ مگر اس کے امتحان کے واسطے کچھ رنج دیتا ہے۔ اگر وہ مصیبت سے بچا اور ثابت قدم رہا تو بحرِ مشقت سے گوہرِ راحت سے نکلا۔ اسی طرح اپنے دل کو تسلّی دیتا تھا اور حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبتوں کو دھیان میں لاتا تھا۔ کہ خدائے کریم کارساز ہے میری مشکل بھی آسان کریگا۔ غرض تین روز تک اس کے پیٹ میں پھرا کیا اور ادھر اُدھر راستہ ڈھونڈا کیا۔ راہ تو کہیں نہ پائی مگر آپ ہی اس میں لتھڑ پتھڑ ہو گیا۔ پر سانپ کے زہر نے اس پر اثر نہ کیا سبب یہ تھا کہ چلتے وقت اس کی جورو نے ایک مُہرہ پگڑی میں باندھ دیا تھا۔ اس کے خواص یہ تھے کہ وہ آگ میں نہ جلے نہ پانی میں ڈوبے نہ زہر اس پر اثر کرے۔ اسی سبب سے وہ جیتا رہا اور اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ تین روز کے بعد وہ اژدہا گھبرایا اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ یہ بلا میں نے کیا کھائی ہے جو ہضم نہیں ہوتی اور دوڑی دوڑی پھرتی ہے۔ غرض وہ اپنے پیٹ کے دُکھنے سے بیقرار تھا اور حاتم اس کے پیٹ میں چین نہ لیتا تھا بلکہ چاروں طرف دوڑتا پھرتا تھا۔ اور اُس کی انتڑیوں کو پاؤں سے روندتا تھا۔ آخر کار اس نے معلوم کیا کہ یہ لقمہ تمام عمر کا کھایا پیا نکالے گا۔ اِس بات کو جی میں ٹھیرا کر قے کی۔ حاتم باہر نکل پڑا۔ اور ریت پر کھڑا ہو کر کپڑے سکھانے لگا۔ جب وہ خشک ہوئے تب وہاں سے روانہ ہوا۔ تھوڑی دُور گیا تھا کہ ایک تالاب نظر آیا، بے اختیار دوڑ کر اسکے کنارے پر جا بیٹھا اور اپنے کپڑے دھونے لگا۔ اِتنے میں ایک مچھلی پانی میں سے نکلی اس کا نیچے کا

دھڑ آدھا مچھلی کا تھا اور سر سے ناف تک آدمی کا۔ حاتم اس کی شکل دیکھ کر شکر بجا لایا اور صنعت خداوندی پر عش عش کرنے لگا۔ غرض ٹکٹکی باندھے ہوئے تھا کہ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تالاب میں لے گئی۔ اور اپنے مکان میں اس کو ستھرے بچھونے پر بٹھا دیا۔ آپ سر تا پا ایک عورت نازنین بن کر ارادہ ہمبستری کا کیا۔ اس نے اس بات کو ہرگز نہ مانا۔ اور کہا میں ایک کام کے واسطے اپنے گھر کو تباہ کر کے یہاں تک پہنچا ہوں تو رہزنی کر کے چاہتی ہے کہ مجھ کو پکڑ رکھے۔ یہ مجھ سے کب ہوگا کہ تیرے ساتھ اس جگہ عیش کروں۔ اور تیرے دل کی آرزو بر لاؤں۔ اس نے اس بات کو قبول کر کے کہا کہ تین روز کے بعد تجھ کو جہاں سے لائی ہوں وہاں پہنچا دوں گی۔ حاتم خوش ہؤا۔ اور برغبت اس سے صحبت کی۔ تین روز کے بعد اس سے کہا کہ اے مچھلی اب تو اپنا وعدہ پورا کر۔ اس نے اس کا جونہی ہاتھ پکڑا پانی میں غوطہ مار کر کنارے پر پہنچا کر کہنے لگی۔ اے جوان رعنا تو مجھ سے کیوں جدا ہوتا ہے! حاتم نے کہا مجھ سے ایک ایسا ہی کام ضروری ہے نہیں میں تجھ سے کب جُدا ہوتا اور اس کام کو چھوڑ کر یہ دُکھ کیوں سہتا۔ اس بات کو سن کر وہ چلی گئی اور حاتم نے وہاں اپنے کپڑے دھو کر سکھائے اور راستہ پکڑا۔ ایک مدت کے بعد وہ کسی ایسی پہاڑی پر جا پہنچا کہ جس پر ہزاروں درخت سرسبز طرح طرح کے میووں سے لدے ہوئے کوسوں تک لہلہا رہے تھے۔ اور سینکڑوں مکان عالی شان ستھرے چمکتے، ہر طرف آبجوئیں جاری اور ہر سمت پھولی ہوئی پھلواڑی۔ جو مقام تھا سو ہوادار تھا۔ یہ تھکا ماندہ تو تھا ہی۔ وہاں جاتے جاتے ہی سو رہا کہ اتنے میں اُس مکان کا مالک آ پہنچا اور دیکھا کہ ایک جوان خوبصورت غافل سوتا ہے۔ نزدیک اس کے آ کر بیٹھ گیا۔ حاتم دیر کے بعد بیدار ہؤا اور آنکھیں مل کر دیکھنے لگا کہ ایک شخص اس کے پاس بیٹھا ہؤا نظر آیا۔ وہ بچارا اس کے دیکھنے سے گھبرا گیا۔ اپنی جگہ سے اُٹھا اور جُھک کر سلام کیا۔ اس نے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں جائے گا اور اس جنگل میں کس کام کو آیا ہے؟ حاتم نے کہا میں دشت ہویدا کو جاؤں گا۔ بہتر ہؤا کہ آپ کی زیارت نصیب ہوئی، آگے جو مرضی اللہ کی۔ اُس نے کہا کہ اے جوان! اس خیالِ خام کو دُور کر، کیوں جان گنواتا ہے۔ مجھ کو افسوس ہے کہ کوئی تیرے آشناؤں میں دل سوز نہ تھا جو تجھ کو منع کرتا۔ اُس نے کہا کچھ میں اپنی مراد کے واسطے نہیں جاتا ہوں۔ میں نے بللہ

ایک غیر کے واسطے کمر باندھی ہے اور قدم جستجو راہ سعی میں رکھا ہے آگے حق تعالےٰ کرے کہ منیر شامی خوارزم کا شہزادہ حسن بانو برزخ سوداگر کی بیٹی پر عاشق ہوا ہے وہ سات سوال رکھتی ہے۔ جو اس کے ساتوں سوال پورے کرے گا اُس کو قبول کرے گی۔ اور وہ شہزادہ اس کے جواب سے عہدہ برا نہ ہو سکے گا۔ تب اس نے اپنے شہر میں رہنے نہ دیا، ناچار وہاں سے نکلا۔ جنگلوں میں خراب پھرنے لگا اور باآواز بلند رونے لگا۔ اس صورت سے بحال تباہ میرے مکان میں مجھ سے ملاقات کی۔ میں نے احوال پوچھا۔ اس نے اپنا ماجرا جو ابتدا سے انتہا تک گذرا تھا مفصل میرے سامنے ظاہر کیا۔ اُس وقت میرے جی میں یہ خیال گذرا کہ حال پوچھنا اور اس کی مدد نہ کرنا یہ بات جوانمردی سے دور ہے۔ اس واسطے میں نے کمر سعی کی باندھی اور اس قدر مصیبت اپنے اوپر لی ہے۔ اس بات کو سنتے ہی اس شخص نے کہا کہ معلوم ہوا، کہ تو "حاتم بن طے" ہے۔ کیونکہ اُس کے سوا اس زمانے میں کون ہے جو ایسا کام کرے اور غیر کے واسطے آپ آفت میں پڑے۔ خیر کچھ اندیشہ نہ کر خداوند کریم ہے یہ مشکل آسان ہوگی۔ لیکن میرے دل میں خطرہ ہے کہ آج تک کوئی دشت کے قریب تک نہیں پہنچا مگر جب تو پہنچے گا تو تجھے ظلمات کے قریب لے جائیں گے تو چپکے چلے جانا۔ کسی جگہ زور کرکے اڑ نہ رہنا اور جو پری پیکر خواہش کرے تو اُس کی طرف التفات نہ کرنا۔ اس کے پیچھے ایک ایسی نازنین مہ جبین آوے گی کہ جس کے دیکھتے ہی تیرا دل ہاتھ سے جاتا رہے گا اور بے اختیار ہو جائے گا۔ پر خدا کے واسطے کہیں استقلال نہ چھوڑنا اور اضطراب نہ کرنا۔ سچ تو یوں ہے کہ وہ جو نہی تیرا ہاتھ پکڑے گی وہیں دشت ہویدا میں جا پہنچے گا۔ اگر ایک کام کو اس سے کہے گا تو دم مرگ تک پریشان رہے گا۔ اور دشت ہویدا سے پھر نہ آئے گا۔ تجھے ظلمات میں ہمیشہ رہنا پڑے گا مگر تو چپکا چلا جائیو۔ پہلے اگر کوئی پھرا بھی ہے تو وہ آپے میں نہیں رہا۔ یہ نصیحت میری بدل یاد رکھ۔ وہ اسی گفتگو میں تھے کہ ایک شخص جوان دو پیالے کھیر کے اور دو کوزے پانی کے ہاتھوں پر دھرے ہوئے غیب سے پیدا ہوا، ان کے سامنے رکھ دیئے۔ ان دونوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اور سجدۂ شکر ادا کرکے وہ رات کاٹی۔ صبح کو حاتم اس سے رخصت ہو کر جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ایک تالاب خوش قطعہ پر جا پہنچا

اور اس کے کنارے پر بیٹھ کر پانی پینے لگا۔ اتنے میں ایک عورت حسین مہ جبین سر سے پاؤں تک ننگی پانی سے نکلی۔ اور حاتم کا ہاتھ پکڑ کر اس تالاب میں غوطہ مار کر چلی گئی۔ جوں ہی حاتم کے پاؤں زمین پر پہنچے آنکھیں کھول کر جو دیکھا تو آپ کو اس نازنین کے ایک پھلے پھولے باغ میں پایا۔ جھجک کر رہ گیا اور وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے کسی طرف چلی گئی۔ وہ سیر کرتا ہوا ادھر اُدھر کا تماشہ دیکھتا تھا کہ ہر ایک طرف سے ہزاروں پری پیکریں غول باندھے گلے میں ہاتھ ڈالے سر سے پاؤں تک گہنے میں لدیں کسی طرف سے نکل آئیں اور حاتم کو زبردستی اپنی طرف کھینچنے لگیں۔ اس نے کسی طرف ہرگز رغبت نہ کی اور نہ کسی کو سر اُٹھا کر دیکھا کہ کون کیا کرتی ہیں۔ کیونکہ اُس مرد کا کہنا اُسے یاد تھا اور اپنے دل میں کہتا تھا کہ حاتم کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے استقلال کا پاؤں ڈگمگائے تو خواہ مخواہ اس مکر و فریب کے غار میں گرے۔ خبردار رہ کہ ظلمات یہی ہے۔ آخر کار وہ بہر صورت اس کو ایسے مکان میں لے گئیں کہ جو تمام لعل و جواہر و یاقوت سے بنا تھا۔ لاکھوں تصویریں ہر ایک طرف سے اس میں لگی تھیں۔ اور تختِ مرصع ایک دالان پُر تکلف میں بچھا تھا۔ جب اس تخت کے پاس پہنچا تو وہ سب کی سب بطورِ تصویر نقش بدیوار ہو گئیں۔ اور ہزاروں پریاں اس محل کی دیوار سے نکلیں۔ وہ ہر ایک طرف حیرت سے دیکھتا تھا اور اپنے دل میں کہتا تھا کہ الٰہی یہ کیا حکمت ہے۔ یہ کہاں سے آئیں اور وہ کیونکر نقش بدیوار ہو گئیں۔ غرض اس تخت کے پاس کھڑا ہی تھا کہ اپنے جی میں کہنے لگا۔ اے حاتم اگر تو یہاں تک پہنچا ہے تو اب اس تخت پر بھی بیٹھ جائیے سوچ کر وہیں اس نے اس تخت پہ پاؤں رکھا۔ وہیں اس میں سے ایک آواز ٹوٹنے کی آئی۔ اس نے معلوم کیا کہ شاید اس کا پایہ ٹوٹ گیا۔ نیچے جھانکنے لگا تو اس تخت کو جیسا تھا ویسا ہی پایا۔ پھر اس پر بیٹھ گیا۔ پھر اس میں سے آواز آئی اور آواز آتے ہی وہ نازنین جو کہ سب سے خوبصورت اور قد و قامت میں بڑی تھی نقش دیوار کی ہیئت کو چھوڑ کر حاتم کے پاس ناز و ادا سے چلی آئی۔ حاتم اس صورت کو دیکھ کر حیران ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا۔ الٰہی یہ تو ابھی تصویر کے طور پہ تھی پھر کیونکر اس ناز و کرشمے سے منہ پر نقاب ڈالے اس تخت کے آگے آ کھڑی ہوئی۔ اس نے دیکھتے ہی بے قرار ہو کر چاہا کہ اس کا گھونگھٹ کھول کر رخسار نازنین کی دید سے خوش

ہو۔ مگر اس مرد کی نصیحت یاد آگئی، جھٹ سنبھل گیا۔ اور دل میں کہنے لگا۔ اگر میں اس کا ہاتھ آپ سے پکڑتا تو ظلمات سے باہر جاتا۔ غرض اسی آرزو میں تین دن رات تخت مرصع پر بیٹھا رہا۔ جب رات ہوتی تو ہر ایک مکان میں کافور کی شمعیں خود بخود روشن ہو جاتی تھیں۔ اور ہر ایک سمت سے گانے بجانے کی آواز آتی تھی۔ وہ صورتیں جو نقش بدیوار تھیں سو مجسم ہو کر ناچتی تھیں اور نازنین تخت کے آگے کھڑی دیکھتی تھی۔ اور مسکراتی تھی۔ طرح طرح کے میوے حاتم کے آگے دھرے تھے۔ ہر چند کھاتا تھا مگر پیٹ اس کا نہ بھرتا تھا اور نہ سیر ہوتا تھا۔ تب حیران ہو کر کہتا کہ الٰہی میں اتنا میوہ وغیرہ کھاتا ہوں اور میرا پیٹ نہیں بھرتا اور نہ میں سیر ہوتا ہوں۔ کیا سبب ہے۔ القصہ اس صورت سے تین روز گذر گئے۔ چوتھے روز حاتم کے جی میں آیا کہ اگر میں تمام عمر یہاں رہا تو نہ اس میوے سے سیر ہوں گا نہ مجلس سے نکلوں گا۔ اور منیر شامی کو جو منتظر چھوڑ آیا ہوں اس کو کچھ ہو جائیگا تو کیا جواب دوں گا۔ جلد نازنین کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہیں ایک نازنین مہ جبین اس تخت کے پیچھے سے نکلی اور ایک لات اُس نے ایسی ماری کہ حاتم کہیں کا کہیں جا پڑا۔ اور سر اُٹھا کر جو دیکھا تو نہ وہ نازنین ہی نظر پڑی نہ وہ تخت نہ وہ باغ مگر ایک جنگل لق و دق سنسان نظر پڑا کہ جس کا اور نہ چھور۔ تب اس نے معلوم کیا کہ وشت ہویدا ہے وہ شخص بھی یہیں ہوگا جو کہتا ہے کہ ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے بس اُسے ڈھونڈھیئے۔ اسی خیال میں تھا کہ اتنے میں یہ آواز اس کے کان میں آئی کہ "ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے"۔ تب اُسی طرف دوڑا گیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک شخص فقیر ریش سفید زمین پر بیٹھا ہے یہ اُس کے آگے گیا اور سلام کیا۔ اُس نے وعلیکم السلام کہا اور پوچھا اے جوان خوشرو کہاں سے آیا ہے اور تو اس جنگل میں کیا کام رکھتا ہے! اُس نے کہا کہ میں اس بات کا متجسس ہو کر آیا ہوں کہ تم نے ایسا کیا دیکھا ہے کہ جس کے دیکھنے کی دوبارہ آرزو رکھتے ہو! بہر خدا کہو۔ اس نے کہا تم بیٹھو میں کہوں گا۔ اس بات کے سنتے ہی حاتم بیٹھ گیا۔ جب رات ہوئی دو روٹیاں اور دو آبخورے پانی کے اُن کے آگے خود بخود آئے۔ ایک روٹی اور ایک آبخورہ پانی کا اُس نے حاتم کو دیا اور دوسرا حصہ آپ لیا۔ غرض دونوں نے روٹیاں کھائیں پانی پیا۔ جب کھا پی چکے تو حاتم نے کہا اے بندۂ خدا اب کہہ۔ اُس نے

کہا اے مسافر غریب الوطن میں کسی روز سیر کرتا ہوا ایک تالاب خوش قطع پر جا نکلا اِس کے کنارے بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ اِتنے میں ایک عورت نازنین شکیلہ سر سے پاؤں تک ننگی اُسی تالاب سے نکلی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اُس میں لے گئی۔ مَیں نے جا کر آنکھیں کھولیں تو ایک نہایت دلچسپ منظر نظر آیا۔ اور بہت سی عورتیں خوبصورت ہر ایک طرف سے نکلیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر تخت مرصع پر لے گئیں۔ مَیں اُس پر بیٹھ کر تماشہ دیکھنے لگا کہ ایک نازنین مہ جبین منہ پر نقاب ڈالے ہوئے اس تخت کے پاس آ کر کھڑی ہوئی میں اُس کو دیکھتے ہی غش کر گیا اور میرا دل میرے ہاتھ سے جاتا رہا۔ آخر بیقرار ہو کر جونہی برقع اُٹھا کر میں نے اس کا مکھڑا دیکھا تو عجب حُسنِ خداداد دکھائی دیا میں نے جوں ہی ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنی طرف کھینچا وہیں ایک عورت حسین اس تخت کے نیچے سے نکلی اور ایک لات اُس نے ایسی ماری کہ میں اُس مکان سے اس جنگل میں آ پڑا۔ عشرت کدہ نظروں سے غائب ہو گیا۔ اب اُسی دن سے آٹھوں پہر اس گریہ وزاری کے سوا کچھ کام نہیں رکھتا اور چاہتا ہوں کہ اسے اپنے دل سے بھُلا دوں، پر وہ فراموش نہیں ہوتی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک ایسا نعرہ مارا اور آہ سرد بھر کے بگولے کی طرح خاک بسر اس جنگل میں دوڑنے لگا اور یہی کہتا تھا کہ ایک بار دیکھا ہے اور دوسری دفعہ دیکھنے کی ہوس ہے۔ تب حاتم نے کہا اے پیر مرد! اگر اس تماشے کو دوبارہ دیکھو تو خوش ہو۔ اُس نے کہا اے حاتم! یہ بات محال ہے ؎

یہ دعا کرتا ہوں شب کو خاک پر رکھ کر جبیں
دے ملا دلبر کو میرے جامع متفرقیں

پر کچھ اثر نہیں دیکھا۔ تب حاتم نے کہا اے پیر مرد! تو میرے ساتھ آ وہ حلیہ تجھے دکھاؤں گا۔ اِس بات کو سن کر وہ حاتم کے ہمراہ ہوا۔ چند روز کے بعد ایک درخت کے نیچے متصل اس تالاب کے ہے جا پہنچا۔ حاتم نے کہا اے بزرگ! اگر اس نازنین کو ہمیشہ دیکھنا ہے تو اس کا ہاتھ نہ پکڑنا اور نہ برقع اُس کا اُٹھانا۔ وہ تمام عمر تیرے آگے ہاتھ باندھے کھڑی رہے گی

جانا حاتم کا پاس اُس بزرگ کے کہ ڈوروٹی دیکر مرتبہ عالی کو پہنچا اور کہا نیکی کر اور دریا میں ڈال

اور اگر اس کا ہاتھ پکڑے گا تو پھر آپ کو اسی جنگل میں دیکھے گا اُس مکان میں قیامت تک نہ جاسکے گا اور میں جو اس جگہ آیا ہوں تو ایک بزرگ کی دستگیری ہے ورنہ میں اور اس جگہ آتا بھلا میرا کیا مقدور تھا۔ پس تو اس تالاب پر جا۔ یہ سنتے ہی وہ عاشق زار اُس تالاب پر جا پہنچا کہ اتنے میں ایک عورت ننگی اس پانی سے نکلی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر اس میں لے گئی۔ حاتم شاہ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ ایک مدت کے بعد آفتیں کھینچتا اور مصیبتیں اُٹھاتا ہوا اس فقیر کے پاس جا پہنچا اور اس سے ملکر وہاں روانہ ہوا۔ پھر تھوڑے دنوں میں اس مچھلی کے گھر پہنچا اور ایک مہینہ تک وہیں رہا۔ پھر اس سے رخصت ہوکر خرسوں کے جنگل میں گیا۔ اور خرس کی لڑکی سے ملاقات کی وہاں اس کے پاس رہا۔ پھر اس سے جدا ہوکر ان دونوں گیدڑوں کے پاس گیا۔ پھر وہاں دو تین روز کے بعد شاہ آباد میں آیا۔ حسن بانو کے لوگ ہاتھوں ہاتھ اس کی حویلی تک لے گئے

اور حسن بانو سے عرض کیا کہ حاتم صحیح سلامت آیا ہے۔ اس نے سنتے ہی بلوا کر پردے کے پاس بٹھایا۔ اور پوچھا کیا خبر لایا ہے۔ اس نے کہا ایک مرد ظلمات میں ایک عورت نازنین پر عاشق ہو کر جنگل میں آپڑا۔ اور پکارتا پھرتا تھا۔ کہ ایک بار دیکھا ہے دوسری مرتبہ کی ہوس ہے۔ پھر میں نے اُسے اُس کی معشوقہ تک پہنچا دیا۔ اب وہ آواز جنگل سے نہیں آتی۔ اس حالت کو سنکر حسن بانو نے اور اُس کی دائی نے حاتم کی ہمت پر آفرین کی۔ پھر اس نے کہا اے حسن بانو اب دوسری شرط بیان کر کہ میں اسکی بھی سعی کروں اور ڈھونڈھ نکالوں۔ اس نے نہایت رحمدلی اور مہربانی سے اُسے کہا۔ اے حاتم! بہت سے دُکھ سہہ کر آیا ہے۔ قدرے آرام کر۔ چند روز آرام کر۔ حاتم نے کہا مجھے آرام اُسی وقت ہوگا جس روز خدا کے فضل و کرم سے تیرے ساتوں سوال پورے کروں گا۔ یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا، اور کاروان سرا میں جا کر آٹھ روز تک منیر شامی کے پاس رہا۔ تمام ماجرا اپنا اس کے آگے ظاہر کیا پھر نویں دن حسن بانو سے جا کر کہا کہ دوسرا سوال کیا ہے؟

دوسرا سوال حاتم کے جانے کا اور اس شخص کے دروازے کے نوشتہ کی خبر لانے کا

حسن بانو نے کہا دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے دروازے پر لکھا ہے کہ "نیکی کر کنوئیں میں ڈال" آیا یہ کیا بھید ہے۔ اُس نے کیا نیکی کی ہے؟ اس کی خبر لا۔ اس سوال کے سنتے ہی حاتم اُٹھ کھڑا ہوا، اور حسن بانو سے پوچھنے لگا کہ وہ شخص کون ہے اور کس طرف کو رہتا ہے۔ حسن بانو نے کہا کہ میں نے اپنی دائی سے سُنا ہے کہ وہ جگہ اوتر کی طرف ہے بس حاتم اتنا سُنکر وہاں سے توکل بر خدا چل نکلا۔ ایک مدت کے بعد کسی جنگل بتینا میں جا پہنچا اور شام کے وقت ایک درخت کے نیچے چپکا ہو کر بیٹھ رہا۔ کہ اتنے میں ایک آواز سوزناک آہ و زاری کی سنائی دی آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور کلیجہ جلنے لگا۔ بے اختیار اپنے جی میں کہہ اٹھا کہ اے حاتم یہ بات جوانمردی سے دُور ہے کہ ایک بندۂ خدا کسی آفت میں گرفتار ہو کر روئے اور تو

اس کی آواز سُنکر مدد نہ کرے اور اس کا احوال نہ پوچھے۔ اس کلام کو دل میں ٹھہرا کر اسی طرف راستہ پکڑا تھوڑی دور گیا ہوگا کہ اس جگہ جا پہنچا کہ جہاں سے رونے کی آواز آتی تھی۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک جوان خوبصورت خاک پر بیٹھا گوہر اشک چشمہ چشم سے اپنے گلِ رخسار نازنین پر بہار رہا ہے اور قطعہ پڑھتا ہے ؎

جاؤں میں کہاں اور کہوں کس سے عزیز ٹک سوچو نہیں میرے دلِ زار کا احوال
جو مجھ پہ گذرتی ہے رقم کر نہیں سکتا اور کہہ بھی نہیں سکتا کہ میری ہے یہاں لال

حاتم نے کہا اے جوان دردمند ایسی کیا پڑی ہے جو تو اتنا حیران و پریشان ہوا ہے اُس نے کہا اے مسافر میں سوداگر ہوں اور یہاں سے بارہ کوس پر ایک شہر عالیشان ہے وہاں ایک سوداگر حارث نام نہایت مالدار رہتا ہے اور لڑکی بھی پری پیکر رشک قمر رکھتا ہے۔ اتفاقاً ایک دن میں پھرتا ہوا کچھ مال سوداگری کا لیکر اس شہر میں جا نکلا۔ حارث کی حویلی کے نیچے مارے دھوپ کے بیٹھ گیا۔ یکایک میری نظر کوٹھے کی طرف جو گئی تو ایک عورت نازنین مہ جبین نظر آئی۔ میری حالت تباہ ہو گئی۔ تب شہر کے لوگوں سے میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے اور حویلی کس کی ہے۔ اُنہوں نے کہا یہ محل حارث کی بیٹی کا ہے اور بڑا مالدار ہے۔ مَیں نے پھر ان سے کہا کہ یہ لڑکی شوہر دار ہے یا کہ نہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ بیٹی حارث کی ہے اور وہ اس کا بیاہ نہیں کرتا۔ اور اس کا اس میں کچھ بس نہیں۔ کیونکہ یہ لڑکی شادی کرنے میں آپ مختار ہے اور یہ تین سوال رکھتی ہے جو کوئی اس کے سوال پورے کرے گا اُس سے بیاہ کرے گی۔ اس بات کے سنتے ہی مَیں اُس کی ڈیوڑھی پر گیا۔ دربان نے خبر کی اس نے مجھے اندر بلوایا اور ایک فرش پاکیزہ پر بٹھلا کر کہلا بھیجا کہ اگر اپنے عہد و پیمان پر قائم رہے تو اپنے سوالوں سے تجھے آگاہ کروں۔ میں نے کہا فرمایئے دل و جان سے حاضر ہوں۔ اُس نے کہا اگر تو میرا کہنا کرے گا تو مَیں تیری ہو کر رہوں گی۔ اور جو یہ بھید کھولے گا تو اپنا نہ جانوں گی۔ مَیں نے اس بات کو بھی قبول کیا۔ اُس نے کہا کہ پہلا سوال میرا یہ ہے کہ اس شہر کے قریب ایک غار ہے وہاں آج تک کوئی نہیں گیا اور معلوم نہیں کہ اس کی انتہا کہاں تک ہے، دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ مہرہ جو سانپ کے پیٹ میں ہے اُسکو مجھے لادو۔ اس بات کے سُنتے ہی اور بھی رہے سہے میرے حواس گُم ہو گئے۔ مَیں نے ذرا پاؤں کھینچا

اُس نے دستِ ظلم سے میرا مال و اسباب زر و جواہر لوٹ لیا اور مجھ کو اپنے شہر سے نکال دیا۔ مَیں ناچار اس جنگل میں آپڑا۔ ایک تو مال گیا دوسرے رسوا ہُوا تیسرے عشق کے تیر نے کلیجہ چھلنی کر ڈالا۔ ہمراہیوں نے ساتھ چھوڑا، مَیں فقیر ہو گیا۔ حاتم نے کہا کہ تو میرے ساتھ آ اور کاروان سرا میں اُتر تو خاطر جمع رکھ مجھے اس شہر میں لے چل مَیں تیرا مال و اسباب دلوا دوں گا اور معشوقہ سے ملوا دوں گا۔ اُس نے کہا مَیں زر و جواہر کا خیال نہیں کرتا۔ اسواسطے کہتے ہیں دیکھنا دیدار یار کا دولت بیشمار ہے۔ غرض حاتم سوداگر کو سرا میں چھوڑ کر آپ اُس کے دروازے پر گیا اور کہا کہ بیاہ کرنے آیا ہوں۔ خبرداروں نے کہا کہ تجھ سے ایک شخص بیاہ کرنے کو آیا ہے۔ اس بات کو سُن کر حاتم کو اُس نے گھر میں بلوایا اور عہد و پیمان اس سے لئے۔ اس کے بعد حاتم نے کہا تو حارث سوداگر کی بیٹی ہے اگر اس بات پر اقرار کرے تو میں اس کی سعی میں کمر باندھوں کہ جس روز فضلِ خدا سے یہ کام کر چکوں اُس روز سے میں تیرا مختار ہوں۔ جس کو چاہوں دے ڈالوں۔ اُس نے کہا بہت بہتر۔ اب تو اپنے باپ کو بلوا۔ اُس نے حارث کو بلوایا۔ حاتم نے یہ احوال اُس سے کہا۔ پھر حاتم نے اس لڑکے سے کہا کہ اپنا احوال ظاہر کر۔ اُس نے کہا کہ اس شہر کے نزدیک غار ہے تمام مرد و زن شہر کے جانتے ہیں۔ تو اس کی خبر لا کہ وہ کتنا لمبا ہے اور کتنا گہرا اور کہاں تک ہے اور اس میں کیا ہے؟ اس سخن کے سنتے ہی حاتم رخصت ہُوا۔ چند لوگ شریک ہو کر اس کے ساتھ آئے اور اس غار کو دکھلا کر چلے گئے۔ اس میں حاتم کُود پڑا۔ رات دن فلطان و پیچاں چلا گیا ایک عرصہ کے بعد روشنی نمودار ہوئی۔ تب حاتم نے معلوم کیا کہ اب یہ غار تمام ہُوا بس اب یہاں سے پھر آئیے۔ اتنے میں یہ خیال گذرا کہ اگر کوئی اس کی حقیقت پوچھے گا تو مَیں کیا جواب دوں گا۔ یہ سمجھ کر آگے بڑھا۔ تھوڑی دُور جا کر ایک میدان وسیع و پاکیزہ اُس کو نظر پڑا اور ایک تالاب اس میں اچھا خاصا ستھرا پانی سے بھرا اُسے دکھائی دیا۔ حاتم اپنے ساتھ ایک صراحی پانی کی اور تھوڑے سے بادام رکھتا تھا۔ کبھی کبھی دو تین بادام کھا لیتا تھا اور ایک گھونٹ پانی کا پی لیتا تھا اور رات دن چلا جاتا تھا۔ یکایک پانی ختم ہو گیا تب اس نے تالاب کا پانی پیا اور صراحی کو بھر کر آگے کا رستہ لیا۔ سامنے سے ایک دیوار لمبی نظر آئی کہ جس کو یک نگاہ اپنی پگڑی

کو تھام کر دیکھے تو بھی اس کی بلندی تک نہ پہنچے۔ اور طائرِ خیال بھی اس کی طولانی کو قیامت تک طے نہ کر سکے۔ یہ آگے بڑھا اور اس دیوار کے پاس جا کر دیکھا تو ایک دروازہ نظر پڑا۔ یہ اندر گھس گیا۔ وہاں ایک بستی نظر پڑی، جب نزدیک پہنچا تو ہزارہا دیو اٹھے اور چاہا کہ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا جاویں۔ اتنے میں ایک نے انہیں میں سے کہا کہ اے یار یہ آدمی ہے تم اس کو نہ مارو، کیونکہ گوشت اس کا نہایت لذیذ ہوتا ہے اگر تم اس کو کھاؤ گے تو یہ خبر بادشاہ تک کوئی پہنچا دے گا۔ پھر وہ تم سبھوں کو مروا ڈالے گا۔ چاہیے کہ اسے یہاں نہ چھیڑو بلکہ بادشاہ کے پاس لے چلو۔ انہوں نے کہا کہ وہ ایسا ہمارا دشمن کون ہے جو بادشاہ سے کہے گا۔ اس نے کہا یہ کیا کہتے ہو اپنے بھی مدعی بہت سے ہیں یہ بات یاد رہے کہ بہتر یہی ہے کہ سب کے سب اس سے دستبردار ہوں۔ اس بات کو سن کر وہ ڈرے اور اس جگہ کو چھوڑ کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ حاتم نے اس جگہ سے پاؤں بڑھایا اور ایک طرف کو راستہ پکڑا۔ اتنے میں ایک گاؤں نظر آیا۔ اس نے معلوم کیا کہ شاید یہ بستی آدمیوں کی ہے۔ اس گمان پر آگے گیا تو بہت سے دیوؤں نے ہر طرف سے گھیر لیا اور اس کے کھانے کا قصد کیا۔ ان میں سے ایک دیو نے کہا کہ تم اس کو جیتا نہ کھاؤ بلکہ جیتا ہی بادشاہ کے پاس پہنچاؤ۔ کیونکہ اس کی بیٹی نہایت بیمار ہے شاید کہ اسی آدمی کے ہاتھ سے اچھی ہو۔ انہوں نے کہا یہ تو کیا کہتا ہے ہم تو سینکڑوں آدمیوں کو لے گئے اور شرمندہ ہوئے۔ اب ہمیں ایسی کیا ضرورت ہے کہ لے جائیں۔ یہ تو ملک بادشاہی میں آ پہنچا ہے اب کہاں جا سکتا ہے۔ یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی اس کو بادشاہ تک پہنچائے گا۔ حاتم وہاں سے بھی آگے بڑھا۔ اور ایک موضع دوسرا اس کو نظر آیا۔ وہاں دیو اس کو پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گئے۔ اس سردار کی زوجہ کی آنکھیں دکھتی تھیں اور پانی آٹھوں پہر بہتا تھا۔ اس کے غم سے سردار سر جھکائے بیٹھا تھا۔ حاتم کو دیکھ کر سر اٹھایا اور کہا کہ تم اپنے باپ کو کیوں لائے ہو۔ چلو دور ہو میرے سامنے سے اور اسے چھوڑ دو یہ مختار ہے جہاں چاہے وہاں چلا جائے۔ حاتم نے جو اسے غم میں گرفتار دیکھا تو پوچھا اے دیو تجھے کس بات کا غم ہے۔ اس نے کہا کہ بھائی میری بیوی کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ اسی فکر میں رات دن کا چین و آرام چھوڑ دیا ہے۔ اس نے کہا کہ تو

خاطر جمع رکھ میں تیری جورو کی آنکھیں اچھی کروں گا۔ اس بات کے سُنتے ہی وہ دیو اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گیا۔ اور اپنی جورو کی آنکھیں دکھا کر کہنے لگا کہ اے شخص اگر تیری دوا سے یہ اچھی ہو گئی۔ تو جب تک رہے گی تیری ممنون واحسان مند رہے گی۔ اور میں بھی اپنی بساط کے موافق کچھ نہ کچھ خدمت کروں گا۔ اس بات کو سُن کر حاتم نے کہا بشرطیکہ تو میرے سخن کو قبول کرے۔ تیری بیوی کو میں اچھا کروں تب تو مجھے بادشاہ کے پاس لے جا اور میری حکمت کی تعریف کر تو میں دوا دوں اور اچھا کروں۔ اُس دیو نے حضرت سلیمان کی قسم کھا کر کہا بہت اچھا۔ اگر تیری تدبیر سے اچھی ہو گئی تو میں تجھے دربار شاہی میں لے جاؤں گا اور بادشاہ کی ملازمت کرواں گا۔ حاتم نے ایک مہرہ اپنی پگڑی سے کھولا اور پانی میں رگڑ کر اُس کی آنکھوں میں لگا دیا۔ اس نے وہیں شفا پائی۔ اور اسی گھڑی سے درد جاتا رہا۔ اسی صورت سے دو تین بار لگایا آنکھیں اُسی وقت کھل گئیں اور پانی بند ہو گیا۔ دیو چند روز کے بعد حاتم کو اپنے ساتھ بادشاہ کے پاس لے گیا اور اس کی تعریف کے بعد عرض کرنے لگا کہ خداوند یہ شخص دانائے دہر ہے۔ حکمت میں یکتائے عصر ہے۔ چنانچہ میری زوجہ کی آنکھیں کئی برس سے دُکھتی تھیں، اس نے ایک پل میں اچھی کر دیں۔ یہ حال سُنکر فرو قاش نے اس پر مہربانی کر کے کہا کہ اے شخص مسافر میں آزارِ شکم رکھتا ہوں۔ اور میری قوم سے کوئی دوا نہ کر سکا۔ اگر تیرے ہاتھ سے شفا پاؤں تو میں تیرا ممنون رہوں۔ حاتم نے کہا، جس وقت کھانا کھاتے ہو اُس وقت تمہارے پاس کتنے امیر و اُمراء جمع ہوتے ہیں؟ اُس نے کہا کہ جتنے چھوٹے بڑے ہیں سب کے سب حاضر رہتے ہیں۔ حاتم نے کہا آج اُس وقت میں بھی حاضر ہوں۔ وہ بولا اچھا۔ حاتم بھی وہاں موجود رہا۔ جب دستر خوان بچھا اور طرح طرح کے کھانے اس پر چُنے گئے۔ بادشاہ چاہتا تھا کہ ہاتھ ڈالے، حاتم نے منع کیا۔ وہ رُک گیا تو کیا دیکھتے ہیں، حاتم نے سرپوش ایک رکاب سے اُٹھا کر اُس کو دکھا کر ڈھانپ دیا۔ پھر اس کو ایک دم کے بعد جو کھولا تو تمام رکاب کیڑوں سے بھری ہوئی ہے۔ بادشاہ حیران ہو کر کہنے لگا کہ یہ کیا باعث ہے؟ حاتم نے کہا

یہ سب دیو کی نظر کا سبب ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ نعمت خانہ میں اکیلے کھانا نوش جان فرمایا کریں تاکہ اس کو کوئی نہ دیکھے۔ اس نے اس ڈھب سے جو اس روز کھانا کھایا آرام رہا اور پیٹ میں درد نہ ہوا۔ اور تین روز کے بعد بالکل اچھا ہوگیا۔ تب حاتم کو گلے لگا کر کہنے لگا۔ اے شخص کیا چاہتا ہے مانگ۔ اُس نے کہا کہ میں انسان ہوں اور مدّت سے میرے بھائی تیرے یہاں قید ہیں ان کو چھوڑ دے تو عین بندہ نوازی اور احسان ہے۔ یہ سُنتے ہی فرو قاش بادشاہ نے سب کو بلوایا اور خلعت فاخرہ سے سرفراز کرکے کچھ خرچ راہ دے کر رخصت کیا۔ اور پھر آپ حاتم سے کہنے لگا کہ میں ایک عرض رکھتا ہوں اگر قبول کرے کہ میری ایک لڑکی ہے وہ ایک مُدت سے بیمار ہے اگر اُس کو دیکھو اور کچھ تدبیر کرو تو میں بہت ممنون و احسان مند رہوں۔ اس بات کے سنتے ہی حاتم اُٹھ کھڑا، بادشاہ اُس کو اپنے محل میں لے گیا اور دکھلایا۔ اُس نے اُسی مُہرے کو گھس کر اُسے پلایا۔ ایک ساعت کے بعد دست آنے لگے۔ تمام دن تو یوں ہی گذرا۔ شام کے وقت کئی مرتبہ قے کی اور غش میں ہوگئی۔ فرو قاش ڈرا اور کہنے لگا۔ اے عزیز یہ کیا حالت ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ مر جاوے۔ حاتم نے کہا کچھ اندیشہ نہ کر، خدا اچھا کرے گا۔ اور تمام رات اسی طرح گذری۔ صبح ہوتے ہی اس کو بھوک لگی۔ خاصہ یاد کرکے کچھ نوش جان فرمایا۔ غرضیکہ پندرہ روز کے عرصہ میں وہ آزار بالکل جاتا رہا۔ چہرہ چمکنے لگا۔ حاتم نے بادشاہ سے کہا اب تمہاری بیٹی بالکل اچھی ہے مجھ کو رخصت کرو کہ میں اپنے کام کے واسطے جاؤں۔ بادشاہ نے بہت سا روپیہ، اشرفیاں اور بہت سے جواہر کے خوان منگوا کر اس کے آگے رکھے اور کہا اگرچہ یہ تیرے لائق نہیں ہے پر ہماری خوشی یہ ہے کہ کچھ لے۔ حاتم نے کہا میں تنہا ان کو کیونکر اُٹھاؤں اور کہاں لے جاؤں۔ اُس نے دیو کو بُلا کر کہا یہ سب زر و جواہر اپنے سروں پر رکھ کر اس کے ساتھ لے جاؤ۔ حاتم اس سے رخصت ہوا۔ ایک مہینے کے دیوؤں نے تمام مال سمیت اُس کو غار پر پہنچا دیا اور آپ چلے گئے۔ اس پر بھی کتنے جاسوس کہ حارث کی بیٹی نے غار کے دروازے پر معین کئے تھے، ڈر کر بھاگے۔ جب حاتم نے پکار کر کہا کہ نہ بھاگو میں وہی ہوں جو غار کی خبر لینے گیا تھا، خدا کے فضل سے

جیتا پھر آیا ہوں۔ وہ اس کی آواز سُن کر پھرے کہ حاتم ہے۔ جھٹ پٹ حاتم اس مال و اسباب کو لے کر کاروانسرا میں آیا اور اُسی سوداگر کو بخش دیا۔ وہ اس کے پاؤں پر گر پڑا، حاتم نے اس کو گلے لگایا۔ پھر یہ حال خبرداروں نے جا کر اُس لڑکی سے کہا۔ اُس نے حاتم کو بلوا بھیجا اور غار کا ماجرا پوچھا۔ حاتم نے اُس کی حقیقت سے آگاہ کیا اور کہا ایک شرط میں بجالایا اب دوسری شرط کہو۔ اُس نے کہا جمعہ کی رات کو ایک آواز آتی ہے کہ وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔ اس کو سُن کر حاتم وہاں سے روانہ ہوا، اور صحرا بصحرا چلا۔ چند روز کے بعد یہ آواز اس کے کان میں آئی۔ یہ اس کی کھوج میں رات دن پھرنے لگا کہ ناگاہ ایک گاؤں نظر آیا۔ وہاں لوگ گریہ زاری کر رہے تھے۔ یہ آگے بڑھا اور اس خلقت سے پوچھا کہ تم سب کس واسطے روتے اور کیوں جانیں کھوتے ہو۔ کسی نے جواب دیا کہ پنجشنبہ کے دن ایک بلائے عظیم آتی ہے اور وہ ایک آدمی کھا جاتی ہے۔ اگر اس وقت کسی کو نہ پائے تو تمام شہر کو اُجاڑ دے۔ چنانچہ اس مرتبہ ایک رئیس کے لڑکے کی باری ہے۔ اس سخن کو سُن کر وہ رئیس کے پاس گیا اور اُسے دلاسا دیا کہ کچھ اندیشہ نہ کر تیرے لڑکے کے بدلے میں مَیں جاؤں گا۔ وہ اس بات پر حاتم کی آفرین کر کے بولا کہ اے جوانمرد چار روز اس بلا کے آنے میں باقی ہیں۔ حاتم نے کہا اس کی صورت اگر کسی نے دیکھی ہو تو بتا دے۔ رئیس نے اس کی صورت زمین پر کھینچ کر بتلادی۔ حاتم نے کہا اس کا نام حلوقہ ہے۔ اگر میرا کہنا قبول کرو تو یہ بلا تمہارے سر سے ٹالوں اور جس صورت سے بنے اسے ماروں۔ اس بات کو سُن کر وہ خوش ہوا اور کہا کہ کیا ارشاد ہے۔ اس نے کہا کہ تیرے شہر میں کوئی شیشہ گر بھی ہے۔ رئیس نے کہا کہ جتنے چاہو اُتنے لو۔ پھر حاتم اور رئیس شیشہ گروں کی دوکان پر گئے اور کہا کہ آج کی رات سمیت چار روز کے عرصہ میں ایک آئینہ دو سَو گز کا لمبا اور سو گز کا چوڑا تیار کر دو کہ یہ بلا ٹلے نہیں تو تمام گاؤں کھا جائے گی۔ غرض رئیس نے اُسی گھڑی اتنے بڑے آئینہ کا اسباب منگوایا۔ اُنہوں نے تین روز میں ویسا ہی آئینہ بنا دیا۔ پھر حاتم کو خبر کی اس نے کہا تم سب چھوٹے بڑے اسی بستی میں جمع ہو کر ہاتھوں ہاتھ اس آئینہ کو لے جا کر کھڑا کرو کہ جہاں وہ بلا آتی ہے۔ اُنہوں نے اس کے کہنے کے موافق کھڑا کیا۔ پھر ایک چادر سفید منگوائی کہ جس سے

اس کی پوشش ہو، وہ چادر بھی آگئی اور اُس سے آئینہ کو ڈھانپ دیا۔ حاتم نے اُن سے کہا اے یارو اب تم اپنے اپنے گھر خاطر جمع سے بیٹھ رہو۔ لڑکے نے کہا میں حاتم کے ہمراہ جاؤنگا۔ رئیس نے کہا میں نے تیرے واسطے اتنے روپے خرچ کئے اور تو اس کے آگے جاتا ہے وہ بولا تم نے مجھ کو اس کا نوالا آگے ہی سے مقرر کیا تھا اب کیا ہے جو ارشاد کرتے ہو۔ میری رضا مندی یہ ہے کہ میں اس جوان کے ہمراہ جاؤنگا کیونکہ یہ بیچارہ مجھے موذی کے چنگل سے چھڑائے یہ عجب مہمانی ہے کہ یہ غریب تم سبھوں کیواسطے جان بوجھ کر اپنے آپ کو اژدہے کے منہ میں ڈالتا ہے اور تم اس کو تنہا چھوڑے جاتے ہو۔ غرض اس نے ہرگز باپ کی بات نہ مانی اور بصد خوشی اس کی ہمراہی قبول کی۔ جب دن آخر ہوا اور رات ہوئی تب بدستور سابق اسکی آواز کان میں آئی۔ سب کے سب ڈر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حلوقہ گیند کے مانند نمودار ہوا۔ اس صورت سے کہ نو ہاتھ نو پاؤں نو منہ نو بدن ہیں اور لوٹتا پوٹتا چلا آتا ہے۔ دھواں اور شعلہ ہر منہ سے نکلتا ہے۔ رہنے والے اس گاؤں کے کوس دو کوس سے جو کھڑے دیکھتے تھے بھاگ گئے حاتم نے دیکھا کہ وہ آہی پہنچا۔ فوراً اُس چادر کو آئینہ کے اوپر سے اُٹھالی۔ اُس نے اپنی صورت جو اس شیشہ میں دیکھی تو دم بخود ہو کر ایسا نعرہ مارا کہ تمام زمین اس گاؤں اور جنگل کی ہل گئی اور خلقت غش ہو گئی۔ آخر اس نے یہانتک دم کھینچا کہ پیٹ پھٹ گیا اور ایک ویسی آواز ہولناک بیابان میں پھر پیدا ہوئی کہ رہے سہے سب بیہوش ہو گئے جب دیر کے بعد ہوش میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حلوقہ مرا پڑا ہے اور اس کے شکم کی آلائش سے تمام جنگل بھر گیا بلکہ ایک دریا میلے پانی کا بہتا ہے۔ رئیس اور رئیس کا بیٹا اور رعیت حاتم کے پاؤں پر گر پڑے اور پوچھنے لگے کہ اے جواں مرد! تو کیونکر اس کے ہاتھ سے بچا اور وہ کس طرح سے مارا گیا۔ اس نے کہا کہ اس کا نام حلوقہ ہے۔ وہ کسی سے نہ مارا جاتا تھا مگر یہی ڈھب تھا کہ اپنی ہی صورت دیکھے کسی دوسرے کی نہ دیکھے تب غصہ سے یہاں تک اپنا دم بند کرے کہ پیٹ پھول کر پھٹ جائے۔ اس سخن کے سنتے ہی اُنہوں نے اپنے اپنے مقدور کے موافق ہر ایک نے زر و جواہر اس کے آگے لا رکھا اور ہاتھ باندھ کر بمنت و زاری کہا کہ اس کو قبول کرو تو ہماری تسکین ہو۔ اس نے کہا کہ صاحبو میں نے کچھ اس زر و جواہر کے لالچ سے یہ کام نہیں کیا، میں تو برائے خدا اسی صورت سے کام کرتا ہوں اور ایک مدت سے اسی کام پر کمر باندھے مستعد رہتا ہوں۔ پھر اُنہوں نے پوچھا حضرت سلامت آپکا آنا اسطرف کیونکر ہوا؟ وہ کہنے

لگا۔ آج جمعہ ہے میں نے یوں سُنا ہے کہ ایک آواز اس جنگل کی طرف سے آتی ہے کہ میں نے وہ کام نہ کیا جو آج کی رات کام آتا۔ اس بات کی تحقیق کرنے کو اپنے شہر سے نکلا اور یہاں آ پہنچا ہوں۔ اب چلا جاؤں گا۔ رئیس نے کہا کہ صاحب ایک مدت سے اس آواز کو یوں ہی سنتا ہوں پر یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کس کی آواز ہے اور کہاں سے آتی ہے۔ حاتم اس روز وہیں رہا۔ جب رات ہوئی تب وہی آواز پھر آئی۔ وہ اسے سُنتے ہی اسکی طرف روانہ ہوا۔ کئی دن چلا گیا ایک دن سامنے سے ایک ٹیلا نظر آیا اور اس کے نیچے پانچ چھ سو سوار اور پیادے دکھائی دیئے کہ چلے آتے ہیں۔ پھر جو اُسے غور کر کے دیکھا تو وہ سوار ہیں اور پیادے قبرستان ہیں۔ حاتم نے اپنے دل میں کہا کہ یہ مرزا صاحب کمالوں کے ہیں یہ آواز بھی شاید انہیں سے آتی ہے یہیں بیٹھنا چاہیئے۔ اتنے میں رات ہوئی۔ وہ آواز پھر آئی۔ حاتم یاد خدا میں مشغول تھا جب پھر رات گئی تب ایک ایک قبر سے ایک ایک شخص بزرگ صورت نکلا فرش پاکیزہ اور سُتھرا بچھا کر نورانی حلہ پہنکر اپنی اپنی مسند پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک شخص بحال تباہ گندے کپڑے خاک آلودہ برہنہ ٹوٹی گور سے نکلا اور خاک پر بیٹھ گیا وہ مسند نشین قہوہ پیا کئے نہ اس کی طرف کسی نے نظر اُٹھا کر دیکھا نہ کسی نے ایک پیالہ قہوہ کا پلایا۔ اس نے ایک آہ سرد کھینچکر باواز بلند کہا کہ وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔ حاتم نے کہا کہ احسان خدا کا کہ میں مقصود کو پہنچا۔ اتنے میں بہت سے خوان غیب سے ان بزرگوں کے آگے آئے اور اس ہر ایک خوان میں ایک پیالہ کھیر کا اور ایک کوزہ پانی کا تھا۔ اور ان خوانوں میں ایک جُدا اُنہوں نے کھاتے ہوئے آپس میں کہا کہ آج کی رات ایک مسافر یہاں آیا ہوا ہے اس کو لے آؤ یہ خوان علیحدہ ہے اسی شخص کا حصہ ہے۔ جلد ایک اٹھا اور حاتم کو لا کر ایک مسند پر بٹھایا خوان آگے رکھ دیا۔ حاتم نے اس شخص کی طرف دیکھا۔ جوان سے دُور میلا کچیلا زمین پر بیٹھا نعرہ مار رہا تھا۔ ایک خوان اس کے آگے بھی دھرا مگر اس میں پیالہ تھوہر کے دودھ کا اور سنگریزوں سے بھرا ہوا اور کوزے میں پانی کی جگہ پیپ اور لہو اس حالت کو دیکھ کر سر جھکا کر کھانے لگا اتنے میں سب کے سب کھا چکے، خوان اُٹھا لیئے۔ حاتم نے متفکر اُن سے کہا کہ میں آپ سے کچھ عرض رکھتا ہوں اگر حکم ہو تو عرض کروں اُنہوں نے کہا کہو۔ وہ بولا کہ تم مسند پر عزت و وقار سے بیٹھے ہوئے ایسے کھانے لذیذ کھاؤ اور یہ غریب روتا ہوا خاک پر بیٹھا ہوا

تھوہر کا دودھ زہر مار کرے۔ اُنہوں نے کہا ہم اس راز سے واقف نہیں تو اسی سے پوچھ حاتم نے اس سے پوچھا کہ برائے خدا کچھ تو کہو۔ وہ اس بات کے سنتے آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور کہنے لگا اے جوان خوشرو میں انہیں لوگوں کا سردار ہوں اور میرا نام یوسف سوداگر ہے۔ سوداگری کے واسطے شہر خوارزم کو چلا جاتا تھا اور بخیل بھی ایسا تھا کہ خدا کی راہ میں کبھی کوڑی پیسہ دیا نہ کسی کو دینے دیا۔ اگر کوئی نوکر چاکر میری چوری سے کسی کو دیتا اور معلوم ہوتا تو اسے منع کرتا۔ کہ کیوں اپنا مال کھوتا ہے۔ بلکہ اکثر غلاموں کو خیرات کرنے پہ مارتا تھا۔ وہ کہتے ہم خدا کے واسطے دیتے ہیں۔ کہ یہ ہماری عاقبت میں کام آئے گا۔ غرض وہ جب اس ڈھب کی نصیحت کرتے تو میں کان نہ دھرتا اور مطلق نہ مانتا کہ ایک دن چور آ پڑے ہم سبھوں کو لوٹا مارا۔ اُنہوں نے اپنی سخاوت کے سبب ایسا مرتبہ پایا اور میں بخیلی کے سبب سے اس بلا میں مبتلا ہوا۔ وطن میرا چین ہے اور اولاد میری خراب حال ٹکڑے ٹکڑے کو محتاج بھیک مانگتی ہے اور ایک درخت کے نیچے میرے حجرے کے پاس بہت سا مال اور جواہر گڑا ہے۔ یہ میرے طالع کی شومی ہے کہ سب نوکر میری مسند پر بیٹھتے ہیں۔ شیر برنج اور ٹھنڈا پانی نوش کرتے ہیں۔ اور میں خستہ حالی میں گرفتار اور حق تو یہ ہے کہ اپنے کئے کی سزا پاتا ہوں۔ حاتم نے کہا کوئی طریقہ نجات کا ہے اُس نے کہا کہ مدت سے آہ و زاری کرتا ہوں تاکہ کوئی میرے درد کو پہنچے۔ مگر آج کی رات تو آیا ہے اگر تجھ کو خدا توفیق دے تو شہر جا میری حویلی سوداگروں کے محلہ میں ہے اور یوسف سوداگر کے نام سے مشہور ہے وہاں جا کر محلہ والوں سے میرا حال کہہ۔ اغلب ہے کہ میرے لڑکے میرے پاس آئیں۔ یہ ماجرا تو اُن سے بالمشافہ بیان کر سکے۔ بعد فلانی جگہ میرا زر و جواہر بے شمار گڑھا ہے اس کو نکال کر چار حصے کر کے ایک حصہ اس میں سے فرزندوں کو دے اور تین حصہ خدا کی راہ میں خرچ کر بھوکوں کو کھانا کھلا اور ننگوں کو کپڑا پہنا مسافروں کو خرچ راہ دے۔ اُمید ہے کہ تیری توجہ سے نجات پاؤں اور ان کا ہم نشین ہوں۔ حاتم نے قسم کھا کر کہا کہ اے عزیز اگر میں تیرا کام بخوبی نہ کروں اور فریاد کو نہ پہنچوں تو طے کے نطفے سے پیدا نہ ہوا ہوں گا۔ غرض حاتم رات بھر وہیں رہا اور دیکھا کیا وہ سب عیش و عشرت میں ہیں اور یہ فریاد و زاری میں صبح ہوئی۔ شہید اپنے اپنے مکانوں

میں گئے اور حاتم چین کی طرف روانہ ہُوا۔ ایک مدت کے بعد منزلیں طے کرتا اور آفتیں سہتا ایک مکان پر جا پہنچا کیا دیکھتا ہے ایک شخص کنوئیں پر کھڑا ہے اور پانی بھرتا ہے۔ یہ بھی وہاں پہنچا اور چاہا اس کے ہاتھ سے ڈول لے کر پانی پیئے۔ اتنے میں ایک سانپ نے ہاتھی کی سونڈ منہ سے نکالی اور اس شخص کی کمر پکڑ کر کنوئیں میں کھینچ لیا۔ حاتم دیکھ کر حیران ہُوا اور ہاتھ مل کر کہنے لگا اے مُوذی کیا کیا تو جو اس غریب پردیسی کو لے گیا۔ وہاں اس کے بال بچے امید رکھتے ہونگے کہ بابا جان کچھ خرچ بھیجیں گے یا آپ ہی لئے آتے ہونگے۔ تو نے یہاں اسکو جان ہی سے کھو دیا۔ یہ سمجھ کر پھر اپنے جی میں کہنے لگا۔ اے حاتم افسوس ہے کہ تو اس حال کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اور اسکی داد کو نہ پہنچے گا۔ آخر خدا کو کیا جواب دیگا اور تیرا نام دنیا میں کیا خاک رہیگا۔ یہ کہا اور کنوئیں میں کُود پڑا۔ تھوڑی دُور چلا گیا۔ جب زمین پر اس کا پاؤں لگا آنکھیں کھولکر دیکھا نہ وہ چاہ ہے نہ وہ پانی ہے۔ ایک میدان نہایت وسیع خوش قطع درختوں سے ہرا بھرا لہلہاتا نظر آیا اور ان درختوں سے ایک محل سُتھرا سا چمکتا ہُوا دکھائی دیا۔ اسکی راہ چلا اور کہتا تھا کہ مسافر کو کہاں لے گیا اور یہ محل کہاں سے پیدا ہُوا۔ اسی سوچ میں وہ حویلی کے پاس جا پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک ایوان پاکیزہ اور بیٹھکیں آراستہ جا بجا بنی ہیں۔ ایک مکان میں بلور کا تخت بچھا ہے اور اسکے نیچے ایک مرد دراز قد درجب کے مانند سوتا ہے۔ حاتم یہ دیکھ کر وہاں گیا اور جی میں کہا کہ ذرا آگے جا کر دیکھیئے کہ کون ہے۔ جب نزدیک پہنچا تو اس کے سرہانے کھڑا ہُوا اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ جب یہ اُٹھیگا جب اس سے حال پوچھونگا۔ اتنے میں وہی سانپ مسافر کو باغ میں کسی جگہ چھوڑ کر حاتم کی طرف لپکا۔ حاتم مسافر کے باعث غصہ میں بھرا ہُوا تھا دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اسکو ایسا دبایا کہ وہ چلانے لگا۔ اس کے شور سے دیو چونک پڑا۔ کہا اے عزیز کیا کرتا ہے یہ میرا ایک ہے چھوڑ دے حاتم نے کہا جب تک مسافر کو نہ چھوڑیگا میں اس کو نہ چھوڑوں گا۔ یہ بات سُنکر دیو نے سانپ سے کہا خبردار یہ کوئی بڑا زبردست معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے طلسم کو بھی توڑیگا اور تیرے مُنہ میں بیٹھے گا۔ حاتم یہ سُنکر اس کے مُنہ میں گھس گیا۔ کیا دیکھتا ہے ایک اندھیرا گھر ہے اور سانپ کا کچھ نشان نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کہاں آیا۔ یہ حیران اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اتنے میں یہ آواز اس کے کان میں آئی کہ اے حاتم اس اندھیرے گھر میں جو چیز ہاتھ لگے خنجر سے ٹکڑے کر ڈال کہ تو اس طلسمات سے نکلے یہ سُنکر ایک طرف ہاتھ بڑھایا ٹٹولنے لگا کہ اس میں ایک چیز گائے کی صورت اسکے ہاتھ لگی اور وہیں اسے خنجر تیز سے چیر ڈالا فی الشعور ایک چشمہ دریا سے زیادہ لہریں لیتا ہُوا پیدا ہُوا۔ اور حاتم غوطے کھاتے

لگا۔ دو تین غوطوں کے بعد اس کا پاؤں زمین پر لگا۔ اور اس نے آنکھیں کھول کر جو دیکھا نہ تو وہ سانپ ہے اور نہ وہ پانی نہ وہ باغ ہے۔ مگر ایک صحرائے وسیع نظر آتا ہے اور اسمیں ہزار ہا آدمی ہیں بعضے قریب مرگ پہنچے ہیں اور بعضے سوکھ کر کانٹا ہو گئے ہیں اور وہ مسافر بھی انہیں میں کھڑا ہے۔ حاتم اس کے پاس جاکر پوچھنے لگا کہ اے بھائی تجھے یہاں کون لایا ہے تب حاتم نے اس طلسم کا ماجرا بخوبی بیان کیا اور کہا تم اپنے اپنے گھر جاؤ۔ میں نے تمہارے دشمن کو مارا۔ وہ کہنے لگا۔ ہم قید میں مارے بھوک کے مر گئے۔ اور کتنے ہلاکت کے قریب پہنچے ہیں حق تعالیٰ تم کو جزائے خیر دے۔ کہ تمہاری دستگیری سے اس موذی کے چنگل سے نکلے۔ یہ کہہ کر سب اپنے اپنے گھر چلے گئے حاتم رخصت ہو کر چین کیطرف روانہ ہوا۔ چند روز کے بعد ایک شہر عالیشان کے دروازے پر پہنچا اندر جانے کا قصد کیا۔ دربانوں نے روکا کہاں جاتا ہے پہلے بادشاہ کے پاس چل اور اس سے جواب سوال کر۔ پھر جہاں چاہنا وہاں جانا۔ حاتم نے ان سے کہا بھائیو تمہارے شہر کا کیا چلن ہے! مسافروں کو ہر شخص آرام دیتا ہے اور تم لوگ کیسے ہو جو ایذا دیتے ہو۔ دربانوں نے کہا اے مسافر اس شہر کی راہ چلنے سے رہ گئی ہے۔ اسلئے کہ یہاں کے بادشاہ کی ایک لڑکی ہے کہ اسکے روبرو مسافر کو لے جاتے ہیں اور وہ اس سے سوال کرتی ہے جو جواب نہیں دے سکتا آخر صبح کے وقت اُسے سُولی دیدیتے ہیں۔ اسی واسطے اس شہر کا نام بیداد نگر رکھا۔ کیونکہ یہاں کوئی مسافر جیتا نہیں بچتا۔ آخر حاتم ان لوگوں کے ساتھ بناچاری بادشاہ کے پاس گیا اور جی میں کہنے لگا میں یہ ہی کہتا تھا کہ دیکھئے وہ کیا پوچھتا ہے۔ جب اس کے سامنے گیا تب اُس نے پوچھا کہ تُو کون ہے کہاں سے آیا ہے اور کیا نام رکھتا ہے؟ اس نے کہا بنی آدم ہوں اور چین کے جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میرے نام سے تمہیں کیا کام ہے اور کہا کہ اے بادشاہ تیرے سوا کوئی مسافر کو ایذا نہ دیتا بلکہ ہر ایک اپنے حوصلے کے موافق مہمانی کرتا ہے اسواسطے کہ بھلا کہلائے اور نیکی کے ساتھ اس کا نام تمام عالم میں آفتاب کے مانند روشن رہے۔ اس کلام کو سُن کر بادشاہ نے رو دیا اور کہا کیا کروں اس کمبخت لڑکی کے ظلم سے بیداد نگر مشہور ہے۔ کیونکہ ایک مدت سے مسافر مارے جاتے ہیں ان کا خون میری گردن پر ہے پہلے اس شہر کا نام عدل آباد تھا۔ حاتم نے کہا کہ پھر تو اسکو کیوں نہیں مار ڈالتا۔ وہ بولا آج تک کسی نے بھی ایسا کیا ہے کہ اپنی اولاد کو مار ڈالے۔ پھر حاتم کو محل میں لے گیا۔ حاتم نے لڑکی دیکھتے ہی اپنے دل میں کہا کہ اس کے برابر جہان میں کوئی خوبصورت نہیں۔ اس کا پردہ حجاب اُٹھ گیا اور ایک تخت مرصع پر حاتم کو بٹھا کر آپ کرسی زریں پر بیٹھی اور

دائی بلواکر کہنے لگی کہ مادرِ مہربان آج میں اس مسافر پر عاشق ہوئی ہوں اور یہ بھی بزرگ زادہ
معلوم ہوتا ہے حیف ہے کہ صبح کو سولی پر چڑھا دیا جائیگا۔ دائی نے کہا کہ اے جانِ مادر!
تیرے نصیب نہایت بد ہیں۔ کیا کہیں اور بہت امیر اُمرا تیرے ہاتھ سے مارے گئے۔ اُن کا خون تیری
گردن پر رہے گا اور تیری قسمت ہرچند ایسی نیک نہیں کہ تیرا کام اس کے ہاتھ سے نکلے اتنے
میں حاتم نے کہا بھلا میں بھی سنوں کہ وہ کام کونسا ہے کہ جس کے واسطے اتنے مسافر مارے گئے
ہیں۔ دائی نے کہا اے جوان خوشرو جب رات ہوتی ہے تب یہ لڑکی بالکل دیوانی ہو جاتی ہے۔
اور باتیں لایعنی بکتی ہے اور سوال کرتی ہے جب مسافر اسکو جواب نہیں دیسکتا تو اُسکو یہ آپ ہی
مارڈالتی ہے یا سُولی دلواتی ہے اُسوقت میں اس کے پاس نہیں ہوتی۔ غرض اسکی یہی اوقات
اور عادت ہے حاتم نے اپنے جی میں کہا کہ دیکھیے اب مجھے موت یہاں لائی ہے یا حیات۔ اتنے
میں دائی باورچیخانہ میں گئی اور کھانا لاکر کہنے لگی کہ اے جوان اجل گرفتہ کچھ اس میں سے کھا۔ اس نے
کہا کہ کھانا میں تب کھاؤنگا جب اس کے کام کو تمام تک پہنچاؤں گا۔ اب کھانا مجھ پر حرام ہے بلکہ
جی کا دینا ہے کھانا نہیں۔ اور یہ بات عقلمندوں اور جوانمردوں سے دور ہے۔ دائی نے کہا
اے جوان معلوم ہوا کہ اس کے کام کا سرانجام تجھ سے ہوگا کیونکہ تو حق نمک سمجھتا ہے۔ اتنے میں
رات ہوگئی اور ہر ایک دائی ماما چھوچھو لونڈی غلام نوکر چاکر محل سے باہر گئے اور دروازے
کو بخوبی بند کر دیا۔ پہر رات کے بعد وہ لڑکی دیوانوں کی طرح سے کودنے لگی اور سخن بیہودہ
زبان پر لائی۔ پھر حاتم کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی۔ اے جوان! تجھ کو اپنی جان کا خطرہ
نہ تھا جو نامحرم ہو کر یہاں تک چلا آیا۔ خیر اگر آیا ہے تو ہمارے سوالوں کا جواب دے
حاتم نے کہا کیا سوال رکھتی ہے۔ اس نے کہا پہلا سوال یہ ہے کہ وہ قطرہ کونسا ہے جو
جاندار پیدا ہوتا ہے۔ حاتم نے تامل سے جواب دیا کہ وہ قطرہ دریائے اسرار انسان ہے
یعنی نطفہ کہ جاندار پیدا ہوتا ہے۔ پھر حاتم نے کہا۔ اب دوسرا سوال کہو۔ اُس نے کہا وہ
کونسا میوہ ہے جو سب میووں سے زیادہ میٹھا ہے۔ حاتم نے کہا وہ فرزند ہے کہ سب
میووں سے شیریں ہے تیسرا سوال پوچھا کہ وہ کیا چیز ہے جو کسی کو کھاتی ہے۔ حاتم نے کہا وہ
موت ہے کہ کسی کو نہیں چھوڑتی۔ اس سخن کو سُنکر لڑکی نے آنکھیں نیچی کرلیں اور کانپنے لگی
آخرکار کرسی سے زمین پر گر پڑی اور بیہوش ہوگئی۔ اتنے میں ایک کالا سانپ نہایت ہیبتناک
وہاں نظر آیا پھن پھیلا کر حاتم کی طرف لپکا حاتم جی میں کہنے لگا کہ اگر اسکو مارتا ہوں تو ایذا دہندہ ٹھیرتا

اگر نہیں مارتا تو یہ مجھ کو نہیں چھوڑتا جلد سوچ کر وہ مہرہ جو ریچھ کی بیٹی نے دیا تھا پگڑی سے نکال کر انگنائی میں قدِ آدم گڑھا کھود کر گاڑ دیا اور آپ تخت پر جا بیٹھا۔ پچھلے پہر رات کو لڑکی ہوش میں آئی اور اپنے مُنہ پر نقاب ڈال کر کہنے لگی کہ اے نامحرم تو کون ہے اور اس تخت پر کس واسطے بیٹھا ہے۔ حاتم نے کہا اے نادان! تو اتنے میں بھول گئی ہے وہی ہوں کہ کل تیرے باپ کے لوگ مجھے ہاتھوں ہاتھ لے آئے تھے۔ اس بات کو سُنتے ہی اپنی دائی سے کہا کیا سبب ہے کہ مسافر آج بچا؟ دائی نے کہا خدا نے اپنی حفاظت میں رکھا۔ بارے تم اپنا حال کہو کہ کیسی ہو۔ اس نے کہا کہ آج ہمیں بدن ہلکا معلوم ہوتا ہے نہیں تو ہمیشہ بھاری معلوم ہوتا تھا۔ پھر دائی حاتم سے پوچھنے لگی۔ اے جوان! تو نے یہاں کیا دیکھا اور تو کیونکر بچا؟ حاتم نے کہا میں تجھے اس بات سے ہرگز آگاہ نہ کروں گا۔ اتنے میں نور کا تڑکا چمکا۔ بادشاہ آیا اور حاتم سے پوچھنے لگا کہ اے مسافر! تو کیونکر بچا؟ حاتم نے کہا جب پہر رات گئی تو آپکی لڑکی دیوانی ہوگئی اور کلمہ واہی تباہی بکنے لگی اور مُنہ سے کف نکالتی ہوئی میری طرف دوڑی اور کہنے لگی۔ اے نامحرم تُو نے اتنا مقدور کہاں سے پیدا کیا جو بیدھڑک میری حویلی میں آیا ہے تو میرے سوالوں کا جواب دے۔ آخر کار اس نے مجھ سے تین سوال کئے۔ مَیں نے خدا کے فضل سے ان تینوں سوالوں کا جواب بخوبی دیا۔ اس بات کو سُنتے ہی وہ تھرتھرائی اور کرُسی سے گر کر بیہوش ہوگئی۔ پھر ایک سانپ اس کے پہلو سے نکل کر مجھ پر لپکا۔ مَیں نے اسکو انگنائی میں گاڑ دیا۔ یقین نہ ہو تو دیکھ لو۔ پھر وہ لڑکی ہوش میں آئی اور حجاب کرنے لگی۔ بادشاہ نے پوچھا اے جوان! یہ کیا اسرار تھا۔ حاتم بولا کہ ایک جن اس پر عاشق تھا کہ سانپ بن کر ہر ایک مسافر کو مار ڈالتا تھا۔ بارے خدا کے فضل سے یہ بلائے عظیم تمہارے سر سے ٹلی۔ بادشاہ خوش ہوا اور کہنے لگا کہ اے شخص یہ لڑکی میں نے تجھے ہی بخشی اور یہ ہی میرا قول تھا۔ لازم ہے کہ تو میرا بھی قول قبول کر۔ حاتم نے کہا ایک شرط ہے کہ میں جہاں چاہوں وہاں لے جاؤں۔ کوئی میرا مزاحم نہ ہو۔ اس نے کہا بہت اچھا کوئی تیرا مزاحم نہ ہوگا۔ اس نے اسی گھڑی اپنے گھرانے کی رسوم کے موافق اس کا نکاح حاتم کے ساتھ بندھوا کر اس کا ہاتھ حاتم کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ حاتم نے تین مہینہ تک وہاں ہر ایک رات اس کے ساتھ عیش و عشرت میں گذاری جب اس عورت کو حمل ہوا تب حاتم نے کہا اب تو مجھ کو رخصت دے اور ایک میری بات سُن کر میں یمن کا رہنے والا ہوں اور طے کے نطفے سے ہوں اگر لڑکا پیدا ہوا اور یمن جانے کا قصد کرے

تو اس کو اس پتہ سے بھجوا دینا۔ اور اگر لڑکی ہو تو کسی مرد نیک فرشتہ خصلت سے منسوب کر دینا۔ اگر میں جیتا رہوں گا تو ایک بار تیرے پاس ضرور آؤں گا۔ اس طرح کی دو چار باتیں کر کے اس سے رخصت ہوا۔ تھوڑے دنوں کے بعد شہر چین میں پہنچا اور وہاں کے رہنے والوں کو پوچھنے لگا کہ اس شہر میں سوداگروں کا محلہ کہاں ہے۔ غرض پوچھتے پوچھتے وہاں جا پہنچا اور کہنے لگا کہ اس محلہ میں یوسف سوداگر کی حویلی کونسی ہے اور اس کی اولاد میں سے بھی کوئی ہے۔ لوگ دوڑے اور اس کے بیٹے کو خبر کی کہ ایک مسافر کہیں سے آیا ہے اور تم کو بلاتا ہے وہ اس بات کو سن کر دوڑتا ہوا حاتم کے پاس آیا۔ اس نے کہا اے لڑکے مجھے تمہارے باپ نے بھیجا ہے اور ایک پیغام دیا ہے۔ اس سخن کے سنتے ہی لوگ ہنس پڑے اور کہنے لگے اے مسافر معلوم ہوتا ہے کہ تو دیوانہ ہے جو واہیات بکتا ہے۔ اس کو تو مرے ہوئے مدت ہوئی اور ہم تعجب کرتے ہیں کہ اس نے تیرے ہاتھ پیغام کیونکر بھیجا ہے۔ حاتم نے کہا یارو میں کیا جانوں کہ یوسف سوداگر، سوداگروں کے محلہ میں رہتا ہے۔ ایک پتہ اس کے سوا اور بھی بتا دیا ہے کہ فلانے حجرے میں اس کے سونے کی جگہ تھی اس جگہ کو کھودو اس کے پاس ایک درخت ہے اسکے نیچے بہت سا مال و جواہر گڑا ہوا ہے لیکن اسے کوئی نہیں جانتا۔ جس قدر نقد و جواہر نکلے اسکے چار حصے کرو ایک حصہ تم اور تین حصے خدا کی راہ میں خرچ کر دو۔ پھر اس نے سب ماجرا جو دیکھا تھا ابتدا سے انتہا تک بخوبی ظاہر کیا کہ میں اس سبب سے فلانے جنگل میں گیا تھا۔ یہ تماشا دیکھا اور قاصد بن کر آیا۔ تب انہوں نے کہا کہ یہ حرکت بے بادشاہ کے خبر کئے کیونکر کریں۔ آخر کار وہ سب اس کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ شخص تو نے کیا دیکھا؟ حاتم نے کہا جہاں پناہ میں نے اس سوداگر کو اس طرح دیکھا ہے اور یہ پیغام اس نے میرے ہاتھ میں بھیجا ہے۔ اس بات کو سنکر وہ بھی ہنسا اور کہنے لگا کہ تیرے شہر میں جراح فصد کو نہیں ملا جو یہاں آیا۔ تو اچھا خاصہ دیوانہ ہے۔ جا اپنی فصد لے۔ کیونکہ اسے مرے ہوئے سو برس ہوئے پھر تجھ سے ملاقات کیونکر ہوئی۔ اے بیوقوف! کہیں مُردے بھی کسی سے ملاقات کرتے ہیں جو اس نے تجھ سے کی اور اپنی حقیقت تجھ کو کہلا بھیجی۔ ارے ہے کوئی اس دیوانہ کو شہر بدر کرے۔ حاتم نے عرض کی اے بادشاہ عادل و دستگیر درماندگان یہ کیا بات ہے تم یہ نہیں جانتے کہ شہید ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور یوسف سوداگر ایک مرد جمیل تھا وہ اس حسن سے رنج و مصیبت میں گرفتار ہے یہ بات مانو کہ وہ

غریب عذاب سے چھوٹے ثواب میں داخل ہو۔ اس کے سوا اگر میں دیوانہ ہوں تو اس حجرے کے خزانہ کی کیونکر خبر رکھتا ہوں۔ بادشاہ اس خبر کو سُنکر متعجب ہوا اور حاتم کو ساتھ لیکر یوسف کے مکان پر گیا۔ پھر حجرے کو کھدوایا۔ بے شمار مال نکلا تب بادشاہ نے اسکے چار حصے کئے ایک اس کے لڑکے کے حوالے کیا اور تین حصے حاتم کو دیکر کہا اے عزیز تو مرد بادیانت اور شخص باامانت ہے اس خزانہ کو اپنے ہی ہاتھ سے راہ مولیٰ میں خرچ کر۔ حاتم نے تھوڑے دنوں میں اُسے خرچ کر ڈالا۔ بھوکوں کو کھانا ننگوں کو کپڑا محتاجوں کو پیسے اتنے دیئے کہ مالامال ہو گئے۔ پھر بادشاہ سے رخصت ہوا۔ شہر عادل آباد میں آیا اپنے قبیلہ سے ملا اور لڑکا پیدا ہوا تھا۔ اس دیکھ کر بہت خوش ہوا اور سالم نام رکھا۔ کئی دن کے بعد رخصت ہو کر جنگل کی راہ لی۔ کئی دن کے عرصہ میں قبرستان میں پہنچا۔ تین روز وہاں رہا۔ شب جمعہ کو وہ شہید سب کے سب بدستور اپنی قبروں سے نکلے اور فرش مکلف بچھا کر وقت معین پر اسی طرح سے ان کے آگے کھانے چنے گئے۔ پھر ان کے پیچھے اس سوداگر کے بھی آگے ویسا ہی کھانا رکھا گیا۔ اس کے بعد حاتم نے ملاقات کی سوداگر سے حال پوچھا وہ کہنے لگا اے جوانمرد! جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔ اس تیری ہمت کا ثمرہ حق تعالےٰ تجھے دے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک جوانمرد راست گو تو ہی نظر آیا اور تیرے باعث سے یہ مرتبہ ملا جو اس بلا سے نکلا۔ اور ان کے سامنے فریاد سے باز رکھا کھانا پانی برابر مجھے پہنچتا ہے لیکن مسندیں اور پوشاکیں ان کی مکلف ہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے اپنے ہاتھ سے جیتے جی خیرات کی اور میں نے مرنے کے بعد پریشانی کھینچ کر۔ تب بھی خدا کے فضل سے بہت آسودہ ہوں۔ خدا تجھ کو جزائے خیر دے۔ صبح کو حاتم وہاں سے رخصت ہوا اور ایک جنگل میں پہنچا۔ وہاں ایک عورت پیرانہ سال فقیروں کی طرح سے بیٹھی ہوئی بھیک مانگ رہی تھی۔ حاتم نے اپنے ہاتھ سے الماس کی انگوٹھی اُتار کر اُس کے حوالے کی اور آپ روانہ ہوا اسا تنے میں بڑھیا نے کہا "اکیلے دُکیلے پردیسی کا حافظ اللہ ہے"۔ اس آواز کے سُنتے ہی سات جوان مسلح تلواریں لگائے جنگل کے دائیں بائیں سے نکل آئے اور حاتم سے ملاقات کر کے ساتھ ہو لئے۔ چنانچہ وہ ساتوں چور اسی چڑیل کے بیٹے تھے۔ اس انگوٹھی کو دیکھ کر یہ جانا کہ سونے کی چڑیا جاتی ہے۔ غرض اس کے ساتھ ہوئے اور اِدھر اُدھر کی گپ شپ ہانکتے تھے کہنے لگے اے جوان مرد! ہم چاہتے ہیں کہ تیرے طفیل سے شہر میں پہنچیں اور وہاں بادشاہ کی

نوکری کریں۔ حاتم نے کہا اچھا چلو۔ کھانے پینے کا اندیشہ نہ کرو۔ جب حاتم ان کے دم میں نہ آیا تب اس کے پیچھے سے کنڈال کر ہاتھ باندھ کر تین خنجر مارے پھر کنوئیں میں گرا دیا۔ اور جو مال متاع تھا لے لیا۔ وہی ایک پگڑی جس میں مہرہ تھا پیٹی لپٹانی رہ گئی۔ وہ کئی روز تک کنوئیں میں زخمی ہوا پڑا رہا۔ دو تین روز کے بعد جب ہوش آیا اس مہرہ کو پگڑی سے کھول کر اور کنوئیں میں خشک پتھر پر اپنے تھوک سے رگڑ کر ان زخموں پر جونہی لگایا زخم سب بھر گئے اور درد جاتا رہا پھر اس نے اپنے جی میں کہا افسوس ہے ان مردوں نے دغا کیا۔ اگر راہِ خدا مجھ سے مانگتے تو قسم ہے خدا کی سب کا سب بخوشی دیتا۔ اب بھی اگر ملیں تو اتنا کچھ دوں کہ جب تک جئیں کبھی کسی کے محتاج نہ ہوں۔ اسی سوچ میں تھا کہ آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص باواز بلند کہتا ہے اے حاتم! غم نہ کھا۔ خدائے کریم نے جو تجھے یہاں پہنچایا ہے یہ بھی حکمت سے خالی نہیں تھا یہاں ایک گنج عظیم گڑا ہے۔ حق تعالےٰ نے یہ مال تیرے ہی واسطے چھپا رکھا ہے اب اٹھ اور لے لیں نے کہا اے بزرگ! میں تنہا کیونکر لوں اور کہاں جاؤں؟ وہ بولا کل دو شخص اس مکان پر آئیں گے اور تجھے اس اندھیرے کنوئیں سے نکالیں گے چاہیئے کہ ان کو متفق کر کے مال کو نکالے حاتم خاموش ہوا اور درگاہ الٰہی میں سر جھکا کر سجدۂ شکر بجا لایا۔ اتنے میں پو پھٹی اور نور کا تڑکا ہوا۔ ایک دم کے بعد دو شخص اس کنوئیں پر آئے اور پکار کر کہنے لگے اے حاتم! اگر جیتا ہے تو جواب دے۔ اس نے کہا اب تک تو خدا کے فضل و کرم سے جیتا ہوں تب اُنھوں نے اپنے ہاتھ کنوئیں میں ڈالے اور کہا ہمارے ہاتھ کنوئیں میں پکڑ کر چڑھ آ۔ حاتم دستگیری سے نکلا۔ ان سے ملاقات کی، کہنے لگا یہاں گنج عظیم ہے اگر تم نکالو تو ہاتھ آئے کہا حاتم یہاں ٹھیرو ہم آتے ہیں یہ کہہ کر ایک کنوئیں میں اترا اور دوسرا اوپر کھڑا رہا وہ مال نکال کر اوپر پھینکتا تھا اور یہ انبار کرتا جاتا تھا۔ غرض ایک دم میں وہ سب کا سب مال نکال کر انھوں نے حاتم کے حوالے کیا اور آپ رخصت ہو کر کسی طرف کا راستہ لیا۔ حاتم جی میں کہتا تھا اگر اس وقت وہ چور میرے پاس ہوتے تو سب کا سب انکو بخش دیتا تاکہ وہ بندگان خدا کو ایذا نہ دیتے۔ حاصل کلام ایک جوڑا کپڑے کا پہنا اور تھوڑا سا زر جواہر اپنی جیب میں ڈال کر ان چوروں کی تلاش میں روانہ ہوا اور دعائیں مانگتا تھا کہ الٰہی اس بڑھیا کو پھر مجھ سے ملا۔ تھوڑی دور پہنچا ہوگا کہ بڑھیا بر سر راہ بحال تباہ فقیروں کی طرح بیٹھی

ہوتی سوال کر رہی تھی کہ جانے والے بابا کچھ خیرات دیئے جا۔ اُسکو دیکھتے ہی دوڑا اور خوش ہو کر مثل گُل کھِلا اور مٹھی بھر کر روپے اشرفیاں جیب سے نکال کر اس کو دیں اور اپنا قدم آگے رکھا۔ اس نے وہ روپیہ لے اور پھر اُسی طور باوازِ بلند کہا "اکتے دُکتے کا راہ میں خدا نگہبان ہے"۔ اس آواز کے سُنتے ہی ساتوں چور پھانسی گر کسے کسائے اِدھر اُدھر سے آئے اور اس سے ملاقات کر کے کہنے لگے اے جوان! کہاں جاتا ہے؟ اُس نے کہا اے عزیز! میں تم سے ایک عرض رکھتا ہوں اگر قبول کرو تو کہوں۔ اُنھوں نے کہا کیا کہتا ہے؟ حاتم نے کہا اگر تم توبہ کرو اور مردم آزاری سے ہاتھ اُٹھاؤ تو میں اسقدر زر و جواہر دوں کہ تمہاری سات پشت تک کام آئے۔ اُنھوں نے کہا ہم تو پیٹ ہی کے واسطے اپنے اوپر عذاب لیتے ہیں کہ تمام عمر یہ کام نہ کریں۔ حاتم نے کہا خدا کی قسم کھاؤ تو میں تمہیں وہ گنج دوں کہ نہال ہو جاؤ۔ یہ بات سُنکر چوروں نے کہا کہ دکھاؤ تو ہم توبہ کریں۔ حاتم ان کا ہاتھ پکڑ کر اس کنوئیں پر لے گیا اور روپے شمار دکھا کر کہنے لگا اب اسے لو اور اپنے وعدہ کو پورا کرو۔ وہ اس کے دیکھتے ہی نہایت خوش ہوئے اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگے کہ اب جو کہو سو کریں۔ حاتم نے کہا تم اس طرح سے قسم کھاؤ کہ خداوند کریم تو دانا بینا ہے اور ہر ایک کا احوال جانتا ہے اگر آج سے ہم کسی کا مال چرائیں یا کسی پردیسی کو ستائیں تو خدا کے غضب میں گرفتار ہوں۔ اُنھوں نے اس طور سے قسم کھائی اور مردم آزاری سے توبہ کی۔ حاتم نے وہ زر و جواہر سب اُن کو بخشا اور وہ راستہ دکھا کر جنگل کا راستہ لیا کہ ایک کُتا زبان نکالے سامنے دکھائی دیا۔ اس نے معلوم کیا کہ شاید اس صحرا میں کوئی قافلہ اُترا ہے اور یہ کُتا قافلہ کا ہے۔ جب وہ اس کے پاس آیا تب حاتم نے اس کو گود میں اُٹھا لیا۔ اس کے واسطے پانی اِدھر اُدھر ڈھونڈھنے لگا اور جی میں کہتا تھا کہ اس جنگل میں کوئی چشمہ ملے تو اس پیاسے کو خوب سا پانی پلاؤں اتنے میں ایک گاؤں دکھائی دیا حاتم اُس طرف روانہ ہوا۔ وہاں کے لوگ گیہوں کی روٹیاں اور مٹھائی مسافروں کو دیتے تھے۔ حاتم کے آگے بھی لے آئے۔ اس نے وہ مٹھائی اور روٹیاں کُتے کو کھلائیں۔ کُتے نے خوب پیٹ بھر کر کھایا مگر حاتم اس کی طرف دیکھ کر کہتا تھا کہ کیا خوش ترکیب اور خوبصورت کُتا ہے اور اس کے سامنے بیٹھا ہوا شکر خدا کا کر رہا ہے۔ اتنے میں حاتم نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دل میں خدا کو یاد کر کے بول کہا کہ یہ تیری قدرت ہے کہ اٹھارہ ہزار عالم کو پیدا کیا اور ایک کی شکل کو دوسرے کی صورت سے

ملنے نہ دیا۔ اتنے میں ایک سخت سی چیز شاخ کی مانند اس کے ہاتھ کو لگی۔ جب خوب غور کر کے دیکھا تو ایک میخ آہنی نظر آئی۔ فوراً وہ میخ اس کے سر سے نکالی۔ وہ کُتّا ایک جوان خوشرو کی صورت ہو گیا۔ حاتم متعجب ہو کر کہنے لگا اے بندۂ خدا یہ کیا بھید ہے اور تو کون ہے کہ پہلے تیری صورت حیوان کی تھی اور اس میخ کے نکلتے ہی تو انسان ہو گیا۔ اس نے دل میں کہا کہ اس شخص نے مجھ پر احسان کیا ہے اس سے اپنا حال نہ چھپانا چاہیے۔ یہ سوچ کر اس کے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا اے مرد بزرگ میں بنی آدم ہوں تیری دستگیری سے اپنی اصلی صورت پر آیا۔ حاتم نے کہا کیا سبب تھا کہ تیری صورت کُتّے کی سی ہو گئی تھی۔ جوان نے کہا کہ میں سوداگر کا بیٹا ہوں میرا باپ بہت سا مال و اسباب لیکر چین کو گیا تھا وہ مال اس نے وہاں بیچا اور وہاں سے کچھ مول لیا۔ اس کی فروخت سے بہت سا نفع حاصل کیا اور مجھ کو بہت دھوم دھام سے بیاہ دیا۔ وہ چند روز جیا پھر شربت اجل پی کر مر گیا۔ مال و اسباب زر و جواہر میرے ہاتھ لگا میں ایک مدت تک اس کو بیچ کر عیش و عشرت کرتا رہا۔ جب وہ کم ہونے پر آیا۔ تب میں نے خطاط کا مال خرید کر کے چین میں لے گیا اور خرید و فروخت کر کے پھر اپنے شہر کو روانہ ہوا جب تک میں چین میں گیا میرے پیچھے وہ عورت بدذات جو خود باپ نے بیاہ دی تھی ایک غلام حبشی سے اُلجھ گئی۔ یہ میخ لوہے کی جادوگروں سے پڑھوا کر اپنے پاس رکھ چھوڑی تھی۔ جب میں گھر آ پہنچا اور ایک دن غافل سو گیا تو اس نے فرصت پا کر میخ میرے سر میں ٹھونک دی۔ میں اُسی وقت کُتّا بن گیا۔ اُس نے اُسی گھڑی نکال دیا۔ میں کان پھٹ پھٹاتا بازار میں پہنچا۔ وہاں کے کُتّے مجھے اجنبی کُتّا سمجھ کر بھونکنے لگے اور کتنے ہی دوڑے۔ اُن کی دہشت سے آج تیسرا روز ہے کہ میں شہر چھوڑ کر اس جنگل میں بھوکا پیاسا پڑا پھرتا تھا آگے کیا کہوں بارے خدا نے اپنے فضل و کرم سے تجھے اس مقام پر بھیجا کہ تو نے کھانا کھلایا۔ پانی پلایا۔ آدمی بنایا۔ حاتم اس بات کے سنتے ہی سربز اتو ہوا اور کہنے لگا اے عزیز! تیرا گھر کس شہر میں ہے اُس نے کہا اس جنگل سے تین روز کی راہ پر ہے اور اس شہر کو صورت کہتے ہیں۔ حاتم نے کہا یہاں حارث سوداگر بھی رہتا ہے کہ اس کی بیٹی تین سوال رکھتی ہے۔ اس کی لڑکی نے مجھے اس بات کی خبر کو بھیجا ہے کہ میں نے وہ کام کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔ اس نے کہا یہ بات سچ ہے۔ اور میں بھی اسی شہر میں رہتا ہوں۔ پھر حاتم نے کہا، اے بندۂ خدا تو اس میخ کو اپنے پاس رہنے دے۔ اگر تیرا جی بدلا لینے کو چاہے تو فرصت پا کر اپنی جورو کے سر میں گاڑ دے

وہ کُتّا ہو جاوے گی۔ اس ڈھب سے باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں وہاں سے چل نکلے تین روز کے عرصہ میں اس شہر میں داخل ہوئے اور وہ جوان حاتم کو ساتھ لے کر آیا۔ ڈیوڑھی پر پہنچا کر آپ اندر گیا لونڈیاں باندیاں پاؤں پر گر پڑیں اور بی بی اُس حبشی سے لپٹی ہوئی سوتی تھی۔ اس حال کو دیکھ کر اُس نے تلوار نیام سے نکالی اور اس غلام کی گردن کاٹ ڈالی۔ پھر وہ میخ بی بی کے سر میں ٹھونکتے ہی وہ فوراً کُتیا ہو گئی تب وہ اُسے رسّی سے باندھ کر باہر نکل آیا اور حاتم کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا اور ایک مسند عالی پر بٹھا کر دکھایا اور کہا یہ وہی مکّارہ ہے جس نے مجھے آدمی سے کُتّا بنا دیا تھا اور یہ وہی حبشی نمک حرام غلام ہے جو اس کے سنگوں میں داخل تھا۔ اس واردات کو دیکھ کر حاتم متعجب ہوا اور کہنے لگا اے عزیز! تو نے کیوں اسکو مار ڈالا اس کے آگے کیا آئے گا۔ اس دہشت سے اب کوئی ایسا کام نہ کرے گا بلکہ اس کو سُنکر جو کرتا بھی ہوگا باز رہے گا۔ یہ حرکت میں نے عبرت کیواسطے کی ہے یہ بات کہہ کر اُس کو اپنے صحن خانہ میں گاڑ دیا۔ اور ہر ایک لونڈی غلام کو انعام دیکر سرفراز کیا اور تمام رات حاتم کو مہمان رکھ کر خوب سی ضیافتیں کھلائیں اور صبح تک عیش و عشرت میں مشغول رہا۔ جب روز روشن ہوا تب حاتم اس سے رخصت ہو کر کاروانسرا میں آیا اور اس سوداگر بچے سے ملاقات کر کے پوچھنے لگا کیا کرتے ہو کہو خوش تو ہو۔ اُس نے کہا بندہ پرور آپ کی جان و مال کو دعائیں دیتا ہوں۔ ایک مُدّت سے وہ آواز نہیں آتی۔ اسواسطے حارث کی لڑکی تیرے آنے کی منتظر ہے۔ حاتم نے کہا اندیشہ نہیں خدا کے فضل وکرم سے میں اس کی خبر لایا ہوں یہ کہہ کر وہ حارث کی بیٹی کے دروازے پر گیا۔ خبر داروں نے خبر پہنچائی۔ وہ دالان کے دروں میں پردے ڈال کر اندر ہو بیٹھی اور لوگوں سے کہنے لگی کہ اُس کو بلوا لو۔ وہ بلا لائے۔ جب حاتم پردوں کے قریب آیا تب اُسکو کرسی پر بٹھا کر سوال کا حال پوچھا۔ حاتم نے ابتدا سے انتہا تک کہہ سُنایا اور جو دیکھا تھا بخوبی بیان کیا۔ اس نے کہا اے جوان راست گو سچ کہتا ہے کہ اب وہ آواز نہیں آتی۔ مگر جلد جا اور ماہرو شاہ کا مُہرہ لا۔ حاتم فوراً اس سے رخصت ہو کر سوداگر بچے کے پاس آیا اور کہا تو خاطر جمع رکھ۔ ماہرو شاہ کا مُہرہ لینے جاتا ہوں۔ اگر تیرا یہ سوال پورا کروں گا تو تیری معشوقہ کو تجھ سے ملاؤں گا۔ اس سے رخصت ہو کر صحرا البحرا چلا۔ چند روز کے بعد ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر فکر کرنے لگا کہ اب بہتر ہے کہ دیووں کے بادشاہ سے ملیئے اور اس سے ماہرو شاہ کا مکان پوچھئے۔ مقرر وہاں کا پتہ لگا دے گا۔ یہ دل میں ٹھیرا کر اس

غار میں اُترا کہ جس میں پہلے گیا تھا۔ تھوڑے دنوں میں جنگل خوش اسلوب نظر آیا۔ یہاں سے اُس گاؤں میں پہنچا۔ وہاں کے لوگ حاتم کو دیکھ کر بستی میں لے گئے۔ مسند پر بٹھایا مہمانی کی۔ اسی طرح ہر شخص اپنے گھر لے جاکر مہمانی کرتا۔ آخر فرد قاشس کے محل تک پہنچا۔ اُس نے استقبال کیا اور ایک مسندِ عالی پر بتوقیر تمام بٹھایا اور بہت خوشی اور عیش کی مجلس جمائی اور پوچھا کہ آپ کے آنے کا موجب کیا ہے۔ حاتم نے کہا ماہرو شاہ پری کے ہاتھ میں جو مہرہ ہے اب یہ فدوی اُس کے لینے کو آیا ہے۔ اُس نے کہا اے جوان! اس مہرہ کو ہاتھ سے لینے کی کس کی طاقت ہے۔ دیو کی کیا مجال کہ وہاں جائیں اور سلامت پھر آئیں تُو بیچارہ کس شمار و قطار میں ہے۔ حاتم نے کہا اندیشہ نہیں۔ مَیں تم سے ایک شخص بطور راہبری کے چاہتا ہوں اس واسطے کہ کہیں راہ بھول نہ جاؤں۔ اس جواب کو سنکر فرد قاش دم بخود ہو گیا اور کچھ نہ بولا۔ حاتم تین روز تک وہیں رہا۔ چوتھے دن کہنے لگا کہ اب میں رہ نہیں سکتا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ عاشق بے جان میرا انتظار کھینچ کر مر جاوے اور اس کا خون میری گردن پر ہو۔ قطع نظر اس کے اگر میں یہاں عیش و عشرت میں رہوں تو خدا کو کیا جواب دوں گا۔ فرد قاش نے کئی دیو حاتم کے ساتھ کر دیئے کہ تم اس کو ماہرو شاہ کی سرحد میں پہنچا دو۔ اور اس کے آنے تک وہیں بیٹھے رہو۔ حاتم اُن کو ساتھ لے کر وہاں سے روانہ ہوا۔ اور ایک مہینے کے عرصہ میں ماہرو شاہ پری کی سرحد میں جا پہنچا۔ اُنہوں نے عرض کی کہ اس پہاڑ سے اس کی عملداری شروع ہے۔ اب ہماری طاقت نہیں جو آگے بڑھیں۔ جو قلمرو میں اس کی جاتا ہے وہ اس کو جیتا نہیں چھوڑتی۔ غرض وہ وہیں رہے اور حاتم ان سے رخصت ہو کر اُس کی عملداری میں داخل ہوا۔ چند روز کے بعد ایک پہاڑ آسمان سے باتیں کرتا ہوا دکھائی دیا اور درخت بھی اس پر میوہ دار پھلے ہوئے بے شمار نظر آئے۔ وہ اس کی طرف چلا جب قریب گیا تب ہر ایک طرف سے پری زادوں نے آ کر گھیر لیا۔ اور کہا یہ آدمی ہے اس کو جیتا نہ چھوڑنا چاہیئے کیونکہ یہ پہاڑ پر چڑھنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اتنے میں اور بھی پریزاد پہاڑ سے اُترے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اور طوق و زنجیر پہنا کر پوچھنے لگے کہ تو کون ہے۔ اور یہاں کس لئے آیا ہے اور وہ کون ہے جو تجھے یہاں لایا ہے سچ بتا؟ حاتم نے کہا مجھ کو یہاں خدا لایا ہے اور میں شہر صورت سے آیا ہوں۔ اس بات کے سُنتے ہی اُتھلا

نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تو ماہرو پری شاہ کا مُہرہ لینے آیا ہے کیوں سچ ہے یا نہیں؟ تب حاتم اپنے دل میں سوچنے لگا کہ اگر سچ کہتا ہوں تو یہ جیتا نہ چھوڑیں گے اگر چھپاتا ہوں تو جھوٹا ٹھیرتا ہوں۔ اس سے بہتر ہے کہ چپکا رہوں۔ یہ سمجھ کر گونگا بن گیا اور جواب نہیں دیا تب پری زادوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس کو آگ میں ڈالنا چاہیئے۔ اور اُنہوں نے ہزاروں من لکڑیاں جمع کر کے آگ بھڑکائی تو آسمان تک پہنچی اس کو اُٹھا کر آگ میں ڈال دیا۔ حاتم تین روز تک اسی آگ میں رہا۔ وہ چلے گئے اس کے بعد جو نکلا تو ایک تار بھی اس کے جامہ کا نہ جلا تھا۔ وہاں سے ایک طرف کو روانہ ہوا تھوڑی دور گیا تھا کہ پریزاد ہر طرف سے دوڑے اور پوچھنے لگے اے جوان تیری صورت کا ایک اور شخص دو چار ہی دن کا ذکر ہے کہ آیا تھا۔ اس کو آگ میں ڈال کر ہم نے خاک سیاہ کر دیا اب تو آیا ہے کیا وہی ہے یا دوسرا پیدا ہوا ہے سچ کہہ! حاتم نے کہا اے احمق جو آتشکدہ میں پڑے وہ کیونکر جیتا بچے۔ پھر اُنہوں نے ایک بڑے بھاری پتھر کے نیچے تین روز تک داب رکھا چوتھے روز اس کو اس سے نکالا اور ٹانگ پھرا کر پھینکا کہ وہاں سے اٹھارہ کوس پر دریائے شور پر جا پڑا۔ ایک گھڑیال اس کو نگل گیا۔ اس صدمہ سے وہ عالم بیہوشی میں تھا کہ کچھ نہ سمجھا کہ میں کہاں تھا اور کہاں آ گیا۔ آپ کو گھڑیال کے پیٹ میں دیکھ کر گھبرایا اور اس کے دل و جگر کو دوڑ دوڑ کے کھانے لگا۔ اس کے باعث سے وہ عاجز ہو کر خشکی میں آ گیا اور قے کرنے لگا۔ حاتم اس کے مُنہ سے نکل پڑا۔ اس کے بعد بھوکا پیاسا کسی طرف کو چلا۔ جب طاقت طاق ہو گئی جل کر ریت میں گر پڑا۔ اور ایک سمت کو تکنے لگا۔ اتنے میں ایک غول پریزادوں کا اٹھکیلیاں کرتا ہوا آ پہنچا اور ہر ایک اسے دیکھ کر آپس میں کہنے لگے کہ یہ آدم زاد کون ہے اور یہاں کیوں آیا ہے تحقیقات کرنا چاہیئے۔ ایک نے حاتم سے کہا کہ اے آدم زاد تجھ کو یہاں کون لایا ہے جلد بتا؟ حاتم نے کہا، مجھ کو خدائے کریم الرحیم لایا ہے کہ جس نے مجھے اور تجھے پیدا کیا ہے اور دوسرا وہ ہے کہ گھڑیال کے پیٹ سے مجھ کو جیتا باہر نکالا ہے۔ اگر تم کو خدا نے توفیق دی ہو تو کچھ کھانے پینے کی خبر لو۔ اُنہوں نے کہا کہ دانہ پانی کیونکر دیں۔ ہمارے بادشاہ کا یہ حکم ہے کہ جس آدم کو جہاں پاؤ وہیں ٹھکانے لگاؤ۔ اگر تجھ کو نہ ماریں اور کھانے پینے کو دیں تو غضب سلطانی میں گرفتار ہوں۔ اتنے میں ایک نے ان میں سے کہا، اے یارو خدا سے ڈرو کہاں بادشاہ اور کہاں یہ گدا کچھ آپ سے یہ نہیں

آیا۔ واللہ اعلم کہاں سے گھڑیال اس کو لایا ہے۔ اس کی حیات کے چند روز باقی تھے
جو اس کے پیٹ سے نکلا ہے۔ اور انسان کی قوم سب سے اشرف کہلاتی ہے اس
کو گھر لے جائیں اور پرورش کریں۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم اس کو رکھیں اور کھانا دیں
مبادا پریوں کا بادشاہ ہماری گردن مارے تو مفت جان جاتی رہی۔ حاتم نے کہا۔ اے
عزیز میرے مارنے سے تمہارا بھلا ہو تو نہ چوکو قتل ہی کرو۔ اس جرأت کو دیکھ کر وہ آپس
میں مشورہ کرنے لگے کہ یہاں سے سات روز کی راہ پر ہمارا بادشاہ رہتا ہے جو اس
کا حال بادشاہ سے عرض کرے ایسا کون ہے۔ یہ سوچ کر سب کے سب متفق ہوئے
اور حاتم کو اپنے گھر لے گئے۔ قسم قسم کے میوے اور کھانے اس کے آگے رکھے حاتم
نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور پانی پیا۔ اور خوشی سے بیٹھا۔ اور پریزاد بھی اس کے گرد
بیٹھے اور قیل و قال کرنے لگے۔ اس کے حسن پر فریفتہ ہوئے۔ کئی روز کے بعد حاتم
نے اُکتا کر کہا کہ اے یارو مجھ کو رخصت کرو کہ جس کام کے واسطے آیا ہوں اس کی
سعی کروں۔ اُنہوں نے کہا کہ وہ کیا ہے اور تجھے یہاں کون لایا ہے؟ حاتم نے کہا،
مجھ کو فرقاش بادشاہ کی سرحد سے دیو لائے تھے۔ تمہارے بھائیوں نے تین
مرتبہ مجھ کو آگ میں ڈال دیا، خدائے کریم نے مجھے بچا لیا، اور پھر اُنہوں نے دریا
میں ڈال دیا۔ وہاں گھڑیال نگل گیا۔ جب وہ ہضم نہ کر سکا تب اس نے بھی کنارے
پر آکر اُگل دیا۔ اتنے میں تم سے ملاقات ہوئی، تم اپنی مہربانی سے اپنے گھر لے آئے
اور میری تم نے غور و پرداخت کی۔ یہ سُنکر اُنہوں نے کہا۔ اے جوان خوشرو!
ایسا کیا کام ہے کہ جس کے واسطے تُو نے ایسی مصیبتیں اُٹھائیں اور اتنی جفائیں
سہیں؟ حاتم نے کہا کہ ماہرو پری شاہ سے کچھ کام رکھتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا اے نادان
تو ہمارے سامنے ماہرو پری شاہ کا نام نہ لے۔ کیونکہ ہم اس کے نوکر ہیں۔ اس
نے اپنی سرحد تک اسی صورت سے شہر بہ شہر پر کہاں بٹھائی ہیں اور فرمایا
ہے کہ میرے ملک میں کوئی آدم زاد آنے نہ پائے۔ اگر ماہرو پری شاہ سُنے گا کہ
آدم زاد یہاں آیا ہے تو ہم کو جیتا نہ چھوڑے گا اور تجھ کو بھی مار ڈالے گا ؎

قدغن ہے کہ اس گھر میں کوئی آنے نہ پائے
گر بے خبر آجائے تو پھر جانے نہ پائے

حاتم نے کہا اے یارو! اگر میری جان باقی ہے تو کوئی مار نہیں سکتا ہے اور اپنے واسطے ڈرتے ہو تو مجھے باندھ کر اس کے پاس لے چلو جو خدا چاہے گا کرے گا اُنہوں نے کہا ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس کی پرورش کی ہے اس کے مارنے کے واسطے کیونکر دیں۔ حاتم نے کہا میرے مارے جانے پر تم کوئی سوچ نہ کرو۔ کیونکہ مجھ کو ماہ رو پری شاہ کے پاس جانا ہے۔ خواہ مارے یا چھوڑے۔ اس بات کو سن کر وہ حیران ہوئے اور آپس میں مشورہ کر کے کہنے لگے۔ اب کیا کیجیے۔ اور کس طرح اس کی خبر بادشاہ تک پہنچائیے۔ آخر الامر سب نے صلاح کی کہ بہتر ہے اس کو یہیں رکھیے اور بادشاہ کو اس حال کی عرضی بھیجیے حضور عالی سے جو ارشاد کیجیے۔ اس بات پہ ہر ایک راضی ہوا۔ تب ایک پریزاد کو عرضی دے کر رخصت کیا۔ اور اس میں یہ مضمون لکھا کہ "جہاں پناہ ایک آدمی دریائے قلزم کے کنارے سے ہاتھ آیا ہے۔ اس کو نظر بندوں کی طرح اپنے گھر میں رکھا ہے اگر حکم ہو تو حضور اعلیٰ میں بھجوا دیا جائے غرض وہاں سے عرضی لے کر چلا اور ایک ہی ہفتہ میں درِ دولت پر پہنچا۔ غرض بے گیوں نے خبر پہنچائی کہ خداوند ایک پریزاد دریائے قلزم کے چوکیداروں میں سے اپنے یہاں کی عرضی لایا ہے۔ حکم ہوا کہ حضور میں حاضر کرو۔ وہ آیا اور آداب بجا لایا۔ عرضی حضور میں گذاری۔ ماہرو پری شاہ نے پڑھ کر فرمایا اُسے جلد حاضر کرو۔ کئی دن کے بعد وہ دیو جواب لے کر آیا اور کہنے لگا۔ حکم حضور یوں ہے کہ اس کو درِ دولت پر پہنچاؤ۔ اس سخن کے سنتے ہی وہ پریزاد اپنے ساتھ لے کر چلے۔ اور یہ مشہور ہر ایک سمت کو پھیلا کہ ایک آدم زاد گرفتار ہو کر ماہرو پری شاہ کے حضور میں جاتا ہے۔ یہ سُنکر مینا پری زاد کی بیٹی نے اپنی ہمجولیوں سے مشورہ کیا کہ بادشاہ کے ملک میں ایک آدمی نہایت خوبصورت اور حسین پکڑا ہوا آتا ہے اُسے دیکھنا چاہیئے۔ سبھوں نے کہا اگر دیکھنا منظور ہے تو راہ میں دیکھ لو۔ کیونکہ جب وہ حضور میں پہنچے گا تب اُسے کوئی نہ دیکھ سکے گا۔ اس بات کو سُنکر وہ اپنی ماں کے پاس آئی اور باغ کا بہانہ کر کے رخصت ہوئی۔ اور تھوڑی دُور جا کر اپنی ہمجولیوں سے پوچھنے لگی کہ اس جوان کو کیونکر دیکھیں؟ اُن میں سے ایک نے کہا کہ دریائے قلزم کے چوکیدار فلانے راستہ سے آتے ہیں اگر وہیں چل کر

دیکھو تو اچھا ہے۔ اس بات کو سن کر وہ سب کی سب اُس سمت کو گئیں، تو کیا دیکھتی ہیں کہ ایک مرد نہایت عالی شان کھڑا ہے۔ حُسنا پری نے کہا کہ تو جا کر ان سے پوچھ کہ تم کون ہو اور کہاں سے آتے ہو۔ اس بات کو تحقیق کر کے جلد پھر آ۔ غرض وہ گئی اور پوچھا۔ اُنھوں نے آدم زاد کو دکھایا اور کہا کہ وہ اجل گرفتہ یہی ہے اُس نے دیکھا کہ ایک شخص نوجوان مثل گل خنداں اور حُسن میں مثل ماہ تاباں ژولیدہ مُو نہایت خوبصورت قیدیوں کی صورت میں بیٹھا ہے اور آہیں سرد بھرتا ہے۔ وہ وہاں سے پھر آئی اور حُسنا پری سے اس کے حُسن و خوبی کی تعریف کرنے لگی حُسنا پری یہ سُنکر اس کے دیکھنے کی مشتاق ہوئی اور اپنی پریوں سے کہنے لگی کہ بولو ہم کیونکر دیکھیں؟ اُنھوں نے کہا کہ جب رات ہو جائے گی اور سپاہی سو جاویں گے اُس وقت ہم چوری سے اُڑا لاویں گے اور تمہیں دکھائیں۔ اتنے میں آفتاب غروب ہوا اور رات ہو گئی۔ جب سپاہی سو گئے تب حاتم پر بیہوشی کا دارو چھڑک کر حُسنا پری کے باغ میں اُٹھا کر لے گئیں اور اس سے عرض کی کہ ہم اس آدم زاد کو باغ میں لے آئے ہیں۔ وہ سُنتے ہی باغ کی طرف متوجہ ہوئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک جوان خوش جمال بیہوش پڑا ہے۔ دیکھتے ہی ہزار جان سے عاشق ہوئی اور اس کو ہوشیار کیا۔ حاتم نے جو آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایک عورت پریزاد جمیلہ سرہانے کھڑی ہے۔ بے اختیار ہکا بکا ہو کر کہنے لگا کہ تو کون ہے؟ اور مجھ کو یہاں کون لایا ہے؟ اس نے ناز سے مُنہ پھیر کر یہ شعر پڑھا ؎

یہ گھر کو کہ میرا ہے تیرا نہیں
پر اب گھر یہ تیرا ہے میرا نہیں

حاتم اپنے دل میں حیران ہو کر کہتا تھا کہ پریاں عورتیں ہیں اور وہ لشکر مردوں کا تھا۔ اور میں اُن کی قید میں تھا، اس باغ میں کیونکر آیا۔ آخر گھبرا کر بولا کہ تم سچ کہو کون ہو اور یہاں میں کس طرح آیا! کہا اے جوان! یہ باغ مینا پریزاد نے بنوایا ہے اور میں حُسنا پری اس کی بیٹی ہوں۔ تیرے آنے کی خبر جو تمام شہر میں اُڑی مجھ کو بھی تیرے دیکھنے کی نہایت آرزو ہوئی۔ اس واسطے یہ پریاں تجھ کو وہاں سے اُڑا کر لے آئیں۔ حاتم نے کہا تیرے لانے کا کیا سبب ہے؟ ناحق میرے کام میں خلل

گیا۔ پری نے کہا۔ وہ کون کام ہے مجھے آگاہ کر جس کے واسطے تو ایسا گھبرایا ہے؟ اس نے کہا میں ماہرو پری شاہ کا مہرہ لینے آیا ہوں۔ وہ ہنسی اور کہنے لگی۔ اے جوان! وہ اس کے ہاتھ سے لینا ذرا کام رکھتا ہے اور نہایت مشکل ہے کیونکہ فرشتہ کا بھی جہاں گذر نہ ہو وہاں آدمی کب پہنچے۔ مگر تیری قسمت سے ہاتھ لگے تو لگے بلکہ میں بھی تا مقدور سعی کرونگی۔ حاتم اس بات کو سُنکر خوش ہوا۔ غرض وہ دونوں عیش و عشرت میں مشغول ہوئے اتنے میں وہ لشکر خوابِ غفلت سے بیدار ہوا۔ اور چوکیداروں نے حاتم کو اس جا نہ پایا تو حیران و سرگرداں ہوئے۔ مگر معلوم کیا کہ پری زاد عاشق ہو کر اس کو چُرا کر لے گئی۔ اگر بادشاہ سُنے تو ہماری کھال کھینچے۔ بہتر یہ ہے کہ کسی گوشہ میں چھپ رہیں۔ اور چپکے چپکے تلاش کیا کریں۔ شاید کہیں کھوج ملے تو بادشاہ کے پاس پکڑ لے جائیں یہ کہہ کر سب کے سب بھاگ گئے اور کسی جگہ چُھپ رہے جب رات ہوتی تو باہر نکلتے اور دن پھر چھپے رہتے۔ اسی طرح ایک مُدت گذر گئی۔ ایک دن ماہرو پری شاہ نے کہا کہ اب تک آدم زاد نہیں آیا کیا باعث ہے۔ ایک پری زاد جاوے اور خبر لاوے۔ غرض حسب الحکم ایک پریزاد دوڑا اور ایک پلک مارنے میں اس لشکر کے پاس جا پہنچا اور کہنے لگا بادشاہ منتظر ہے کہ وہ آدم زاد اب تک نہیں پہنچا۔ اس نے کہا مجھے ایک مدت ہوئی کہ میں نے اس کو اپنے لشکر کے ساتھ روانہ کر دیا ہے۔ یہ بات سُنکر پریزاد پھر بادشاہ کے پاس آیا اور مفصّل حال عرض کیا۔ بادشاہ اس خبر کے سُنتے ہی آگ ہو گیا۔ اور ایک سردار کو بلا کر حکم دیا کہ تم اپنی فوج سمیت جا کر اُن حرامزادوں کی تلاش کرو۔ دیکھو تو وہ اس کو کہاں لے گئے۔ غرض وہ اپنے لشکر کو ساتھ لے کر ان کی جستجو کرنے لگا۔ اتنے میں ایک شخص اس لشکر کا بھاگا ہوا ان کے جاسوسوں کو نظر آیا۔ اس کی مشکیں باندھے ہوئے حضور میں لے گئے اور بادشاہ نے ان پر عتاب کیا اور کہا سچ کہو کہ وہ آدمی کہاں ہے اس نے کہا جی کی امان پاؤں تو کہوں اور اس کا حال عرض کروں۔ بادشاہ نے کہا کیا کہتا ہے جلد کہہ نہیں تو جیتا نہ چھوڑونگا وہ ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگا۔ خداوند ہم سب کے سب اس کو بہت احتیاط سے لائے اتفاقاً رات کو غافل سو گئے۔ کوئی اُس کو چُرا کر لے گیا۔ وہ آپ سے نہیں گیا۔ کیونکہ وہ آپ کی ملازمت کا کمال اشتیاق رکھتا

تھا۔ غلاموں کو اس بات کا بڑا افسوس ہے۔ لیکن صبح کو جو ہم نے نہ دیکھا اس واسطے آپ کے خوف سے جابجا چھپ رہے مگر رات کو ڈھونڈا کرتے تھے۔ اس حقیقت کو سن کر ہر طرف اس کی تلاش کو گئے۔ قضارا ایک پریزاد کا گذر مینا پری زاد کے باغ میں ہوا۔ وہاں ایک گوشے میں چھپ رہا۔ اتنے میں حسنا پری حاتم کے گلے میں بانہیں ڈالے اٹھکیلیاں کرتی ہوئی اس کو نظر آئی۔ جاسوس کہنے لگا اے نمک حرام اس آدمی کو بادشاہ نے طلب کیا تھا اور ہم بھاملت لئے جاتے تھے۔ ہم کو غافل پاکر تم اُسے اُٹھا لائی ہو۔ اگر اب بھی اپنی زندگی چاہتی ہے تو ہمارے حوالے کرو کہ اس کو وہ اپنے بادشاہ کے پاس لے جاویں۔ یہ سنتے ہی وہ آگ ہو گئی اور کہنے لگی اے نامحرم جوان مرگ تو میرے باغ میں کیوں آیا ہے اور کس واسطے زبان درازی کرتا ہے۔ کیا کوئی نہیں جو اس شدنی کو مارے۔ یہ سنتے ہی سب پریاں اُس پر دوڑیں۔ وہ مارے ڈر کے اپنے شہر کی طرف بھاگا اور اپنا منہ کالا کر کے بارگاہِ عالی میں فریادی ہوا۔ بادشاہ نے اپنے لوگوں سے کہا کہ دیکھو اس پریزاد کو کس نے دکھ دیا ہے۔ اسے آگے لاؤ۔ جب قریب تخت کے پہنچا ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگا کہ خداوندا میں حسنا پری مینا پری زاد کی بیٹی کے ظلم سے فریاد کرتا ہوں اور اس گروہ میں سے ہوں جو اس آدم زاد کو حضورِ عالی میں لاتا تھا۔ رات کے وقت وہ اپنے باغ میں لے گئی۔ اب اُس سے عیش کرتی ہے۔ اتفاقاً میں ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے میں اُس باغ میں جا نکلا تو اُسی آدم زاد کو دیکھا۔ میں نے شور مچایا کہ اس آدمی کو بادشاہ نے طلب کیا تھا جلد میرے حوالے کرو کہ میں حضور میں پہنچاؤں۔ وہ شراب کے نشہ میں چور ہو رہی تھی، اپنی پریوں سے کہنے لگی کہ اس کو پکڑ کر خوب مارو۔ میں وہاں سے بھاگ کر سایۂ دولت میں آیا یہ سنتے ہی بادشاہ آگ ہو گیا۔ اور بیس ہزار پریزاد کو حکم دیا کہ تم مینا پریزاد سمیت باندھ کر اس آدم کو جلد حضور میں حاضر کرو۔ وہ سب کے سب وہیں دوڑ پڑے اور اس کی حویلی کو گھیر لیا۔ وہ بیچارہ اس بات کی خبر نہ رکھتا تھا متفکر ہو کر حیران رہ گیا کہ اس اعتراض کا سبب کیا ہے اُنہوں نے کہا تیری بیٹی ایک بادشاہی قیدی کو اُٹھا لائی ہے اور اس کے ساتھ اپنے باغ میں عیش کرتی ہے۔ اس واردات کو سن کر وہ ڈر گیا۔ اور

اس کے باغ میں آیا تو دیکھتا ہے کہ حسنا پری اس آدمی کے ساتھ رنگ رلیاں کر رہی ہے۔ یہ حال دیکھتے ہی بدحواس ہو کر ایک تھپڑ مارا اور کہا اے حرامی تو نے کیا قہر کیا کہ ماں باپ کا نام ڈبویا۔ بادشاہ کی فوج تیرے پکڑنے کو آئی ہے۔ خبردار ہو۔ اس بات کے سُنتے ہی ڈری اور تھرتھرانے لگی۔ چہرہ زرد ہو گیا۔ آنسو بھر آئے۔ اتنے میں فوج بادشاہی آپہنچی اور ان سب کو گرفتار کر کے حضور عالی میں لے گئے۔ سردار فوج حضور میں آیا اور عرض کی کہ اے جہاں پناہ مینا پریزاد نے ہر گز حضور میں آنے سے عذر نہ کیا۔ بلکہ اپنی اولاد سمیت ہاتھ باندھے بے تامل چلا آیا۔ بادشاہ نے کہا کہ مینا پریزاد کو حضور میں لے آؤ۔ اس نے آتے ہی عرض کی کہ بندہ اس حال کی مطلق خبر نہ رکھتا تھا اور ہر طرح سے یہ فدوی فرمانبردار ہے۔ بادشاہ نے رحم کھا کر گناہ بخشا جب ان لوگوں نے حاتم کو اس کے سامنے کھڑا کیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ نہایت حسین ہے مہربانی سے بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور کچھ باتیں کر کے کہا کہ اے جوان تو آدم زاد ہو کر میرے شہر میں کیونکر آیا۔ اور ایسا کیا کام رکھتا ہے کہ جس واسطے اتنا رنج اُٹھایا۔ حاتم نے کہا جہاں پناہ میں حضور کی قدمبوسی کے لئے آیا ہوں۔ کیونکہ فرو قاش بادشاہ نے خداوند کے اوصاف حمیدہ یہاں تک بیان کئے کہ ان کے اظہار میں میری زبان قاصر ہے۔ غرض دید ہمایوں کا اشتیاق دل پر غالب آیا ہر طرح سے میں نے آپ کو حضور اقدس میں پہنچایا۔ تب بادشاہ نے کہا اے جوان تجھے معلوم ہے کہ اس زمانہ میں کوئی حکیم انسانوں میں دانا اور فنِ حکمت سے ماہر ہے۔ حاتم نے کہا کہ خداوند نعمت کو حکیم سے کیا کام ہے؟ شاید آپ کے ملک میں حکیم نہیں ملتا۔ بادشاہ نے کہا کہ ہماری قوم کے حکیم سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ ہم نے بہت علاج کر دیکھا ہے۔ مدت سے میرے بیٹے کی آنکھیں دُکھتی ہیں۔ اور اس کے سوا میرے ملک کا کوئی مالک نہیں حیف ہے کہ وہ بھی اندھا ہو گیا۔ اور کسی طرح درد سے فرصت نہیں پاتا۔ حاتم بولا۔ اگر شہزادہ اچھا ہو، اور آنکھیں روشن ہوں اور درد جاتا رہے تو حضور عالی سے مجھے کیا انعام ملے گا۔ بادشاہ نے کہا جو مانگے گا وہی پاوے گا حاتم نے کہا کہ اگر اس بات پر قول و قسم کرو تو میں شہزادہ کی ایسی دوا کروں کہ

اس کی آنکھیں جیسی تھیں ویسی ہی روشن ہو جاویں تو اس وقت منہ مانگا انعام پاؤں
بادشاہ نے کہا میں نے قبول کیا۔ صبح کو وہ مُہرہ اس نے پگڑی سے نکال کر آب دہن سے
گھس کر اس کی آنکھوں کو لگایا۔ شام ہوتے ہی سرخی جاتی رہی درد موقوف ہُوا۔ مگر بینا
نہ ہُوا۔ بادشاہ نے کہا۔ اے جوان ظاہر اس کی آنکھیں آگے سے اچھی ہیں لیکن بصارت
چنداں خوب نہیں ہوئی۔ تب حاتم نے کہا پردۂ ظلمات میں ایک درخت ہے۔ اُس کو
نورنیر کہتے ہیں۔ اگر دو تین قطرے اس کے پانی کے ہاتھ لگیں تو اس کی آنکھیں روشن
ہو جائیں۔ اس بات کو سنتے ہی ماہرو پری شاہ نے کہا۔ پریزادو سچ کہو۔ تم میں سے
کون ایسا ہے کہ جو اس کام کو کرے۔ اُنہوں نے کہا۔ جہاں پناہ اس کی راہ نہایت
پُرخطر ہے۔ اور اس میں نہایت دیو پلید رہتے ہیں۔ وہاں ہم میں سے کوئی نہیں جا سکتا
کیونکہ وہ کافر بڑے زبردست ہیں۔ ہم کو جیتا نہ چھوڑیں گے۔ آگے جو حکم ہو سو کریں۔ اتنے
میں حسنا پری اُٹھی اور ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگی۔ اگر خداوند میرا قصور معاف کریں
اور اس انسان کو مجھے بخشیں تو میں جاؤں اور درخت کا پانی لاؤں۔ بادشاہ نے کہا
کہ تیرا گناہ بخشا اور وہ سرحد تیرے باپ کو دی۔ اور اس آدمی کا وہی مختار ہے
حاتم بولا اے حُسنا پری اگر تو چاہے کہ تمام عمر مجھے اپنے پاس رکھے اور اسیر
ہو کر تیرے باغ حُسن کی سیر کروں تو یہ اُمید نہ رکھ۔ حُسنا پری نے کہا کہ پہلے تو
یہ کام کرلے پھر مختار ہے جدھر چاہنا اُدھر جانا کوئی تیرا مانع نہ ہوگا۔ حاتم نے کہا
اس طور میں نے بدل و جان منظور کیا۔ اب تو جلد جا۔ یہ سُنکر حُسنا پری گئی، پریوں
کو ساتھ لے کر روانہ ہوئی۔ چالیس دن کے بعد ظلمات میں جا پہنچی۔ کیا دیکھتی ہے، کہ
ایک درخت عظیم الشان کہ اس کی پھنگ آسمان تک پہنچی ہے۔ اور اس سے پانی کے
قطرے ٹپکتے ہیں۔ حسنا پری نے ایک شیشہ اس کے نیچے رکھ دیا۔ تھوڑی دیر
میں وہ شیشہ پانی سے بھر گیا۔ تب اس کا مُنہ باندھ کر وہاں سے اُڑی۔ اتنے
میں خلقاشس دیو کا چوکیدار جو ہزار دیو سے اس درخت کا نگہبان تھا
آپہنچا۔ حسنا پری چست و چالاک تھی بھاگی اور اس کے ہاتھ نہ لگی۔ چالیس روز
کے عرصہ میں بحضور اقدس آ پہنچی۔ اور آداب بجالا کر عرض کرنے لگی۔ خداوند آپ
کے اقبال سے یہ لونڈی اس درخت کا پانی لے آئی۔ اور اس کے چوکیداروں کے

بھی ہاتھ نہ لگی۔ یہ کہہ کر شیشہ کو بادشاہ کے آگے رکھ دیا کہ یہ چند قطرے پانی کے حاضر ہیں۔ اول سے آخر تک سب صدمے مفصل ظاہر کئے۔ بادشاہ نے حسنا پری کو نہایت مہربانی سے اپنے گلے سے لگایا اور پانی کا شیشہ حاتم کے حوالے کیا۔ اس نے فی الفور اس مہرہ کو رگڑ کر اس کی آنکھوں میں لگایا اور پٹی سے سات روز باندھ رکھا۔ آٹھویں روز جو اس کی آنکھوں سے پٹی کھولی۔ آنکھیں ایسی دیکھیں کہ جیسے ماں کے پیٹ سے لے کر نکلا۔ جوں ہی شہزادہ نے اپنے باپ کا دیدار دیکھا۔ نہایت خوش ہوا۔ اور حاتم کے پاؤں پر گر پڑا۔ حاتم نے گلے لگایا۔ خدا کا شکر کیا۔ تب ماہرو پری شاہ نے ممنون احسان ہو کر اس کے سامنے اتنا زر و جواہر رکھا کہ جس کا کچھ شمار نہیں کیا جاتا۔ حاتم نے کہا۔ اے بادشاہ غریبوں کی پشت پناہ اس قدر زر و جواہر ہیں تن تنہا کیا کروں گا اور کہاں لے جاؤں گا۔ ہاں اگر تم اپنے پریزادوں کے ساتھ فرد فاشس بادشاہ کے پاس بھجوا دو تو یقین ہے کہ وہ سرحد میں پہنچا دے گا یا میرے ساتھ دیتا۔ تب بادشاہ نے اپنے پریزادوں کو کہا کہ جب یہ جوان اپنے شہر کی طرف روانہ ہو تو اسباب اس کا لے جاؤ۔ پھر حاتم نے عرض کی کہ اے شہنشاہ گیتی پناہ جو کچھ عنایت ہوا ہے سو آپ کا تفضلات ہے۔ لیکن امیدوار اس بات کا ہوں کہ جو دینے کو کہا تھا وہ عنایت ہو۔ بادشاہ نے کہا۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ حاتم نے کہا یہ مہرہ جو آپ کے ہاتھ میں ہے اگر میری آرزو پوری کرنی ہو تو بخشو۔ اس بات کے سنتے ہی بادشاہ نے سر نیچا کر لیا اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ شاید حارث سوداگر کی بیٹی نے مہرہ تجھ سے مانگا ہے۔ اور میں نے تجھ سے اقرار کیا ہے لاچار ہوں۔ یہ کہہ کر وہ مہرہ حاتم کو دیا اور کہا کہ اے جوان جب تو یہ مہرہ اسے دیگا میں اس کے پاس رہنے نہ دوں گا کسی ڈھب سے منگاؤں گا۔ حاتم نے التماس کی کہ جب عاشق کا کام ہو چکے تو پھر آپ مختار ہیں۔ حاتم نے وہ مہرہ لے کر اپنے بازو پر باندھا۔ جتنے گنج اور دفینے زمین میں گڑے ہوئے تھے نظر آنے لگے۔ حاتم نے کہا حارث سوداگر کی بیٹی نے یہ مہرہ اسی غرض سے منگایا ہے۔ القصہ بادشاہ سے رخصت ہوا۔ بادشاہ نے اپنے عیاروں نظر بازوں سے کہا کہ جس وقت حارث سوداگر کی بیٹی کا نکاح ہو چکے تو اس کے ہاتھ سے کسی گھات سے لے آؤ۔ حاتم وہاں سے حسنا پری کے

گھر آیا اور تھوڑے دن عیش و عشرت کرکے رخصت ہوا۔ تب وہ پریزاد زر و جواہر لے کر اس کے ہمراہ ہوئے اور فروقاشس کی سرحد تک پہنچاکر رخصت ہوتے اور دیو جو حاتم کے ساتھ آئے تھے دیکھتے ہی دوڑے اور شاد ہوئے۔ پھر اس مال و متاع سمیت ایک تخت پر بیٹھاکر چند روز میں فروقاش کے پاس لے گئے اور وہ اُٹھ کر بغلگیر ہوا اور بہت سی تواضع کرکے آفرین کی۔ شب کو حاتم وہاں مہمان رہا۔ صبح کو رخصت ہوکر غار کی راہ سے صورت میں آپہنچا۔ دیوؤں کو زر و جواہر بخش کر رخصت کیا پھر آپ حارث سوداگر کی بیٹی کے گھر آیا۔ اور وہ مہرہ اس کے حوالے کیا۔ وہ اس کو دیکھتے ہی بہت خوش ہوئی۔ اور کہنے لگی۔ اے جوان اب میں تیری ہوں جو چاہے سو کر۔ حاتم نے کہا اے ساقی ناز! میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تجھ سے شراب وصال پیوں مگر وہ جوان جو ایک مدت سے اس شراب کا پیاسا ہے اس کو پلاؤں گا تو بھی قبول کر۔ اُس نے کہا میں تیری ہوں تو مختار ہے جو کچھ کہو بجا لاؤں گی۔ حاتم نے اس کے باپ کو بُلوایا اور اُس سوداگر بچے کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا۔ اور اس سے کہا کہ اسے اپنا فرزند سمجھو۔ اس نے اُسی وقت بیاہ کی تیاری کی اور بیٹی کو اس کے ساتھ بیاہ دیا۔ دس دِن کے بعد وہ مہرہ اس کے ہاتھ سے غائب ہوگیا، وہ روتے پیٹنے لگی۔ تب حاتم نے اس کو دلاسا دے کر کہا کہ میں نے تیرے شوہر کو اتنا زر و جواہر دیا ہے کہ وہ سات پشت تک وفا کرے گا۔ اتنا کیوں بلبلاتی ہے۔ غرض اسی طرح کی کئی باتیں کہہ کر وہاں سے رخصت ہوا۔ اور حسن بانو کے سوال کے جواب کی فکر میں چلا۔ کئی دن کے بعد منزلیں طے کرتا اور آفتیں اُٹھاتا ہوا کسی دریا کے کنارے پہنچا۔ وہاں ایک محل بادشاہوں کے لائق اس کی نظر پڑا۔ اور اس کے دروازے پر خط جلی سے لکھا تھا کہ نیکی کر دریا میں ڈال۔ یہ اس نوشتہ کو پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ اور سجدۂ شکر ادا کرکے کہنے لگا، کہ الحمد اللہ رب العالمین اب میں مُراد کو پہنچا۔ قدرے آگے بڑھا۔ بہت سے شخص خواصوں کے طور پر محل سے نکلے اور اندر لے گئے۔ وہاں جاکر کیا دیکھتا ہے کہ ایک سو برس کا بوڑھا مرد نورانی صورت تخت پاکیزہ پر بیٹھا ہے۔ حاتم کو دیکھتے ہی اُٹھا اور گلے لگایا۔ اور طرح طرح کے کھانے منگائے۔ جب حاتم نے کھانے سے فراغت پائی تو پوچھا آپ نے درِ دولت پر کیوں لکھا رکھا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں راہزن تھا راتوں کو مسافروں کا مال

لوٹتا تھا اور تمام دن مزدوری میں کاٹتا تھا۔ آخر دو روٹیاں چپڑ کر شکر ڈال کر دریا میں پھینک دیا کرتا تھا اور کہتا تھا یہ کام خدا کے واسطے کرتا ہوں۔ ایک مدت یوں ہی گذر گئی تو بیمار رہوا۔ قریب ہلاکت کے پہنچا اور ایسا بیہوش ہوا کہ گویا اس حالت میں بدن سے جان نکل گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میرا ہاتھ پکڑ کے دوزخ کو دکھلاتا ہے کہ تیری جگہ یہی ہے۔ قریب تھا کہ مجھ کو دوزخ میں ڈال دے کہ دو فرشتے مرد کی صورت آگے آگئے میرا بازو پکڑ کے کہنے لگے۔ کہ اس کو ہم دوزخ میں نہ جانے دیں گے اور اس کے مقدّر میں دوزخ نہیں ہے بلکہ بہشت میں جائے گا۔ چنانچہ وہ بہشت میں لے گئے ایک بزرگ اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اس کو کیوں لائے ہو۔ ہنوز اس کی عمر کے جو برس باقی ہیں۔ اور اس کا ہمنام ایک اور شخص ہے اس کو لے آؤ۔ یہ سُن کر وہی دونوں جوان مجھ کو پہنچا گئے اور کہنے لگے ہم دونوں وہی دو روٹیاں ہیں جو خدا کے واسطے تو دریا میں ڈالتا تھا اِتنے میں ذرا ہوش آیا اور اُٹھ کھڑا ہوا اور خدا کی درگاہ میں مناجات کرنے لگا کہ الٰہی تو غفور الرحیم ہے اور میں بندہ گنہگار ہوں مجھ کو بخش دے۔ توبہ کرتا ہوں اور تو ہی رزق دینے والا ہے اور ہر حال میں خزانہ غیب سے پہنچائے گا۔ جب صبح ہوئی تو معمول کے موافق دو روٹیاں ڈالنے لگا، کہ یکایک سو دینار پانی سے نکل آئے۔ میں نے ان کو اُٹھایا اور شہر میں ڈنڈھورا پٹوایا کہ اگر کسی کا مال دریا میں گر پڑا ہو تو مجھ سے لے۔ اس بات کا جواب نہ پایا۔ پھر بدستور سابق دریا پر گیا۔ اُسی طرح دینار نکل آئے۔ اُن کو بھی لا کر رکھ چھوڑا۔ اسی طرح دن گذرا اور رات ہوئی تو میں کیا خواب دیکھتا ہوں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ اے بندۂ خدا یہ وہی دو روٹیاں تیری شفیع ہوئی ہیں۔ خدائے کریم نے حکم کیا ہے کہ تجھ کو سو دینار روز ملا کریں تو ان میں سے خدا کی راہ میں خرچ کر اور باقی سے اپنی اوقات کاٹ۔ اِتنے میں آنکھ کھل گئی۔ سجدۂ شکر بجالایا۔ پھر میں نے یہ عمارت بنوائی اور دروازے پر یہ جملہ لکھ دیا۔ اب بھی اسی طرح سو دینار مجھے پہنچتے ہیں مسافروں اور فقیروں کو دیتا ہوں اور کھانا کھلاتا ہوں اور یادِ الٰہی میں مشغول رہتا ہوں۔ اب عُمر کے سو برس باقی ہیں اور اس عمارت کو بنے بھی سو برس ہوئے ہیں۔ اے عزیز جب سے مجھے یقین ہوا ہے کہ خداوند کریم نے مجھے بخشا ہے اور اتنی عمر عطا کی ہے اور رزق بے منّت و بے محنت پہنچایا ہے میں خوش و خرّم رہتا ہوں اور

کسی طرح کا اندیشہ نہیں کرتا، ایسی ہدایت خدا تعالےٰ سب کو نصیب کرے۔ اس بات کو سُن کر حاتم نے اللہ تعالےٰ کی درگاہ میں سجدۂ شکر ادا کیا اور تین روز اس کے پاس رہا، چوتھے دن رخصت ہو کر شاہ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ایک جنگل میں پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک سانپ کالا کسی خوشرنگ سانپ سے ایک درخت کے نیچے لڑ رہا ہے۔ حاتم اس حال کو دیکھ کر للکارا کہ خبردار کیا کرتا ہے۔ وہ اُسے چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ بھاگنے کی تاب نہ رکھتا تھا۔ اسی درخت کے نیچے پڑ گیا اور ادھر وحشت زدہ کے طور پر دیکھنے لگا۔ حاتم نے کہا اے سانپ تو خاطر جمع رکھ، جب تک تو بحال نہ ہوگا تب تک میں یہیں رہوں گا۔ بارے خدا ایک آدھ گھڑی کے بعد وہ توانا ہوا اور درخت پر حاتم کو جھک جھک کر سلام کرنے لگا۔ اس حالت کو دیکھ حاتم متعجب ہوا کہ یہ کیا اسرار ہے اتنے میں سانپ نے کہا تعجب نہ کر میں جن کی قوم سے ہوں اور بادشاہ کا ملازم ہوں۔ ناحق مارا جاتا تھا کہ حق تعالےٰ نے تجھ کو میری حفاظت کے واسطے بھیجا۔ جو اس موذی کے ہاتھ سے چھوٹا۔ حاتم نے کہا خیر معلوم ہوا، اب تو جہاں چاہے وہاں جا۔ کیونکہ میں سرکار ہوں زیادہ یہاں رہ نہیں سکتا۔ سانپ نے کہا۔ اے جوان! دستگیر بیکساں غریب خانہ یہاں سے بہت نزدیک ہے۔ اگر آپ بندہ نوازی کریں اور تشریف لے چلیں تو مین مہربانی ہے۔ غرض حاتم اس کے ساتھ ہو لیا۔ اتنے میں ایک لشکر عالیشان سامنے دکھائی دیا۔ حاتم نے پوچھا یہ لشکر کس کا ہے۔ وہ بولا کہ کسی فقیر کا۔ پھر حاتم کو لئے ہوئے اپنے دولت خانہ میں داخل ہوا اور ایک مرصع تخت پر بٹھایا۔ اور ضیافت کی اور بہت سا نقد و جواہر اس کے سامنے رکھا اور تمام رات ناچ و رنگ کی صحبت رہی۔ حاتم نے کہا نقد و جواہر مجھے درکار نہیں۔ پھر صبح کو شہزادہ کے اس غلام کی گردن ماری اور حاتم وہاں سے رخصت ہو کر شاہ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ غرض ایک برس اور پندرہ دن کے بعد شاہ آباد میں داخل ہوا اور کاروانسرا میں اُترا، اور منیر شامی سے ملا۔ یہ خبر کسی نے حسن بانو کو پہنچائی۔ اُس نے وہیں اس کو بُلایا اور ایک مکان عالیشان پر پردہ ڈال کر آپ بیٹھی اور اُسے بٹھا کر احوال پوچھا۔ کہ اے جوان عالی ہمت بہت دنوں میں تو آیا ہے اور کیا خبر لایا ہے؟ حاتم نے جو ماجرا دیکھا اور جو پیر مرد کی زبانی سُنا تھا بخوبی بیان کیا اور کہا صاحب اُس پیر مرد نے اسی واسطے اپنے دروازے پر یہ عبارت لکھ کر لگا دی ہے۔ حسن بانو اس سخن کو سُنکر

بہت خوش ہوئی۔ اور حاتم کی ہمت پر آفرین کر کے کہنے لگی۔ اے جوان تو ہی تھا جو یہ خبر لایا، نہیں تو کس کا منہ تھا کہ یہ کام کر سکے۔ اس کے بعد چند خوان میوے کے جہاں اُترا تھا وہاں بھجوا دیئے۔ اس نے کھانا منیر شامی کے ساتھ کھایا اور شکر کا سجدہ

یہ تصویر اُسوقت کی ہے کہ حاتم کا نابینا کے پاس جانا اور اس کا اچھا کرنا اور کہنا کہ بدی نہ کر۔

ادا کیا اور کہنے لگا کہ اے منیر شامی تو نہ گھبرا۔ اب تھوڑے ہی دنوں میں خدا کے فضل سے میں تیری معشوقہ سے ملاؤں گا۔ اس کو تسلی دے کر آپ حسن بانو کے پاس گیا اور

کہنے لگا۔ اے حسن بانو اب کونسا سوال رکھتی ہے کہ میں اس کی جستجو میں کمر باندھوں۔ حسن بانو نے کہا کہ تیسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص جنگل میں کھڑا کہتا ہے کہ کسی سے بدی نہ کر گر کرنے کا وہی پائے گا۔ اس کی خبر لا +

تیسرا سوال حاتم کے جانیکا اور اس بات کی خبر لانے کا کہ کسی سے بدی نہ کر اگر کرے گا وہی تیرے آگے آئے گی

غرض اس بات کے سنتے ہی وہاں سے روانہ ہوا۔ اور خدا کو یاد کر کے صحرا بصحرا چل نکلا۔ ایک مہینے کے بعد ایک پہاڑ ایسا دکھائی دیا۔ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تو کچھ نظر نہ آیا۔ مگر اس پر ایک جوان خوشرو مہ لقا ژولیدہ مُو دُبلا پتلا بیماروں کی سی وضع ڈالی کپڑے آنکھیں باندھے کھڑا ہے۔ دم بدم نعرے مارتا ہے اور یہ مصرع پڑھتا ہے۔ مصرع

شتاب آ کہ نہیں تاب اب جدائی کی

حاتم اُسے دیکھ کر حیران ہوا کہ الٰہی یہ کیا بھید ہے۔ آگے بڑھ کر کیا دیکھتا ہے کہ ایک درخت سایہ دار عظیم الشان کے نیچے ایک سل سنگ مرمر کی اُس پر ایک جوان بیٹھا ہے۔ اس سے پوچھا اے جوان اس حالت کو کیوں پہنچا ہے۔ اس کا ماجرا بیان کر۔ وہ آنکھیں بند کئے مراقبہ میں تھا۔ جواب نہ دیا۔ دوبارہ پھر اُسے پکارا کہ تو نے جواب نہیں دیا۔ یہ بات سنتے ہی اس نے آنکھیں کھول دیں اور کہا تو کون ہے۔ حاتم نے کہا کہ سیر کرنے یہاں میں بھی آنکلا ہوں۔ تو اپنا حال بیان کر۔ ایسا ہٹا کٹا ہو کر کیوں روتا ہے اور یہاں کس واسطے آبیٹھا ہے! اس نے کہا اے مسافر تیری طرح بہت سے اشخاص اِس راہ سے گذرتے ہیں اور میرے احوال کے واقف ہونے پر کسی نے میرے درد کا علاج نہ کیا۔ اِس لئے احوال کہنے سے کچھ حاصل نہیں تو اپنی راہ لے۔ کیوں دُکھ دیتا ہے اور مجھے کس واسطے بلا میں ڈالتا ہے۔ حاتم نے کہا جبکہ تُو نے اکثر لوگوں سے کہا تو خدا کے واسطے مجھ سے بھی کہہ کہ میرے دل میں آرزو نہ رہ جاوے۔ اس نے کہا ایک دم میرے پاس بیٹھ جا۔ میں ہوشس

میں آؤں تو اپنا ماجرا سناؤں۔ حاتم اس درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ جوان کہنے لگا کہ اے شخص میں ستم رسیدہ ہوں۔ میرا قافلہ روم کو جاتا تھا اور میں اس کے ساتھ یہاں تک پہنچا۔ صبح کو اس سے جدا ہو کر پہاڑ پر آیا اور قضائے حاجت سے فارغ ہو کر اس کے نیچے بیٹھا۔ یہاں تک ایک پریزاد حسین و مہ جبین کو دیکھ کر فریفتہ ہوا بلکہ ایسا از خود رفتہ و بیہوش ہوا کہ وہ میرے سر کو اپنے زانو پہ رکھ کر گلاب چھڑکنے لگی۔ جب میں ہوش میں آیا اپنے سر کو اس کے زانو پہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بتراجان سے عاشق ہو گیا۔ بہرکیف اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے پوچھا اے نازنین جان بخش تو کون ہے۔ اس جنگل میں کیا کرتی ہے۔ اس نے کہا کہ میں پریزاد ہوں اور یہ پہاڑ میرا مکان ہے۔ تجھ سا آدمی چاہتی تھی سو آج خدا نے ملا دیا ہے۔ یہ دلبری اور دلداری کی باتیں سنکر ایسا دیوانہ ہوا کہ اپنے مال و متاع اور قافلے کی کچھ خبر نہ رہی۔ اسی طرح چند روز الفت رہی۔ یکایک میرے طائر روح کو اس نے اپنی زلف مشکیں کے دام میں گرفتار کیا۔ غرض تین مہینے تک اس سے ہم صحبت رہا۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھا۔ اے اس جنگل میں رہنے سے کیا فائدہ شہر میں چلیں اور آرام سے زندگی بسر کریں۔ اس نے کہا اگر تیرا دل چاہتا ہے تو بہتر ہے۔ میرا گھر یہاں سے بہت نزدیک ہے۔ میں اپنے لوگوں سے ملاقات کر کے رخصت ہو آؤں لیکن خبردار تو میرے آنے تک کہیں نہ جانا۔ میں نے کہا سچ کہو کب آؤ گی؟ اس نے کہا سات دن کے بعد لیکن اگر تو کہیں جائے گا تو پشیمان ہوگا۔ اسی حال میں مجھے سات برس ہوئے کہ وہ عہد شکن نہیں آتی۔ اور میں اس کے وعدہ پر کہیں جا نہیں سکتا مبادا آ جاوے، میں نہ ہوں تو خدا جانے میرے حق میں کیا کر بیٹھے۔ اب میری خوراک درختوں کے پتے ہیں اور پانی اس چشمہ کا۔ کیا کروں زمین سخت ہے اور آسمان دور ہے نہ رہنے کو جگہ ہے نہ چلنے کو پاؤں۔ میرے حسب حال یہ شعر ہے ؎

جدائی تیری کس کو منظور ہے زمیں سخت ہے آسماں دور ہے

یہ حال سنکر حاتم بہت کڑھا اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگا۔ اے عاشق زار اگر اس نے تجھے اپنا نشان اور نام بتلایا ہے تو مجھ سے بیان کر۔ اس نے کہا اتنا تو جانتا ہوں کہ اس کے قبائل کوہ القاپر رہتے ہیں، پر یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں رہتی ہے۔ حاتم نے کہا اے

جوان تجھ سے رخصت ہوئی تھی تو کس طرف کو گئی تھی۔ اس نے کہا کہ میرے سامنے دس بیس قدم داہنی طرف کو چلی تھی۔ پھر نہیں معلوم کس طرف گئی۔ حاتم نے کہا اگر عشق رکھتے ہو تو ہمارے ساتھ کوہ القا پر چلو خدا کے فضل و کرم سے ڈھونڈوں گا۔ جوان نے کہا اگر معشوق یہاں آئے اور مجھے نہ پائے تو یہ جگہ ہوگی اور نہ وہی ہاتھ آئے گی اگر ملاقات ہونی ہے تو یہیں ہوگی نہیں تو اس کے انتظار میں مرجاؤں گا۔ حاتم یہ کلام درد آمیز سُن کر آنسو بھر لایا اور کہنے لگا۔ اے عزیز اگر اس کا نام جانتا ہے تو بتادے۔ اس نے کہا کہ ملکین پری کہتے ہیں۔ حاتم نے کہا اے جوان خاطر جمع رکھ۔ کوہ القا پر جاتا ہوں اور تیری معشوقہ کو تجھ سے ملاتا ہوں یا تجھ کو وہاں لے جاتا ہوں لو اب ملکین کا مکان تحقیق کر کے انہیں پاؤں پھر آتا ہوں۔ وہ بولا۔ اب تک میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو اپنا کام چھوڑے اور دوسرے کے کام پر کمر باندھے۔ کیوں باتیں بناتا ہے اپنے کام سے لگ۔ حاتم نے کہا اے عزیز میں اپنا سر ہتھیلی پر رکھتا ہوں کہ یہ خدا کی راہ میں کسی کے کام آئے۔ جس کو درکار ہو سو لے ؎

جی تلک اپنا میں گنواؤں گا یہ کام اس کا بجا ہی لاؤں گا

میرے کہنے کو راست مانو اور جھوٹ نہ سمجھو۔ غرض اسی ڈھب کی دو چار باتیں کر کے رخصت ہوا، اور جس طرف وہ پری گئی تھی اُس جانب کو روانہ ہوا۔ چلتے چلتے ایک پہاڑ پر جا پہنچا اور اس پر چڑھ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ بہت سے درخت میوہ دار لہلہا رہے ہیں اور کتنے پھولوں سے بھرے جھوم رہے ہیں۔ اور اس سے ایک پاکیزہ جگہ نظر آتی ہے۔ وہاں چار درخت بڑے لگے ہوئے تھے اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ حاتم بخواہش ایک مکان میں گیا جاتے ہی بے اختیار اس کی آنکھ لگ گئی۔ سو رہا۔ شام کے وقت چار پریاں آئیں اور مسند بچھائی۔ اور اس کو دیکھ کر آپس میں کہنے لگیں، یہ کون ہے اور کیونکر آیا ہے۔ اس سے پوچھنا چاہیئے۔ مشورہ کر کے اس کے پاس آئیں اور جگا کر کہنے لگیں اے آدم زاد تو یہاں کیونکر آیا ہے؟ حاتم ان کی آواز سن کر چونک اُٹھا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اور بولا مجھ کو میرا خدا یہاں لایا ہے۔ کوہ القا کی سیر کرنے اور ملکین پری کو دیکھنے جاتا ہوں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ ایک آدمی سے سات روز کا وعدہ کر کے وہاں سے گئی ہے اور سات

برس گذر گئے ہیں کہ وہ بیچارہ ایک درخت کے نیچے اس کی یاد میں بیقراری سے تڑپ رہا ہے اور اُس کی جان لبوں پر آ رہی ہے۔ اس واسطے جاتا ہوں کہ اُس کو سمجھاؤں کہ وعدہ وفا نہ کرنا یہ شیوہ اچھوں کا نہیں ہے۔ اس بات کو سُن کر وہ مسکرائیں اور کہنے لگیں کہ ملکین پری کوہ القا کی شہزادی ہے اس کو ایسی کیا غرض تھی کہ وہ کسی آدمی سے ملنے کا اقرار کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو سودائی ہے جو اس پہاڑ کے دیکھنے اور اُس کے ملنے کا قصد رکھتا ہے۔ اس کے قطع نظر اگر تو وہاں جائے گا تو کب تک جیتا بچے گا۔ حاتم نے کہا۔ خیر جو ہو سو ہو وہاں بے گئے میں نہیں رہتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا اگر ہماری صحبت قبول کرے آج کا رہنا تو غنیمت سمجھے تو کل تجھے کوہ القا کی راہ دکھائیں گے۔ اس نے کہا بہت اچھا کسی طرح یہ کام ہو۔ غرض وہ ان کے گھر مہمان رہا اور رات عیش و عشرت میں بسر کی۔ صبح ہوتے ہی کوہ القا کا راستہ لیا۔ وہ حاتم کے ساتھ ہوئیں۔ سات روز تک دن رات چلتی رہیں۔ آٹھویں روز منزل پر پہنچ کر کہنے لگیں۔ اب آگے ہم نہیں جا سکتیں کیونکہ یہاں سے آگے ہماری سرحد نہیں۔ تجھے چاہیئے کہ سیدھا چلا جا یقین ہے کہ تھوڑے ہی دنوں تک کوہ القا تک پہنچ جاوے گا۔ حاتم اُن سے رخصت ہوا، اور ایک ماہ کی راہ پر جا پہنچا جہاں ایک دوراہ تھا۔ رات کی رات وہیں رہا۔ دو چار گھڑی رات گئے ایک بستی کی طرف سے گریہ وزاری کی آواز اس کے کان میں آئی۔ وہ چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ اس پر دھیان کیا اور جی میں کہنے لگا کہ اے حاتم خدا کی راہ پر کمر باندھے اور گریہ وزاری کی آواز سُن کر تغافل کرے۔ بہتر یہ ہے کہ اپنی راہ چھوڑ اور اس مصیبت زدہ کی خبر لے۔ یہ دھیان کر کے اُٹھا اور تمام رات اِدھر اُدھر ڈھونڈتا رہا صبح ہوتے ہی جہاں سے آواز آتی تھی وہاں پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک جوان سر تا پا برہنہ بے اختیار رو رہا ہے۔ حاتم نے کہا بندۂ خدا کیوں روتا ہے۔ ایسا کون صدمہ پڑا ہے جس نے تجھے ستایا ہے اور اِس بیابان میں اندوہ والم کرتا ہے تو مجھ کو اپنے احوال سے آگاہ کر۔ اس کے یہ کہنے سے وہ جوان اور بھی ڈھاڑیں مار کر رونے لگا اور کہنے لگا کہ میں سپاہی ہوں روزگار کے واسطے اپنے شہر سے نکلا تھا۔ اتفاقاً راہ میں ایک باغ نہایت دلچسپ

روح افزا دکھائی دیا۔ میرے دل میں اس کے سیر کی نہایت رغبت ہوئی۔ اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا، اور دو چار قدم اس کے اندر گیا ہوں گا۔ اِتنے میں پریوں کا غول جھلملاتے ہوئے لباس میں نظر آیا۔ مَیں نے کہا مناسب نہیں کہ کسی کے ناموس کو نظرِ بد سے دیکھے یہ خیال کر کے وہاں سے پھرا کہ عورتوں نے دوڑ کر اپنی بی بی سے خبر کی۔ وہ مسحر جادوگر کی بیٹی تھی۔ اس بات کو سُن کر وہ مسند سے اُٹھی اور مجھ کو ایک مکان آراستہ میں بلوا کر لے گئی اور اپنے پاس بٹھایا اور گرم جوشی کرنے لگی۔ کہ اتنے میں اس کا باپ اس باغ میں داخل ہؤا۔ پہلے تو میرے گھوڑے کو دیکھ کر لوگوں سے پوچھنے لگا کہ یہ گھوڑا کس کا ہے۔ مارے ڈر کے کسی نے جواب نہ دیا۔ آگے بڑھا۔ پھر مجھے اس شمعِ بزمِ حسن کے پاس پروانہ وار دیکھ کر آتشِ غیرت سے جل گیا۔ نزدیک تھا کہ اس کی گردن پکڑ کر زمین پر پٹکے۔ وہ لڑکی روئی اور چلاّئی کہ مَیں بے گناہ ہوں، خدا کے واسطے تقصیر ثابت کرو پھر جو چاہو سو کرنا۔ اِس بات کو سُن کر وہ خوش ہؤا اور ٹھیر گیا۔ اِتنے میں دائی نے کہا۔ اے خداوند! شہزادی ماشاء اللہ جوان ہوئی ہے اور اس شہر میں آپ کی دامادی کے لائق کوئی نظر نہیں آتا۔ یہ مسافر نہایت لیاقت دار کسی بڑے آدمی کا بیٹا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اِس نے مارے شرم کے شہزادی سے اب تک بات نہیں کی۔ بہتر یہ ہے کہ اس کے ساتھ شہزادی کو بیاہ دیں۔ اگر ان دونوں بے گناہوں کو مارو گے تو خلق میں رسوائی ہو گی۔ اور ان کا خون تمہاری گردن پر ہو گا۔ خدا کو کیا جواب دو گے۔ تب اس نے اپنی بیٹی سے پوچھا کہ تیری کیا مرضی ہے؟ اُس نے کہا کہ آج تک میں نے کسی نامحرم کو نہیں دیکھا اور یہ ہی پہلے پہل نظر پڑا۔ اِس واسطے مَیں نے اس کو قبول کیا۔ اُس نے کہا اچھا تجھے مبارک ہو۔ لیکن یہ میرے قول پورے کرے۔ اس بات کو سُنکر مَیں نے کہا کہ جو کچھ آپ فرمائیں بجا لاؤں۔ اس نے کہا پہلے تو ایک جوڑا پریرو جانور کا لا۔ پھر سُرخ سانپ کا مُہرہ لا۔ پھر آپ کو کھولتے گھی کے کڑھاؤ میں ڈال اور سلامت نکال۔ اُس وقت میں اپنی بیٹی تجھے دوں گا۔ اُس کے یہ سوال سُنکر مَیں گھبرایا اور بہانہ سے اس بیابان دشت اثر میں آپڑا اور مارے بھوک اور پیاس کے اتنی طاقت نہیں رہی جو اپنے وطن کو جاؤں نہ یہ قدرت ہے کہ اس کے جواب دے کر معشوقہ سے ملوں۔ دو برس سے بگولے کی طرح چاروں طرف خاک اُڑاتا پھرتا ہوں۔

حاتم نے کہا۔ اے جوان برائے خدا میں یہ شرطیں تیری پوری کر کے تیری معشوقہ کو ملا دوں گا۔ مجھے حق تعالیٰ نے اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ ہر ایک شخص کے بُرے وقت میں کام آؤں پھر سوچا کہ گیدڑ میرے زخم کے واسطے پریرو جانور کا مغز دشتِ ماژندراں سے لایا تھا مجھ کو بھی وہیں جانا پڑے گا۔ یہ سوچ کر منزل بہ منزل چلا اور منزلِ مقصود پر جا نکلا۔ تھوڑی دُور جا کر کیا دیکھتا ہے کہ ایک قلعہ کے نزدیک لکڑیاں جمع کر کے ایک خلقت آگ لگانے کی فکر کر رہی ہے۔ یہ ماجرا دیکھ کر کہا کہ کیا سبب ہے کسی نے کہا کہ ایک جانور بڑا خوفناک کسی طرف سے یہاں آتا ہے اور تین چار آدمی ہمیشہ کھا جاتا ہے۔ اس بات کو سُن کر اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس بلا کو کسی طرح ان غریب لوگوں کے سر سے ٹالے۔ یہ سوچ کر کاروان سرا میں آیا۔ اور اس کے پاس میدان میں بڑا سا گڑھا کھدوایا اور بہت سی سوکھی ہوئی لکڑیوں سے پٹوا کر اس میں جا بیٹھا۔ جب پہر رات گئی تب وہ جانور آیا اور دیکھا کہ پہاڑ سا سامنے سے چلا آتا ہے۔ جب نزدیک آیا تو حاتم نے جانا اسی کا نام دشمن ہے اور پاؤں اور سر ہاتھی کا سا ہے اور ناخن شیر کے سے۔ چنانچہ جو سر ہاتھی کی سی شکل ہے اس میں تو آنکھیں ہیں اگر اس کے بیچ کی آنکھ کسی ضرب سے پھوٹ جائے تو یقین ہے کہ یہاں سے بھاگے۔ اتنے میں وہ مُنہ پھیلائے شہر کی طرف آ پہنچا۔ لوگوں نے دیکھتے ہی قلعہ کے گرد آگ لگا دی اس کا شعلہ ایسا بلند ہوا کہ قلعہ نظر آنے سے باز رہ گیا۔ ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ آواز اس کے سر سے ایسی نکلی کہ تمام خلقت وہاں کی تھرتھرا گئی۔ یکایک وہ اجل گرفتہ حاتم کے پاس آ پہنچا۔ اس نے ایک تیر ایسا تاک کے مارا کہ بیچ کی آنکھ میں پار ہو گیا۔ وہ نیم بسمل خاک پر تڑپنے لگا اور ایسے نعرے مارے کہ تمام جنگل گونج گیا۔ یکایک ایسا بھاگا کہ پیچھے پھر کے نہ دیکھا۔ حاتم اس غار سے نکلا اور باقی رات وہیں کاٹی۔ صبح کو اس بستی کے رہنے والے اس سے پوچھنے لگے کہ اے عزیز تو اس کو دیکھ کر کیوں کر جیتا ہے! اُس نے کہا۔ میرے سر پر خدا کا سایہ تھا اس نے بچا لیا۔ اور اس بلا کا نام دشمن تھا۔ خدا کے فضل سے میں نے مارا، اور وہ تمہارے سر سے دفع ہو گیا۔ اُنہوں نے کہا یہ بات ہم کیونکر باور کریں۔ حاتم بولا۔ آج کی رات تم سب کے سب قلعہ کی چھت پر بیٹھ کر جاگو اگر وہ رات کو آئے تو تم مجھ کو جھوٹا جانیو اور نہیں تو سچا۔ اُنہوں نے اس کے کہنے کے بموجب کیا وہ جانور صبح تک نہ آیا۔ تب وہ سب کے

سب آکر حاتم کے پاؤں پر گر پڑے اور زر و جواہر لاکر نذر کئے۔ اس نے کہا کہ میں تن تنہا مسافر غریب اس زر و جواہر کو لے کر کہاں جاؤں۔ بہتر یہی ہے کہ فقیروں کے حوالے کروں۔ خدا کے نزدیک اکثر سرخرو اور دُنیا میں نیک نام کہلاؤں۔ یہ کہہ کر رخصت ہُوا اور کسی طرف کو چلا۔ اتفاقاً ایک دن راہ میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک سانپ نیولے سے لڑ رہا ہے۔ قریب ہے کہ کوئی نہ کوئی ان میں مارا جائے۔ حاتم نے للکار کر کہا۔ اے حیوانو! تم دونوں میں ایسی کیا دشمنی ہے۔ سانپ نے کہا اس نے میرے باپ کو مارا ہے مَیں اسے ماروں گا نیولا بولا کہ وہ میری خوراک تھا میں نے کھا لیا۔ سانپ سے حاتم نے کہا اپنے باپ کا عوض لینا چاہتا ہے تو خدا کی راہ میں مجھے مار لے کہ اُس کے عوض حاتم اپنا سر نثار کرے۔ نیولا بولا اے جوان مرد ٹھہر ایسی جلدی نہ کر، یہ بات مَیں نے آزمائش کے واسطے کہی تھی آفرین تجھ کو اور تیرے ماں باپ کو۔ یہ کہہ کر وہ دونوں انسان کی صورت ہو گئے۔ حاتم نے کہا اے عزیز یہ کیا سبب ہے کہ تم ابھی حیوان تھے انسان ہو گئے۔ نیولا بولا کہ ہم دونوں قوم جن سے ہیں اور اس کے باپ کو مَیں نے اسو اسطے مارا ہے کہ میں اس کی بیٹی پر عاشق ہوں، اور وہ اس کی شادی میرے ساتھ نہیں کرتا تھا۔ اور یہ اُس کی بیٹی کا بھائی ہے۔ یہ ویسے ہی عیش کرتا ہے۔ اسے بھی ماروں گا۔ حاتم نے کہا، اے جوان اپنی بہن کی شادی اس کے ساتھ کیوں نہیں کرتا؟ اس نے کہا کہ میں اس کی بہن پر عاشق ہوں۔ یہ بھی اگر اس کو میرے ساتھ بیاہ دے تو مَیں بھی بیاہ دوں۔ نیولے نے کہا کہ میرا باپ جیتا ہے وہ راضی نہیں، لاچار ہوں۔ حاتم نے کہا، اپنے باپ کے پاس مجھے لے چل، مَیں اُسے سمجھا بجھا کر راضی کروں گا۔ غرض وہ دونوں اور حاتم روانہ ہوتے۔ تھوڑی دُور جا کر نیولے نے کہا، مَیں اپنے محل میں جاتا ہوں تو شہر میں آ۔ یقین ہے کہ وہاں کے لوگ تجھے پکڑ کے میرے باپ کے پاس لے آئیں گے۔ وہاں جیسی ہو ویسی کیجیو۔ حاتم نے اس کے کہنے پر عمل کیا۔ چنانچہ حاتم کو پکڑ کر ہیوز بادشاہ کے پاس لے گئے۔ اُس نے کہا، اے آدم زاد تو ہمارے شہر میں کیوں آیا تھا؟ وہ بولا کہ میں بندۂ خدا ہوں، تیرے بھلے کو آیا ہوں۔ بادشاہ نے کہا، تو کیونکر جن کی قوم سے نیکی کرے گا؟ حاتم نے کہا، کیا تو اپنے بیٹے کی زندگی سے سیر ہو چکا ہے جو غافل ہے۔ اس بات کے سنتے ہی اس نے کہا۔ اے عزیز کیا کہتا ہے مَیں نے اپنی عمر میں یہی ایک لڑکا پایا ہے

اپنی جان سے بہتر اس کو جانتا ہوں اور عزیز رکھتا ہوں۔ حاتم نے کہا اے دوست! اگر اس کی زندگی چاہتا ہے تو میرا کہنا مان نہیں تو آج کل میں مارا جائیگا۔ اس نے کہا اے دوست یکرنگ رحمت خدا تجھ کو کیا تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ بارے اس بھید کو ظاہر کر۔ وہ بولا کہ تیرے بیٹے نے کسی کے باپ کو مارا ہے۔ اُس کا بیٹا اس کو مارنا چاہتا ہے۔ آج میں نے اس کو جنگل میں لڑتے دیکھا تھا بلکہ قریب تھا کہ اس کی جان جائے۔ میں نے بزور اُس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ لیکن ایک نہ ایک روز مارا ہی جائے گا کیونکہ یہ اُس کی بہن پر عاشق ہے اور وہ اُس کی بہن پر فریفتہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ دونوں کی شادی کر دے۔ آپس میں میل جول ہو جائے گا۔ ہیوز نے حاتم کی یہ بات پسند کی اور اسی وقت اپنی بیٹی کو اس سے بیاہ دیا اور اُس کی بہن اپنے بیٹے سے منسوب کی۔ جب ایک ایک اپنی مراد کو پہنچا۔ تب حاتم ہیوز شاہ سے رخصت ہونے لگا۔ اُس نے کہا اے جوان اس نیکی کے بدلے ہم سے کچھ زر و جواہر لے۔ اس نے کہا عوض لینا میرا کام نہیں ہے۔ اس نے پھر بمنّت کہا کہ اگر میرا مال و متاع نہیں لیتا تو میرا عصا لے کہ اس میں کئی خواص ہیں۔ اگر بچھو کاٹے تو زہر اثر نہ کرے اور نہ سوزش ہو۔ اگر اس کے نیچے سو رہے تو آگ سے نہ جلے۔ اور اگر کوئی جادو کرے تو بھی اس کے رکھنے والے کو اثر نہ کر سکے۔ اور اگر راستہ میں دریا حائل ہو تو اس کو اس میں ڈال دے یہ کشتی کے طور پر جاوے اور بیڑا پار کرے اور ایک مہرہ دیتا ہوں۔ وہ بھی اپنے پاس رکھ۔ اس کے خواص یہ ہیں۔ کہ راہ میں سُرخ یا سفید سانپ ملے تو اس وقت اپنے مُنہ میں رکھ لیجیو اور بے دہشت رہبر ہو ہرگز کسی کا زہر اثر نہ کرے گا۔ حاتم نے دونوں کو لے لیا اور اس سے رخصت ہُوا۔ اور رات دن چلنے کے سوا کچھ کام نہ کیا۔ کئی منزل کے بعد ایک دریائے عظیم دکھائی دیا کہ اس کی لہریں آسمان تک جاتی تھیں۔ متفکر ہو کر چاروں طرف نگاہ کی۔ تو کسی کو آتے نہ دیکھا۔ اتنے میں ہیوز کے عصا کا خواص یاد آیا۔ اُسی وقت دریا میں ڈال دیا۔ وہ کشتی کے طور پر ہو گیا۔ یہ اس پر سوار ہو کر چل نکلا۔ جب منجدھار میں پہنچا تب دریا سے ایک گھڑیال نکلا اور اس کو سات کوس تک نیچے کھینچتا ہُوا لے گیا۔ جب اس کے پاؤں زمین پر لگے اور آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایک گھڑیال فریادی

کی مانند عرض کرتا ہے۔ اے جوان یہ میرا مکان ہے اس کیکڑے نے زبردستی چھین لیا ہے۔ اُمیدوار ہوں کہ تو دلا دے۔ حاتم نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تجھ سے نہایت زبردست ہے۔ تو کمزور گھڑیال بولا یہ ستم رسیدہ کیا کہے تم دیکھو گے تو معلوم کرو گے۔ حق تو یہ ہے کہ اگر پا دے تو اپنے نیش کی مقراض سے پکڑ کر دو ٹکڑے کر ڈالے اسوقت چرائی کو گیا ہے ہوتا تو دیکھتے۔ حاتم اور وہ اسی گفتگو میں تھے کہ وہ آپہنچا۔ حاتم کو دیکھ کر دوڑا، اور وہ حاتم کو اس طرح دکھائی دیا کہ ایک نیش طرف مغرب کے پہنچتا تھا اور دوسرا جانب مغرب کو۔ اتنے میں کیکڑے کی نظر جو گھڑیال پر پڑی۔ ایک ایسا نعرہ مارا کہ وہ بید کی طرح کانپنے لگا اور حاتم آگا پیچھا کرنے لگا کہ الٰہی یہ کیا بلا ہے اس سے کیونکر نجات پاؤں۔ دل میں کہا اور ہیوز کا عصا ہاتھ میں لے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ کیکڑا اس کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اتنے میں حاتم نے باوازِ بلند کہا کہ اے بندۂ خدا کسی کو دُکھ دینا اچھا نہیں۔ بلکہ جو کوئی کسی کو ستاتا ہے اپنے حق میں کانٹے بوتا ہے۔ تو کس واسطے اس غریب کو دُکھ دیتا ہے کیا تیرے رہنے کو جگہ نہیں ہے؟ یہ سُنکر سرطان نے کہا کہ ہم اور وہ دونوں یہاں کے رہنے والے ہیں سمجھ لیں گے۔ آدمی کو کیا دخل جو ہمارے بیچ میں بولے۔ حاتم نے کہا یہ تو سچ کہتا ہے پر جس نے اٹھارہ ہزار خلقت کو پیدا کیا ہے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی میرا بندہ کسی کے ہاتھ سے مٹایا جائے۔ سرطان نے کہا اب تو میں تیرے کہنے سے چھوڑے دیتا ہوں پھر تجھے کہاں پائیگا جو حمایتی بنا کر لائے گا۔ اس کو آخر اسی میں رہنا ہے اور مجھ کو بھی۔ یہ وہی مثل ہے۔ دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر۔ پھر حاتم نے کہا اے کافر معلوم ہوتا ہے کہ تو کسی پر رحم نہیں کرتا نہ خدا سے ڈرتا ہے۔ خیر اب بھی کچھ نہیں گیا۔ اگر زندگی چاہتا ہے تو ایذا دینے سے باز آ نہیں تو ابھی دھجیاں کر کے اُڑا دیتا ہوں۔ اس بات کو سُن کر سرطان ہنسا اور کہنے لگا اس ضد کو میں ہرگز نہیں چھوڑوں گا بلکہ تجھے بھی ماروں گا۔ یہ کہکر چاہتا تھا کہ اپنے نیش سے پکڑ کر دو ٹکڑے کر ڈالے۔ حاتم نے ہیوز بادشاہ کا عصا اس زور سے مارا کہ اسکے دونوں نیش کھیرے کی طرح کٹ کر زمین پر گر پڑے۔ سرطان نے جب دیکھا کہ میرے پاس حربہ نہ رہا۔ اپنی جان لے کر بھاگا۔ گھڑیال اس کے پیچھے دوڑا۔ حاتم نے ڈانٹ کر کہا اے نامرد کہاں جاتا ہے اور اسے کیوں ستاتا ہے۔ اگر اب تو اسے

دُکھ دے گا تو میں تجھے مار ڈالوں گا۔ وہ یہ سُنکر ڈرا اور وہیں ٹھیر گیا۔ حاتم آنکھیں بند کرکے اس بیڑے پر چڑھا اور دریا کے کنارے جا لگا۔ پھر ماژندراں کی طرف روانہ ہُوا۔ اور اس کے قریب جا پہنچا۔ ایک درخت سایہ دار کے نیچے بیٹھ کر سوچنے لگا کہ میں خدا کے فضل سے یہاں تک آیا، مگر اس جانور کے جوڑے کو ڈھونڈیئے کہ وہ کہاں ہے۔ اتنے میں رات ہو گئی اور وہ چرنے گئے تھے وہاں سے پھرے اور درخت کے اوپر بیٹھ گئے۔ آپس میں کہنے لگے کہ آج کی رات آدمی خدا رسیدہ غریب پرور غیر کے واسطے اپنے اوپر اذیتیں اُٹھاتا اور دُکھ سہتا یہاں تک آیا ہے۔ اور ہم نے بزرگوں سے اس کا نام حاتم بن طے سُنا ہے اور خدا کا بندہ خاص ہے مگر ایسا نہ ہو کہ ہماری ملاقات سے محروم جائے۔ یہ بات ٹھیرا کر سب حاتم کے پاؤں پر گر پڑے۔ وہ ہر ایک جانور کی صورت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس واسطے کہ ان کا مُنہ آدمی کا سا تھا اور بدن طاؤس کا سا۔ اگر پری انہیں دیکھے تو فریفتہ ہو جائے۔ اُنھوں نے کہا شاید کوئی شخص مسخر جادوگر کی بیٹی پر عاشق ہُوا ہے۔ جو مسخرا جادوگر نے ہمارا ایک جوڑا طلب کیا ہے۔ حاتم نے کہا یہ تم نے سچ کہا اگر تم اپنے میں سے ایک میرے حوالے کرو اُس نیم جان کو جلاؤں اور مجھے بے داموں مول لو جب تک جیتا رہوں گا احسان مند رہوں گا اور وہ نامراد اپنی مراد کو پہنچے گا تمہیں دعائیں دے گا۔ اس بات کو سن کر اُنھوں نے آپس میں صلاح کی کہ کوئی ایسا ہے کہ ایک جوڑا اپنے بچوں کا خدا کی راہ میں اس جوان کو دیوے کہ کارِ خیر ہے اس سخن کے سُنتے ہی ایک اُن میں سے اُٹھا اور ایک جوڑا اپنے بچوں کا حاتم کو دیا اور کہا کہ تو اس کا مختار ہے جو چاہے سو کر اور جہاں چاہے وہاں لے جا۔ حاتم ان دونوں کو لیکر رخصت ہُوا۔ اور مسخرا جادو کے شہر کی طرف چل نکلا۔ ایک مدت کے بعد منزلیں طے کرتا اور دُکھ سہتا اس جوان کے پاس جا پہنچا۔ وہ نعرہ زناں سر جھکائے بیٹھا تھا اس سے ملاقات کی اور کہا اے جوان خوش ہو کہ مطلب تیرا بر آیا۔ وہ اس جوڑے کو دیکھتے ہی حاتم کے پاؤں پر گر پڑا۔ حاتم نے اُسے گلے لگا لیا اور وہاں کا احوال اور راہ کا سب دُکھ اُس کو سُنایا اور کہا کہ اسی طرح مسخر جادو کے سامنے کہنا کہ یہ جوڑا میں لایا ہوں غرض وہ سپاہی اس جوڑے کو لے کر مسخر جادو کے سامنے آیا۔ وہ اس کو

دیکھ کر بہت خوش ہؤا، اور کہنے لگا کہ یہ کام تیرا نہیں کسی دوسرے نے مدد کی ہے اگر تو لایا ہے تو وہاں کے ہر ایک مکان اور مقام کا نشان دے اور وہاں کی حقیقت بیان کر کہ جس سے دل کی تسلّی ہو۔ جوان نے مفصل حقیقت بیان کی اُس نے کہا تو سچ کہتا ہے یہ سب درست ہے۔ اب جا اور سُرخ سانپ کا مُہرہ لا۔ اس نے کہا کہ ایک مرتبہ اس نازنین مہ جبین کا منہ دکھا کہ مجھے طاقت ہو۔ اس بات کو سُن کر اس نے اپنی بیٹی کا مُنہ دکھایا اور عاشق کو مُنہ دکھانے کے واسطے کھڑکی میں بیٹھی۔ الغرض دید بازی میں وہ دن گذر گیا۔ جوان نے کہا اب میں سُرخ سانپ کا مہرہ لینے جاتا ہوں۔ اگر تو اس سے آگاہ ہے تو کہہ دے کہ وہ کس زمین پر اور کہاں ہے۔ اس نے کہا۔ مَیں نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ وہ کوہ قاف کے دشت سرخ میں ہے۔ جوان معشوقہ سے رخصت ہو کر حاتم کے پاس آیا اور کہنے لگا اے عزیز! اُس نے سُرخ سانپ کا مُہرہ مانگا ہے۔ حاتم نے کہا۔ اس کا کچھ پتہ بھی پوچھ آیا ہے وہ کس طرح کا ہے۔ اُس نے جو سُنا تھا کہہ دیا۔ حاتم بولا کہ اب تو فریاد و فغاں نہ کر میں تیرے کام میں دل و جان سے سعی کرتا ہوں۔ بلکہ ابھی جاتا ہوں۔ خدائے کریم و رحیم سے یقین ہے کہ جلد اپنی مراد کو پہنچے گا۔ یہ کہہ کر رخصت ہوا۔ اور کوہ قاف کی طرف روانہ ہؤا۔ کئی منزلیں گیا تھا کہ ایک دن صبح کو ۸ بجے کے وقت قضائے حاجت گیا دیکھتا ہے کہ ایک بچھو بہت رنگ مرغ کلنگ کے برابر چلا جاتا ہے یہ اس کو دیکھ کر ڈرا، اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ اے خدا تو جانتا ہے کہ مَیں نے اپنی عمر میں ایسا بچھو نہیں دیکھا اور یہ سوچ کر کسی کونے میں چھپ رہا۔ یہ تمام دن اس کی جستجو میں رہا اور بار بار کہتا تھا کہ دیکھنا چاہیئے کہ شب کو یہ کیا کرتا ہے۔ اس جنگل کے اِدھر اُدھر گاؤں آباد تھے۔ وہاں کے لوگوں نے جو اس مسافر کو دیکھا آب و دانہ سے تواضع کی۔ حاتم نے کھانا کھایا اور پانی پیا۔ اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہؤا۔ اتفاقاً میدان میں بہت سی گائیں جمع ہوئیں اور ان کے پاس تین تین چار چار نگہبان سوئے تھے۔ کچھ رات گئی وہ بچھو پتھر کے نیچے سے نکلا اور گاؤں کی طرف گیا۔ اُچھل کر ایک گائے کے سر پر ایسا ڈنک مارا کہ وہ تڑپ کر مر گئی۔ غرض اسی طرح سب کو مار ڈالا۔ پھر گھوڑوں کے گلہ میں آیا۔ اُن کا بھی نگہبان سمیت کام تمام

کیا۔ پھر اسی پتھر کے نیچے چھپ رہا۔ جب صبح ہوئی اس گاؤں کے رہنے والے جو اس جنگل میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ دونوں نگہبانوں سمیت مرے پڑے ہیں اور ہر ایک کے پیٹ سے نیلا پانی بہہ رہا ہے۔ تب لوگوں نے اس سے کہا تو کیونکر جیتا رہا۔ حاتم نے کہا میں نے ایسا تماشہ دیکھا ہے کہ کبھی نہیں دیکھا۔ چنانچہ ایک بچھو سات رنگ کا مرغ کے برابر پیدا ہوا، اس نے یہ کام کیا۔ اتنے میں وہ پھر اس پتھر کے نیچے سے نکلا اور ان کے سردار کے سر پر ڈنک مارا وہ تڑپنے لگا۔ بچھو نے جنگل کی راہ لی۔ یہ دیکھ کر لوگ رونے پیٹنے لگے اور حاتم ان کے پیچھے ہو لیا۔ تھوڑی دور چلا تھا کہ ایک شہر نظر آیا۔ بچھو وہاں لوٹ پوٹ کر کالا سانپ بن گیا۔ حاتم اور بھی حیران ہوا، اور اپنے جی میں کہنے لگا الٰہی یہ بچھو تھا سانپ کیونکر بن گیا اور بل میں کس طرح جا بیٹھا۔ جب پہر رات گئی تب وہ سانپ بل میں سے نکل کر شہر کی طرف چلا۔ حاتم بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ وہ محل بادشاہی میں بدرو کی طرف سے گھس گیا۔ اور بادشاہ کو ڈس کر وزیر کی حویلی میں اس کے بیٹے کو کاٹ کر نکلا اور اسی سوراخ میں جا بیٹھا۔ صبح کو شہر میں شور و غل مچ گیا کہ رات کے وقت بادشاہ کو سانپ نے کاٹا اور وزیر کے بیٹے کو ڈسا۔ ہزار حیف کہ سب کی جانیں مفت گئیں۔ اتنے میں شام ہو گئی۔ سانپ بل سے نکلا اور کسی طرف کو راہی ہوا۔ حاتم بھی آنکھ بچائے ہوئے اس کے ساتھ چلا۔ اپنے جی میں کہنے لگا دیکھئے اب کیا کرتا ہے اور کہاں کہاں جاتا ہے۔ غرض صبح کو ایک دریا کے کنارے جا پہنچا وہاں شیر کی صورت ہو گیا۔ اتنے میں دس بارہ آدمی پانی پینے آئے۔ ان میں ایک لڑکا چودہ برس کا نہایت حسین تھا اس پر جا پڑا۔ اور ان میں سے اس کو اٹھا کر ایک گوشہ میں لے گیا وہاں اس کا پیٹ پھاڑ ڈالا اور دل و جگر کو پرزے پرزے کر ڈالا اور جنگل کی طرف راہی ہوا۔ حاتم بھی ساتھ چلا۔ تھوڑی دور جا کر ایک نازنین کی صورت بن کر سر راہ بیٹھا۔ حاتم حیران ہوا اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ خدا جانے یہ کیا بھید ہے۔ اتنے میں دو سپاہی اپنے شہر سے روزگار کے لئے نکلے تھے اور ایک مدت نوکری کر کے کچھ کماتے ہوئے اپنے گھر کی طرف چلے جاتے تھے اتفاقاً اس راہ سے نکلے اور اس درخت کے نیچے پہنچے۔ وہ عورت رونے لگی۔ اس کے رونے کی آواز

بڑا بھائی پاس آ کر کیا دیکھتا ہے کہ ایک عورت حسین اور خوبصورت بیٹھی رو رہی ہے۔ وہ آپ بھی آنسو بھر لایا اور پوچھنے لگا۔ اے نازنین تو کون ہے۔ اُس نے کہا کہ میں فلانے شخص کی جورو ہوں۔ وہ مجھے میرے میکے سے لئے جاتا تھا اتنے میں شیر جنگل سے نکلا اور اس کو نگل گیا۔ میں تن تنہا بیٹھی رہی۔ نہ اپنے باپ کے گھر کا راستہ جانتی ہوں اور نہ سسرال کی راہ پہچانتی ہوں۔ حیران ہوں کہ کیا کروں۔ یہ عمر رنڈاپے میں کیسے کٹے گی۔ اس نے کہا اگر تو کسی کے پاس رہنا قبول کرے تو میں رکھتا ہوں عورت نے کہا تین شرطوں پر، ایک یہ کہ تیرے گھر میں تیری عورت نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ مجھ سے محنت و خدمت نہ ہو سکے گی۔ تیسرے یہ جب تک جیوں ایذا نہ دینا۔ اس نے کہا میں بھی ایک مردِ مجرد ہوں۔ جب تک جیتا رہوں گا تیرے سوا دوسری عورت نہ کرونگا سوا اس کے میرے گھر لونڈیاں ہیں، تجھے تکلیف نہ ہوگی۔ اور کسی نے آج تک اپنی معشوقہ کو ستایا ہے۔ اس نے کہا میں اس بات پر جان و دل سے راضی ہوں۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور آگے چلا۔ حاتم بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ تھوڑی دور جا کر عورت نے جوان سے کہا کہ میں تین دن سے بھوکی پیاسی ہوں۔ مارے ضعف کے جی سنسناتا ہے اگر کھانے کی چیز ہاتھ نہ لگے تو پانی ضرور لانا چاہیئے۔ یہ سُنکر اس نے عورت کو درخت کے نیچے بٹھا کر اپنے چھوٹے بھائی سے کہا کہ بھیا تو اس سے خبردار ہو میں کہیں سے پانی لے آؤں۔ یہ کہہ کر اس نے چھاگل کاندھے پر رکھی اور پانی لینے گیا ایک دم کے بعد اس عورت نے اس کے بھائی سے کہا۔ میں نے تیرے واسطے اس کے ساتھ رہنا قبول کیا ہے کہ تیری صورت دیکھتے ہی میرا دل اختیار میں نہ رہا۔ نہیں تو ایسے بوڑھے کو میں کیوں قبول کرتی۔ اب تجھے لازم ہے کہ اپنی خدمت میں رکھ۔ اس نے کہا کہ تم ہماری بہن کی جگہ ہو ہم سے یہ کام نہ ہوگا۔ پھر وہ کہنے لگی۔ اے جوان اگرچہ میں اس کی جورو ہوئی ہوں پر تیری محبت میں رہوں گی اور تجھے ہی دیکھا کروں گی۔ اس نے کہا۔ یہ ممکن نہیں اس خیال فاسد کو دل سے دُور کرو۔ اور اس بات کو سُنکر جان گئی اور کہنے لگی۔ اب تجھ پر تہمت لگا کر تیرے بھائی سے کہوں گی کہ یہ مجھ پر دست درازی کرتا ہے اور مجھے لے کر بھاگنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے کہا بہت بہتر جو چاہے سو کر میں تیری بات ہرگز نہ سنوں گا۔ یہ اسی گفتگو میں تھے اور

حاتم بھی ایک کونے میں کھڑا ہوا ان کی باتیں سُنتا تھا۔ اتنے میں بڑا بھائی جنگل سے آیا۔ اس عورت نے دیکھتے ہی سر کے بال کھسوٹے اور نوچے اور سر پر خاک ڈال کر چلّانے لگی۔ اس نے نزدیک آکر پوچھا کہ بی بی میں تو پانی لینے گیا تھا مجھ کو نہ کسی شیر نے کھایا نہ درندے نے پھاڑا ہے۔ میرے واسطے اس قدر کیوں حال تباہ کرتی ہے اس کا کیا سبب ہے وہ بولی میاں رحمت خدا کی تجھ پر اور تیرے بھائی پر۔ ارے کمبخت کوئی بھی اپنی عورت ایسے بدکار کے پاس چھوڑ کر جاتا ہے۔ فقط خدائے کریم نے میری شرم رکھی۔ تُو جوں ہی گیا وہیں اس کمبخت ناشدنی نے میرا ہاتھ کھینچنا چاہتا تھا کہ میرا ستر دیکھے اور خراب کرے۔ میں کھینچتی اور چھڑاتی تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ اب رہائی نہیں تو بے اختیار رونے لگی اور فریاد کرنے لگی۔ لیکن کوئی میری داد کو نہ پہنچا۔ یہ کہتا تھا کہ تو مجھے قبول کر کیا میں تیرے لائق نہیں۔ میں تجھ پر عاشق ہوں۔ اگر قابو پاؤں گا تو بڑے بھائی کے ٹھکانے لگاؤں گا۔ اس بات کو سُن کر وہ کہنے لگا۔ اے نامراد آجتک کسی نے اپنی بہن سے ایسا کام کیا ہے جو تو کرنا چاہتا ہے۔ اس نے ہر چند قسمیں کھائیں مگر اس نے بھائی کا کہنا ہرگز نہ مانا اور باور نہ کیا بلکہ گالی گلوچ پر آگیا۔ آخرکار ایک تلوار اس کے سر پر ایسی ماری کہ وہ سینے تک پہنچی۔ اور چھوٹے بھائی نے بھی ایک خنجر ایسا مارا کہ اس کی ناف تک چیر گیا۔ دونوں زخمی ہو کر گر پڑے اور جان بحق تسلیم ہو گئے۔ وہ عورت بھیس ہو کر آگے بڑھی۔ حاتم بھی اس کے پیچھے ہو گیا۔ وہ ایک گاؤں کے قریب پہنچی اور یہ بھی ساتھ ہی ساتھ چلا گیا۔ اس گاؤں کے رہنے والے اس کو دیکھ کر بے اختیار دوڑے۔ اور اُنہوں نے چاہا کہ اس کو پکڑ کر لے جائیں۔ اس لالچ پر اس کے نزدیک آئے۔ اس نے کتنوں کو لاتوں سے مار ڈالا اور پھر جنگل میں ایک پیر مرد کی صورت بن گئی۔ تب حاتم نے دل میں کہا کہ اب اس ماجرے کو اس سے پوچھنا چاہیئے کہ یہ کیا سبب ہے۔ پیر مرد جلد دوڑا اور پکار کر کہنے لگا۔ اے حاتم! خوش تو ہے کیا کہتا ہے۔ حاتم نے کہا۔ آپ میرے نام سے کیونکر واقف ہوئے اُس نے کہا تیرے نام پر کیا موقوف میں تیرے باپ کا نام جانتا ہوں۔ تجھے اس بات سے کیا جو پوچھنا چاہتا ہے پوچھ، مجھے اس وقت فرصت نہیں۔ ایک ضروری کام درپیش ہے۔ آخر حاتم نے جس صورت سے دیکھا تھا اس شکل کا حال پوچھا۔ وہ اس بات کو سُنکر ہنسا اور کہنے لگا کہ تجھ کو اس کے سُننے سے کیا ایکدن تجھے بھی اسی صورت سے کھاؤں گا۔ حاتم

نے کہا جب تک تو بھید مفصل نہ کہے گا تب تک نہ چھوڑوں گا۔ پھر پیر مرد نے ناچار ہوکر کہا کہ میرا نام ملک الموت ہے۔ جس جس صورت سے حکم ہوتا ہے اُس اُس شکل سے میں ایک ایک کی جان قبض کرتا ہوں۔ اِس سخن کو سُنکر حاتم خوش ہُوا اور کہنے لگا کہ میری اجل کب ہے اور کس طرح سے آئے گی؟ اُس نے کہا ابھی تو تیری آدھی عمر بھی نہیں گذری جب تو پچاس برس کا ہوگا تب ایک بڑ آمدے سے گر پڑے گا اور تیری ناک سے لہو جاری ہوگا کہ تو مر جاویگا۔ یہ سُنکر حاتم نے کہا کہ شکر ہے اور سجدہ سے سر اُٹھا کر جو دیکھا تو وہ پیر مرد نظر نہ آیا۔ اور اس نے دشت سرخ کا رستہ لیا۔ ایک مدت کے بعد زمین سیاہ میں جا پہنچا۔ وہاں سانپ بچھو آدمی کی بُو پاکر چاروں طرف سے دوڑے۔ وہ ہیوز کا عصا گاڑ کر اس کے نیچے بیٹھ گیا۔ سانپوں نے اس کے گرد حلقہ کر لیا اور ساری رات یہی صورت رہی صبح ہوتے ہی وہ سب جہاں سے آئے تھے وہاں چلے گئے۔ حاتم بھی آگے بڑھا۔ زمین سفید پر جانے کا بھی ایسا ہی حادثہ ہُوا۔ صبح کو پھر روانہ ہُوا۔ زمین سُرخ پر جا پہنچا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ زمین شنگرف سے بھی زیادہ سرخ ہے یہ کئی قدم چلا آیا تھا کہ طاقت چلنے کی نہ رہی۔ جی میں سوچا آگے کیونکر جاؤں پیاس کے مارے جاں بلب ہوں۔ آگے بڑھنے کی طاقت نہیں۔ ہر طرح مرتا ہوں۔ خدا کی راہ میں غیر کے واسطے مارے جانے سے کوئی بات اچھی نہیں۔ یہ کہہ کر آگے بڑھا۔ شاید دو تین کوس گیا ہوگا کہ اس کے آگے سے پاؤں میں پھپھولے پڑ گئے اور جی ڈوب گیا۔ اتنے میں ایک پیر مرد پیدا ہُوا اور اس کو اُٹھا کر کہنے لگا، اے حاتم یہ وقت ہمت ہارنے کا نہیں۔ دل کو ڈھارس دے اور وہ جو تجھے خرس کی بیٹی نے دیا ہے اپنی کمر سے نکال کر مُنہ میں ڈال لے۔ حاتم نے وہ مُہرہ اپنی کمر سے کھولا اور مُنہ میں ڈال لیا۔ زمین کی گرمی اور پیاس کی شدت گھڑی بھر میں دُور ہوگئی۔ حاتم اس پیر مرد کے پاؤں پر گر پڑا، اور کہنے لگا کہ اس گرمی کا کیا سبب ہے؟ اس نے کہا یہ گرمی سرخ سانپ کے زہر کی ہے اور اس زمین سے اس کے مُنہ کی آگ نکلتی ہے۔ اس سبب سے اس زمین کا رنگ لال ہے نہیں تو آگے سبز تھی۔ اس بات کو سُنکر حاتم آگے بڑھا۔ اور مُہرہ کی تاثیر سے گرمی سے محفوظ رہا۔ غرض آدھی دُور پہنچا تھا کہ سُرخ سانپ نے حاتم کی بُو پاکر پھنکار اس زور سے ماری کہ منہ کا شعلہ آسمان تک پہنچا اور اس کا پھن چٹان

کے برابر قد تاڑ کے مانند تھا۔ اور آگ کے شعلے اس کے نتھنوں سے بھی بادِ سموم کی صورت نکلتے تھے اور کوسوں تک تر و خشک کو جلا دیتے تھے۔ حاتم بیقرار ہو کر کہنے لگا کہ آگ سے ہڈی پسلی جل کر خاک سیاہ ہو جائے گی۔ لیکن اس مہرے کے باعث تھوڑا ٹھنڈا پانی اس کے حلق میں جاتا ہے۔ اس سبب سے جیتا رہا۔ آخر سانپ کی نظر حاتم کی نظر سے ملی۔ بے تحاشا پھن پھیلا کر لپکا اور شعلہ منہ سے چھوٹنے لگا۔ ہیوز کے عصا کے باعث زہر کا اثر ہرگز نہ ہوا۔ حاتم محفوظ رہا۔ اسی حیص وبیص میں رات گذری۔ صبح کے وقت مُہرہ سرخ سانپ کے لبوں تک جا پہنچا۔ حاتم نے دیکھا ایک غلیلہ سانپ کے لبوں پر چمک رہا ہے۔ اس نے جو نیزہ کو ہلا دیا۔ وہ اپنا مُنہ سر پیٹنے لگا ادھر آفتاب نکلا ادھر مُہرہ اُگلا۔ اپنی بانبی کو چلا گیا۔ حاتم مہرہ کے نزدیک آیا لیکن اُٹھانے میں ڈرا اور جی میں کہنے لگا کہ مبادا گرم ہو اور ہاتھ جل جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنی پگڑی سے چیتھڑا پھاڑ کر اس پر ڈال دیا وہ ذرا نہ جلا تب ہاتھ بڑھا کر اُٹھا لیا اور مُہرہ کو پگڑی میں باندھ لیا۔ گرمی جاتی رہی اور اس جنگل کی ساری جگہ سرد ہو گئی۔ اب وہاں سے روانہ ہوا۔ غرض اس مُہرہ کی پیدائش یوں ہوتی ہے۔ جب کوئی اس کو لے جائے تب تین برس کے بعد دوسرا پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کی ایک ہزار خاصیتیں ہیں کوئی کہاں تک بیان کرے۔ القصہ حاتم ایک مُدّت کے بعد اس جوان کے پاس آ پہنچا اور وہ مُہرہ اُسے دیکر تمام حال سُنایا جوان حاتم کے پاؤں پر گر پڑا۔ حاتم نے اُسے گلے لگا لیا اور کہا اب تو جا اور مہرہ کو مسخر جادو کے حوالے کر۔ وہ مُہرہ لے کر مسخر جادو کے پاس آیا اور ملاقات کر کے وہ مُہرہ اس کے آگے دھر دیا کہ صاحب میں اس کو بڑی مشقّت سے لایا ہوں۔ اس نے کہا اس کی پہلے آزمائش کروں تب تیری بات پر اعتماد کروں۔ اس نے کہا بہت اچھا مضائقہ نہیں۔ مسخر جادو نے اس کو ہر طرح سے آزمایا جب وہ مُہرہ تحقیق ہوا تو اُسے ظاہر میں خوشی ہوئی اور باطن میں شرمندگی کھینچی اور یہ بات کہی اے جوانمرد! اب ایک شرط باقی ہے اس کو بھی ادا کر۔ اس نے کہا، بہت اچھا۔ آخرکار مسخر جادو اپنے لوگوں کو بلوا کر کہنے لگا ایک لوہے کا کڑھاؤ گھی سے بھر کر چولھے پر دھراؤ اور سات رات دن اس کے نیچے آنچ کرو تاکہ خوب کڑ کڑا ئے۔ اُنہوں

نے اس کے کہنے کے موافق کیا۔ وہ کڑھاؤ ایسا کھولا کہ اگر اس میں پتھر بھی گرے تو جل کر خاکستر ہو جائے۔ تب اس جوان سے کہا کہ اب تو اس میں کود۔ اگر تو سلامت نکلے گا تو اپنی معشوقہ پاوے گا۔ جوان ڈرا اور حاتم سے کہنے لگا کہ اس میں سے جیتا نہ بچوں گا۔ حاتم نے دلاسا دیکر کہا کہ غم نہ کھاؤ۔ خدا کو یاد کر اللہ یہ بھی مشکل آسان کریگا یہ کہہ کر وہ مُہرہ جو خرس کی بیٹی نے دیا ہوا تھا اپنی پگڑی سے کھول کر اس کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا کہ اس کو اپنے منہ میں رکھ اور بے کھٹکے اس جلتے کڑھاؤ میں کود پڑ اور غوطہ مار کر نکل آ۔ خدا کے فضل سے تیرا ایک رونگٹا بھی نہ جلے گا۔ جوان نے اس مُہرہ کو اپنے منہ میں ڈال کر مسخر جادو سے کہنے لگا کہ اب کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا کہ اس کڑھاؤ میں کود پڑ۔ جوان اس کے پاس گیا۔ دیکھتے ہی کانپنے لگا۔ حاتم نے للکار کر کہا اے جوان اندیشہ نہ کر غم نہ کھا۔ یہ آتش عشق ہے خدا کو یاد کر۔ جوان آواز سنتے ہی آنکھیں بند کر کے کُود پڑا اور ایک غوطہ مارا، اور اس کھولتے گھی کو ٹھنڈا پانی سا پایا۔ تب اِدھر اُدھر کڑھاؤ کے اندر پھرنے لگا اور بدن پر گھی ملنے لگا۔ بلکہ ہنس ہنس کے کہنے لگا کہ اب کیا ہے یا دو گھڑی اور بھی اس میں رہوں۔ مسخر جادو نے جو دیکھا کہ جوان اس میں نہ جلا اور تندرست رہا۔ شرمندہ ہو کر سر جھکایا۔ اس وقت حاتم نے کہا اب حجاب کیوں کرتا ہے اپنا وعدہ وفا کر کیونکہ جو تو نے کہا اس بیچارے نے قبول کیا اور اگر اب تو جادو کرنے کی فکر میں ہے تو ہرگز تیرا جادو اثر نہ کرے گا۔ یہ ایک اور بھی سُرخ مُہرہ رکھتا ہے۔ اس بات کو سُنکر وہ شرمندہ ہوا، اور اس جوان کو گلے سے لگا لیا پھر شادی کا سامان کیا اور اپنی بیٹی کو بیاہ دیا اور جوان سے معذرت کی کہ یہ ملک و مال سب تیرا ہے۔ تیرے سوا میں کوئی لڑکا بالا نہیں رکھتا۔ تو ہی میرا فرزند ہے۔ حاصل کلام وہ دونوں عاشق و معشوق آپس میں ملے۔ تب حاتم رخصت ہوا۔ جوان پاؤں پر گر پڑا، اور دعائیں دینے لگا۔ حاتم نے اپنا مُہرہ اس سے لے لیا اور کوہ القا کا رستہ لیا۔ کئی دن رات چلا گیا۔ آخر ایک دن کوہ القا کے پاس جا پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک پہاڑ آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ پرندے کی طاقت نہیں کہ وہاں جا سکے اور چرندے کی قدرت نہیں جو نظر کر سکے۔ حاتم اس اندیشہ میں اس کے نیچے بیٹھ گیا کہ اگر یہاں کے رہنے والے کو دیکھوں تو پوچھوں اس کی راہ کدھر سے ہے۔ اسی فکر میں تھا کہ ایک گروہ

پریزادوں کا نظر آیا۔ اس کے پیچھے دوڑا مگر نہ پایا۔ وہ غول اسکی نظر سے غائب ہو گیا۔ اتنے میں ایک بڑا سا غار دکھائی دیا اور ایک پتھر چکنا صاف اس کے کنارے پر لگا ہوا دیکھا۔ حاتم نے اپنے جی میں خیال کیا کہ یہ غار کسی طرف راہ نہیں رکھتا۔ اس میں کیونکر جائیے۔ آخر یہ تدبیر سوجھی کہ اس پتھر پر پھسلتے چلئے جو خدا چاہے سو کرے آخر یونہی عمل میں آیا اور صبح سے شام تک لوٹتا چلا گیا۔ جب اس کے پاؤں تہ پر پہنچے۔ آنکھیں کھول کر کیا دیکھتا ہے۔ ایک میدان نہایت وسیع اور پر فضا ہے۔ دیکھتے ہی اس کا دل کھل گیا تھوڑی ہی دور چلا پھر جی میں دھیان کرنے لگا کہ وہ پریزاد کدھر گئے اور اس جنگل کے کسی طرف آبادی ہے یا نہیں۔ یہ سوچ کر دو چار قدم آگے بڑھا۔ ایک عمارت عالیشان اور دلچسپ نظر آئی۔ گمان کیا کہ اس میں البتہ لوگ رہتے ہونگے چلنا چاہیئے۔ اس اثنا میں کئی پریزادوں نے دیکھا کہ ایک آدمی غیر جنس بیدھڑک چلا آتا ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر بے اختیار دوڑے اور حاتم کے پاس آکر کہنے لگے کہ اے آدم زاد یہ مکان تیرے رہنے کے لائق نہیں۔ یہاں تو کیونکر آیا اور تجھے کون لایا ہے۔ وہ بولا کہ خدا ہادی اور رہنما لے آیا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ غار کی راہ کیونکر دیکھی۔ اس نے کہا میں دُور سے تمہیں دیکھ کر دوڑا تم آگے جا کر ایک ساعت کے بعد آنکھوں سے غائب ہو گئے۔ میں فکر کرنے لگا کہ الٰہی یہ سب یہاں سے کہاں گئے اور کیا ہوئے۔ بارے خدا کے فضل سے جس طرف تم گئے تھے میں اسی طرف چلا۔ اتنے میں ایک غار تاریک دکھائی دیا۔ اس کو دیکھ کر حیران ہوا، اور جی میں کہنے لگا کہ اس میں کیونکر جاؤں کہ یکایک خیال آگیا کہ اس پتھر پر لیٹ کر پھسل پڑوں اور کسی طرح اندر پہنچوں غرض وہ ہی کیا اور تمہاری تلاش میں یہاں تک آپہنچا۔ پر اب خدا کے واسطے بتاؤ کہ اس پہاڑ کا کیا نام ہے۔ اور یہ باغ کس کا ہے وہ بولے کہ اس پہاڑ کا نام کوہ القا ہے۔ باغ الکن پری کا ہے۔ ہم سب اس کے نگہبان ہیں۔ اب موسم بہار نزدیک آیا ہے اس واسطے اس کی خبر لینے آئے تھے۔ اغلب ہے کہ پرسوں تک سبز کو وہ بھی تشریف لائے۔ اے جوان تجھے اس باغ میں کیونکر رہنے دیں کہ تو مارا جائے گا۔ تیری جوانی پر ہم کو رحم آتا ہے حاتم نے کہا میں کوئی ٹھکانا نہیں رکھتا کہاں جاؤں۔ میرے نصیبوں میں یاوری ہے کہ اس کے واسطے اتنی محنت کھینچ کر آیا ہوں۔ وہ اتنا جلد آیا چاہتی ہے۔ اب جو ہونی ہو سو ہو۔ یہ بات

سُن کر اُنھوں نے پوچھا کہ تو اُس کے ملنے کی آرزو رکھتا ہے۔ حاتم نے کہا پری کا طالب انسان اور انسان کی طالب پری ہے۔ اس بات کے سنتے ہی وہ وحشی ہوئیں اور غصہ سے اس کی طرف دوڑیں۔ وہ سر جھکا کر چپکا کھڑا رہا۔ پھر وہ آپس میں کہنے لگیں کہ یہ عجیب آدمی ہے نہ دھمکانے سے بھاگتا ہے نہ ڈرانے سے ڈرتا ہے۔ ایسے شخص کو کیوں کر قتل کریں یا ایذا دیں۔ پھر اُنھوں نے حاتم سے کہا کہ اے جوان ہم اہل مروت ہیں۔ تیرے بھلے کے لئے کہتے ہیں۔ یہ جگہ تیرے رہنے کی نہیں۔ اگر سلامت رہنا چاہتا ہے تو اب بھی کچھ نہیں گیا۔ چپکا چلا جا نہیں تو رنج اُٹھائے گا بلکہ مارا جائے گا۔ یہ بات سن کر اس نے کہا کہ جی کے جانے کا مجھ کو غم نہیں۔ میں نے خدا کی راہ میں سر دینا اختیار کیا ہے اور جو خدا کی راہ میں مصروف رہتے ہیں وہ اپنے سر کو ہتھیلی پہ لئے رہتے ہیں۔ ہر وقت اس کی رضا جوئی کی دعا مانگتے ہیں۔ کیونکہ وہ زمین و آسمان کا خالق ہے۔ اُس کو لازم ہے۔ اِس بات کو سُن کر وہ مہربان ہوئے اور کہنے لگے کہ اے جوان ہمارے ساتھ آ اگر تجھے الکن پری کے دیکھنے کا شوق ہے تو ہم تجھے کسی گوشہ میں چھپا رکھیں اور دکھائیں لیکن آفتاب کو ذرّے سے کیا نسبت۔ غرض ایک گوشہ میں لے گئے۔ طرح طرح کے کھانے اور قسم قسم کے میوے کھلائے اور اس سے صحبت گرم رکھی۔ تین روز کے بعد پوچھا کہ اے جوان سچ کہہ کہ تیرے آنے کا کیا سبب ہے؟ کہا مجھے الکن پری سے ایک ضروری کام ہے۔ اس واسطے کہ وہ ایک جوان سے سات روز کا وعدہ کر کے یہاں آئی ہے، اور سات برس گذر گئے کہ وہ اس کے انتظار میں قریب المرگ پہنچا۔ آنکھیں پتھرا گئیں۔ جان بلب ہو رہا ہے بلکہ سانس لینے کی طاقت نہیں تو بھی دو تین گھڑی کے بعد ایک آہ سرد دلِ پُر درد سے کھینچتا ہے اور یہ مصرع پڑھتا ہے۔ ع

شتاب آ کہ نہیں تاب اب جدائی کی

مَیں نے جو اس کا حال دیکھا بے اختیار پوچھا کہ تیرا حال کیا ہے۔ اُس نے اپنی مصیبت ابتدا سے انتہا تک میرے روبرو بیان کی۔ اس واردات کو سُن کر میرا دل بھر آیا۔ اِس واسطے یہاں آیا ہوں کہ اس کا قول اُسے یاد دلاؤں، شاید بھول گئی ہو۔ اور اگر وہ اس اُمید پر مر جائیگا تو بڑا غضب ہو گا۔ اُنھوں نے کہا۔ اے آدم زاد! ہم اتنی قدرت نہیں رکھتے جو تیرا حال اُسے جا کر کہیں۔ اگر کہے تو تجھے باندھ کر اُس کے سامنے لے جائیں۔ پھر تو

جو چاہے سو کہیو۔ غرض یہ ہم بدوستانہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اگر ہم تجھے بخوبی لے جائیں تو شاید ہم پر غصے ہو۔ کہ آدمی کو اس خوبی سے کیوں لائیں۔ حاتم نے کہا جس ڈھب سے بنے مجھ کو اس کے پاس لے چلو۔ آگے ہوں۔ یا میری محنت یا اُس جوان کی قسمت۔ غرض ایک دن وہ الکن پری اپنے محل سے نکل کر باغ کی طرف ناز و ادا سے چلی آئی۔ سب نے استقبال کیا اور ادب بجالائیں۔ الکن پری تخت پر بیٹھی۔ پریاں جو جلیسیں تھیں کرسیوں پر بیٹھیں۔ پھر پریزادوں نے باغ میں آکر حاتم سے کہا کہ چل تجھے ہم ملکہ کو دکھلائیں۔ غرض بلا کر ایک حجرے میں بٹھا دیا اور کہا کہ وہ جو دھانی جوڑا پہنے اور آنچل پکو کا دوپٹہ اوڑھے بیٹھی ہے وہ الکن پری ہے۔ حاتم اُسے تخت پر بیٹھا دیکھ کر غش کر گیا۔ جب ہوش میں آیا خدا کی درگاہ میں سجدۂ شکر ادا کیا اور صنعت پر متحیر ہوا۔ جوان کو اپنی خاطر سے بھلا دیا۔ بلکہ اس پری پر آپ دیوانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ کھانا پینا بھی چھوڑ دیا۔ اس طرح سے تین دن گذر گئے۔ اتفاقاً رات کے وقت آنکھ لگ گئی تو کیا سُنتا ہے کہ اے حاتم آپ کو پہچان۔ اسی منہ پر تو نے خدا کی راہ میں کمر باندھی ہے کہ غیر کی امانت میں خیانت کرتا ہے اور اس بات کا دم بھرتا ہے کہ میں کام کرتا ہوں تو للہ کرتا ہوں ؎

اگر یہ سچ ہے تو ظالم اُسے کیا کہتے ہیں

اس بات کے سُنتے ہی وہ چونک پڑا۔ ادھر اُدھر دیکھنے لگا کہ الٰہی تو میرے گناہ بخش کہ تو غفور الرحیم ہے۔ خدا سے ڈرا۔ اور سر کو زمین پر رکھ کر عجز سے کہنے لگا۔ اور پھر پریزادوں سے کہا کہ مجھ کو ملکہ کے پاس لے چلو۔ کیونکہ وہ غریب میرے آنے کی راہ دیکھتا ہوگا۔ کب تک انتظار کھینچے گا۔ انہوں نے شہزادی کو خوش دیکھا۔ حاتم کے ہاتھ باندھ کر باغ کے دروازے پر لے آئیں۔ پھر انہوں نے جا کر ملکہ سے عرض کی کہ ایک آدم زاد بیچارہ گردش کا مارا باغ کے نزدیک آگیا تھا۔ ہم اس کو باغ کے دروازے تک لے آئے ہیں جو حکم ہو سو کریں۔ ملکہ نے کہا کہ اس کو حضور میں لے آؤ۔ جب وہ لے آئے تو حاتم کو دیکھتے ہی اُس جوان کو بھول گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس کرسی پر بٹھا لیا۔ پھر پوچھا کہ اے جوان کہاں سے آیا ہے کیا تیرا نام ہے اور کیا مطلب رکھتا ہے۔ اس نے کہا میں طے کا بیٹا ہوں یمن سے آیا ہوں۔ حاتم میرا نام ہے

پری زاد نے جو اس کا نام سُنا تخت سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی کہ مَیں نے تیرا نام سُنا ہے کہ یمن کا شہزادہ ہے۔ بڑی مہربانی کی جو یہاں قدم رنجہ فرمایا ہے۔ بارے یہ کہہ کہ آنے کا کیا سبب ہے اور اتنی مصیبت کیوں اُٹھائی ہے۔ میں تو تیری لونڈی کے برابر ہوں اور تجھے اپنا سرتاج جانتی ہوں۔ حاتم نے کہا۔ یہ تیری مہربانی ہے۔ میں شاہ آباد سے آیا ہوں اور اب صحرائے احمر کی طرف جاتا تھا اثنا راہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جوان درخت کے نیچے نعرہ مارتا تھا اور آنکھیں بند کئے یہ مصرع پڑھتا تھا۔ ع

شتاب آ کہ نہیں تاب اب جدائی کی

مَیں نے پوچھا کہ اے جوان للّٰہ بیان کر کیا حال ہے۔ اس نے سرگذشت اپنی اور تمہاری کہہ سُنائی۔ کہ ملکہ سات روز کا وعدہ کر کے گئی ہے اور سات برس گذر گئے ہیں نہیں آئیں۔ ان کے انتظار میں نالاں و گریاں ہوں نہ چلنے کی طاقت ہے نہ رہنے کی قوت۔ اس کے سوا چلتے وقت اُنہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر یہ کہا تھا۔ خبردار تو یہاں سے اگر کہیں جائے گا تو خراب ہوگا۔ حیران ہوں کہ اب معشوقہ کا حکم کیوں کر ٹالوں۔ اگر ملاقات ہونی ہے تو یہیں ہو کر رہے گی۔ جب میں نے اُس کا یہ حال دیکھا اور عاشق صادق پایا۔ اپنا مطلب چھوڑ کر آیا ہوں۔ اگر اس بیچارے کے حال پر مہربانی فرماؤ تو گویا مجھے مول لیا۔ پری نے کہا۔ اے شہزادۂ یمن میں تجھ کو دیکھ کر بھول گئی وہ میرے لایق نہیں کہ عشق اس کا خام ہے۔ کیونکہ سات برس گذر گئے کہ اپنی جان کے ڈر سے وہیں رہا اور اس نے کوہ القا پر قدم بھی نہ رکھا۔ حاتم نے کہا۔ اگر وہ عاشق تمہارا نہ ہوتا تو کیوں زار و قطار روتا۔ اور کس واسطے تمہاری یاد میں آپ کو خراب کرتا۔ اس کے سوا تم خود وعدہ کر کے آئی ہو کہ سات روز کے بعد آؤں گی تم میرے آنے تک کہیں نہ جانا۔ وہ غریب عاشق نامراد اپنی معشوقہ کی عدول حکمی کیونکر کرے۔ اور اس کو یقین ہے کہ میری معشوقہ یہیں آئے گی اور مجھ کو لازم نہیں جو بھوک پیاس کے مارے کہیں چلا جاؤں وہ یہاں آوے اور مجھے یہاں نہ پا کر رنجیدہ ہو جائے۔ یہ سُنکر کہا مَیں ہرگز قبول نہ کروں گی۔ حاتم بولا۔ اے مہ لقا اس قدر خفگی کا کیا سبب ہے اور وہ جبتک مُراد کو نہ پہنچے گا میں بھی یہاں سے نہ جاؤں گا۔ پری نے کہا کہ تو مجھ سے یہ اُمید نہ رکھ

میں اس کے پاس نہ جاؤں گی۔ حاتم نے کہا اے خدا تو میری محنت کو نظر انداز نہ کر۔ تب وہ بولی کہ تیرے کہنے سے باہر نہیں۔ اچھا میں تیری خاطر سے اس کو پاس رکھوں گی پر ہم صحبت نہ ہوں گی۔ حاتم نے کہا۔ خیر میں بھی تمہارے دروازے پر بیٹھ کر اتنے فاقے کروں گا کہ میرا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔ یہ کہہ کر اُٹھا اور اس کے دروازے کے نیچے جا بیٹھا دانہ پانی سب چھوڑ دیا۔ اسی صورت سے سات روز گذرے ایک شب اس نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے۔ اے حاتم پری نے اسی طرح سینکڑوں کو مارا ہے تو پہلے اس سے کہہ کہ جوان کو بلوا۔ اور وہ مہرہ جو اُس خرس کی بیٹی نے تجھ کو دیا ہے اس کو دے کہ اپنے مُنہ میں رکھ کر غرغرہ کرے اور پانی میں ڈال کر کسی طرح اس پری کو پلا دے۔ پھر خدا کی قدرت کا تماشا دیکھ کہ معشوقہ عاشق ہو جاوے۔ یہ بات سن کر وہ چونک پڑا۔ اتنے میں صبح ہو گئی۔ الگن پری اس کے پاس آکر کہنے لگی کہ اے جوان تو نے دانہ پانی کیوں چھوڑ دیا ہے۔ اگر بے آب و دانہ مر جائے گا تو میں تیرے گناہ میں پکڑی جاؤں گی۔ اور خدا کو کیا منہ دکھاؤں گی حاتم نے کہا تو اس کو بلوا کر دیکھ۔ وہ تیرا دیدار دیکھے۔ اس کا مطلب یہی ہے الگن پری نے کہا میں نے یہ بات قبول کی۔ حاتم اس سخن کے سنتے ہی مستعد و آمادہ ہوا کہ جا کر اس جوان کو لے آئے۔ ملکہ نے کہا صاحب تم کس واسطے تکلیف سہو۔ میں ابھی پریزاد بھیج کر بلوا لیتی ہوں۔ یہ کہہ کر گئی اور پریزادوں سے فرمایا کہ تم فلانے پہاڑ کی طرف جاؤ۔ وہاں ایک شخص پہاڑ کے نیچے پتھر کی سل پر آنکھیں بند کئے کھڑا ہے اور آہیں سرد بھرتا ہے۔ اس سے کہو کہ وہاں حاتم جا پہنچا ہے اور اس نے تیرا حال تیری معشوقہ سے مفصل بیان کیا ہے۔ اس واسطے الگن پری نے تجھے بلایا ہے۔ غرض وہ پریزاد ایک پل میں وہاں جا پہنچے اور یہ ماجرا اس سے کہنے لگے۔ اور وہ اس بات کے سنتے ہی اپنی جگہ سے اُٹھا اور حاتم کی ہمت پر آفرین کر کے ساتھ ہو لیا۔ وہ ایک دن میں شہزادی کے پاس لے آئے۔ ملکہ نے پاس بٹھا لیا۔ جوان دیکھتے ہی بیہوش ہو گیا اور زمین پر گر پڑا۔ شہزادی نے گلاب چھڑکا ایک دم کے بعد ہوش آیا۔ تب الگن پری نے آہستہ سے کہا کہ اے جوان مجھ کو خوب دل کھول کر دیکھ لے۔ غرض تمام دن یہی صحبت رہی۔ شب کے وقت اس نے اپنی پریوں سے کہا کہ مجلس نشاط آراستہ کرو اور ناچ راگ شروع کرو۔ اس بات کے سُنتے ہی وہ ناچنے لگیں۔ حاتم اور وہ

جوان بھی باہم بیٹھے ہوئے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ مگر الگن پری اس جوان کی طرف ہرگز متوجہ نہ تھی۔ یہ حالت دیکھ کر حاتم نے اس جوان سے کہا کہ تو اس مہرہ کو پانی میں رگڑ کر منہ میں غرغرہ کر اور اس کے پانی پینے کی ٹھلیوں میں کلی کر دے اور یہاں آکے چپکے سے بیٹھ جا۔ جوان اس کام میں مشغول ہوا۔ کئی پریوں کی اس کو ٹھلیوں کی طرف جاتے ہوئے اس پر نظر پڑی بے اختیار دوڑیں اور کہنے لگیں کہ تجھ کو خاصے کی ٹھلیوں سے کیا کام ہے۔ اس نے کہا شدت سے پیاسا ہوں۔ انہوں نے یہ سنکر کسے پانی پلایا۔ وہ پھر وہیں آبیٹھا۔ حاتم نے جب دیکھا کہ جوان نے اپنا سب کام پورا کر لیا۔ تب ملکہ سے کہا کہ اسکو نہایت گرمی معلوم ہوتی ہے تھوڑا سا شربت پلاؤ۔ اور اس کی پیاس بجھاؤ۔ پری نے ارشاد کیا جلد شربت تیار کراؤ۔ حاتم آپ ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے ہاتھ سے شربت تیار کر کے شہزادی کے سامنے لے آیا۔ اس نے ارشاد کیا تھوڑا تھوڑا سب پئیں گے حاتم نے کہا پہلے آپ قدرے نوش جان کریں پھر سب پئیں گے۔ ملکہ نے حاتم کے ہاتھ سے شربت کا پیالہ لے لیا اور منہ سے لگالیا۔ دو گھونٹ پیتے ہی پریزاد آدمی زاد پر دیوانی ہو گئی۔ حاتم نے جو اس کا حال کچھ اور دیکھا تو آہستہ سے کہا اے ملکہ اس عاشق نیمجان پر اگر مہربانی فرماؤ تو تمہارے اخلاق سے چنداں بعید نہیں۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ع

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردہ تست

کہنے لگی۔ میں نہیں جانتی یہ آفت کس کی اُٹھائی ہوئی ہے۔ اب مجھ سے جدائی کا دکھ نہیں سہا جاتا اور اس کے بے ملے ایک دم نہیں رہا جاتا۔ ناچار ہوں تیرا کہنا مانا اور قبول کیا۔ مگر ماں باپ کی بے رضامندی یہ کام نہیں کر سکتی۔ یہ کہہ کر الگن پری کی طرف گئی اور محل میں داخل ہوئی۔ والدہ کو مجرا کیا اور سر جھکا کے چپکی ہو رہی۔ اس کی ماں نے کہا اس قدر جلدی آنے کا کیا سبب ہے ابھی چالیس روز نہیں ہوئے۔ تب اسکے مصاحبوں نے عرض کی کہ ملکہ کو ایک آدم زاد پسند آیا ہے۔ اور اس نے بھی اس کے عشق میں رنج اُٹھایا ہے۔ اب یہاں آپہنچا ہے۔ اِسو اسطے چاہتی ہیں کہ اس کو اپنا دمساز اور محرم راز بناویں۔ لیکن بے اجازت یہ کام نہیں ہو سکتا۔ یہ سنکر وہ اپنے خاوند کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ تمہاری بیٹی کی خواہش ہے کہ ایک آدم زاد سے اپنا بیاہ کرے۔ اس نے کہا اگر اس کی مرضی ہے تو مبارک ہو۔ چشمِ ما روشن دلِ ماشاد۔ القصہ الگن پری نے اسی وقت

یہ تصویر الگن پری کا حاتم اور اپنے عاشق کو بلانے کی

حاتم اور اُس جوان کو باغ سے بلوا بھیجا۔ اس کی ماں ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اور اپنے خاوند سے بھی تعریف کی۔ اس نے اسی وقت بیاہ کا سرانجام کیا اور ملکہ بڑی دھوم دھام سے جوان کے ساتھ اپنی رسوم کے موافق بیاہ دیا۔ عاشق و معشوق باہم ملے۔ اور حاتم کو دعائیں دینے لگے۔ سات روز کے بعد حاتم ان سے رخصت ہونے لگا۔ پری نے کہا اب کہاں کا قصد رکھتے ہو۔ کہا کوہ احمر کا مجھے وہاں ایک ضروری کام ہے۔ پری نے کہا گھبراؤ نہیں۔ میں ایک دم میں تمہیں وہاں پہنچائے دیتی ہوں۔ یہ کہہ کر اپنے کئی پریزادوں

ہوا ہے نظر آنے لگے۔ میں نے کہا اگر تو میری آنکھوں میں ایسا سرمہ لگا دے اور مال مجھے نظر آئے تو آدھا تیرا۔ اس نے کہا بہت بہتر، تو میرے ساتھ جنگل میں چل میں تیری آنکھوں میں ایک سلائی بھر دوں گا۔ میں اسکے ساتھ اس جنگل میں آیا اور اس پنجرے کو دیکھ کر حیران ہوا۔ اور اس سے پوچھا یہ پنجرا کیسا ہے! اس نے کہا میں نہیں جانتا۔ یہ کہہ کر وہ اس درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور اپنی بغل سے سرمہ کی ڈبیہ نکال کر ایک سلائی آنکھوں میں بھر دی۔ فی الفور میں اندھا ہو گیا۔ میں اس سے کہنے لگا کہ اے تو نے کیا کیا مجھے اندھا کر دیا۔ وہ بولا جھوٹوں اور بد عہدوں کی یہ ہی سزا ہے۔ اگر آنکھوں کی بصارت چاہتا ہے تو اس پنجرے میں بیٹھ رہ اور یہ سخن کہہ کہ کسی سے بدی نہ کر اگر کریگا تو وہی پاویگا۔ میں نے کہا کہ سچ کہہ کہ میری آنکھوں کا کیا علاج ہے! اس نے کہا کہ ایک مدت کے بعد حق پرست ایک جوان ادھر سے آویگا، تو اس سے اپنا احوال کہنا۔ وہ کہیں سے نوریہ گھاس لاکر اس کا پانی تیری آنکھوں میں چوائیگا تیری آنکھیں جیسی تھیں ویسی ہو جائیں گی۔ اسی اُمید پر تیس برس سے اس پنجرے میں بیٹھا ہوا اس کی راہ دیکھتا ہوں۔ اور کبھی جو اکتا کر اس سے باہر نکلتا ہوں تو تمام بدن ہڈی سے لے کر گوشت تک اور گوشت سے لے کر پوست تک درد کرتا ہے۔ بیتاب ہو کر پھر اس میں آ بیٹھتا ہوں اور آہ سرد کھینچ کر یہی سخن کہتا ہوں۔ اسی صورت سے بہت آئے اور پوچھ پوچھ کر چلے گئے پر کوئی میری داد کو نہ پہنچا۔ اور کسی نے اس کی تدبیر نہ کی۔ حاتم نے کہا تو خاطر جمع رکھ یہ کام میں کروں گا۔ اتنے میں وہ پریزاد جو حاتم کو یہاں پہنچا کر کوہ القا کو گئے تھے۔ پھر آئے۔ الگن پری دیکھتے ہی ان پر جھنجلائی اور کہنے لگی کہ جب وہ اس کام سے فراغت پاتا تب اس کے گھر پہنچا کر یہاں آتے۔ اب اس میں تمہارے لئے خیر ہے کہ اس کو اس کے گھر پہنچا کر یہاں آؤ۔ نہیں تو بری طرح پیش آؤں گی۔ وہ اس بات کے سنتے ہی دوڑے اور حاتم کے پاس آ کر موجود ہوئے۔ پھر اپنی سرگذشت بیان کی اور پوچھا کہ اب آپ کا قصد کدھر کا ہے۔ اس نے کہا جہاں نوریہ گھاس ہے وہاں جانا چاہتا ہوں۔ وہ بولے کہ ہم تم کو اس جنگل کے قریب پہنچا دیں گے اور دور سے بتا دیں گے لیکن وہاں نہ جائیں گے۔ اگر سلامت پھرو گے تو تمہیں تمہارے شہر میں پہنچا دیں گے نہیں تو تم پر جو گذرے گی ملکہ سے

عرض کر دیں گے۔ حاتم نے پوچھا اس کا کیا سبب ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ صاحب جس وقت وہ گھاس زمین سے نکلتی ہے اس جنگل کے تمام پھول چراغ کے مانند روشن ہو جاتے ہیں۔ اور ہزاروں جانور انواع و اقسام کے اس کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ اسواسطے وہاں کسی کا گذر نہیں ہوتا۔ حاتم نے کہا بارے دیکھو قسمت میں کیا ہے۔ تب ایک پریزاد نے حاتم کو کاندھے پر بٹھا لیا اور باقی ساتھ ہو لئے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سات دن میں اس جنگل کے قریب جا پہنچے۔ ایک میدان وسیع نظر آیا۔ حاتم نے پوچھا وہ گھاس کہاں ہے؟ وہ بولے اس کے اُگنے کا وقت آپہنچا ہے۔ وہ چار ہی روز میں نکلے گی۔ حاتم اور پریزاد کئی دن اس جنگل میں باہم رہے اور ہر قسم کے میوے کھایا کئے۔ ایک دن وہ گھاس زمین سے نمودار ہوئی۔ جہاں تک پھول تھے چراغوں کی طرح روشن ہو گئے۔ سارا جنگل خوشبو سے مہک گیا۔ ہر قسم کے جانور اس کے گرد آ کر جمع ہوئے اور ایک حلقہ باندھ کر کھڑے رہے۔ حاتم نے پریزادوں سے کہا تم یہیں رہو میں توکل بخدا جاتا ہوں آگے جو مرضی اُس کی۔ یہ کہہ کر وہ مہرہ منہ میں رکھ لیا۔ اور اس جنگل میں جا کر دو تین پتی گھاس کی اور کئی پتیاں پھولوں کی لے کر خیریت سے پھر آیا۔ پریزاد دیکھ کر حیران رہ گئے کہ عجب طرح کا آدم زاد ہے کہ اس کا ثانی دیکھا نہ سُنا۔ غرض پھر اسی طرح سے حاتم کو اس بڈھے کے پاس پہنچایا اور وہ اسی حالت میں پڑا تھا۔ اتنے میں حاتم نے پکار کر کہا کہ اے پیر مرد میں وہ گھاس لے آیا ہوں۔ بڈھے نے کہا مرحبا، اب لازم ہے کہ تو اپنے ہاتھوں سے اس کو مل کر دو تین قطرے میری آنکھوں میں ٹپکا دے حاتم نے وہی کیا۔ پہلے تو اس کی آنکھیں اُبل آئیں۔ پھر نیلگوں ہو گئیں۔ آخر پانی سوکھ گیا اور کٹورا سا ہو گئیں۔ وہ حاتم کے پاؤں پر گر پڑا، اور عذر کرنے لگا۔ اس نے بھی اسے گلے لگا لیا۔ اور کہا بھائی برائے خدا کیا کہتا ہے میں نے خدا کی راہ میں کمر باندھی ہے جو کام میرے ہاتھ سے نکلتا ہے میں اُسے غنیمت جانتا ہوں، اور اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ پیر مرد نے کہا۔ اے جوان مرد! میرے گھر بہت سا زرو جواہر ہے تو وہاں چل اور جس قدر چاہے اس میں لے۔ حاتم نے کہا مجھے ہرگز زرو جواہر درکار نہیں۔ خدا کے فضل سے میرے گھر میں بھی بے شمار ہے میں اس کو

خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہوں۔ تیرا مال لیکر کیا کروں گا۔ یہ کہہ کر وہ پیر مرد سے رخصت ہوا، اور پریزادوں کے کندھے پر سوار ہو کر دس روز کے بعد شہر شاہ آباد میں آیا۔ تب تو پریزادوں نے کہا کہ خداوند آپ اپنی مُہر سے رسید لکھ دیجئے کہ بادشاہزادی کو دیں تاکہ اُن کی دلجمعی ہو۔ حاتم نے ایک رسید اپنے حال سمیت لکھ کر اُن کے حوالے کی۔ وہ ادھر اُٹھے، یہ شہر میں داخل ہو کر کاروانسرا میں آیا اور منیر شامی سے ملاقات کر کے نہایت خوش ہوا۔ دو چار گھڑی کے بعد دونوں متفق ہو کر حسن بانو کے گھر آئے وہ ایک مکان پاکیزہ میں پُر تکلف پردے ڈال کر بیٹھی اور ان کو باہر چوکیوں پر بعزت بٹھایا اور حال پوچھا۔ حاتم نے تمام حال وقال بیان کیا۔ حسن بانو نے انکی ضیافت کی۔ دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے چُنوا دیئے اور قسم قسم کے میوے۔ ہنسی خوشی اُنہوں نے نوشِ جان کئے اور رات کی رات وہیں آرام کیا۔ صبح کو حاتم نے پوچھا کہ اے حسن بانو! اب کونسا مطلب ہے؟ اُس نے کہا۔ ایک شخص کہتا ہے کہ "سچے کو ہمیشہ راحت ہے"۔ وہ کیا سچ بولا اور کیا راحت پائی ہے اس کی خبر لا۔ حاتم نے کہا کہ تم جانتی ہو کہ وہ کس طرف ہے؟ حسن بانو بولی کہ میں نے اپنی دائی سے سُنا ہے کہ شہر خوارزم میں ہے پر یہ نہیں معلوم کہ وہ کس طرف کو ہے حاتم نے کہا، خیر خدا یہ بھی مشکل آسان کرے گا۔

چوتھا سوال حاتم کے جانے کا اور اس بات کی خبر لانے کا کہ سچّے کو ہمیشہ راحت ہے

القصہ حاتم حسن بانو سے رخصت ہوا اور شہر سے باہر نکلا۔ کئی شہروں کے بعد ایک دامن کوہ میں جا پہنچا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ دریائے عظیم لہو سے بھرا ہوا نہایت زور شور سے بہہ رہا ہے۔ اس کو دیکھ کر متفکر ہوا، اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ مَیں نے کبھی لال پانی کا دریا نہیں دیکھا اس کو دریافت کرنا چاہیئے کہ کس طرف سے آتا ہے

اور اس کے بہنے کا کیا سبب ہے۔ یہ ارادہ کر کے اس کی طرف روانہ ہوا۔ اتنے میں ایک درخت عالیشان سامنے سے نظر پڑا۔ جب اس کے پاس پہنچا دیکھا کہ اس کی ہر ایک ڈالی میں آدمیوں کے سر سینکڑوں لٹکتے ہیں اور اس کے نیچے ایک تالاب نہایت خوش قطع و ملبب ہے اور اسی کا پانی جنگل کی طرف چلا جاتا ہے۔ یہ اس درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اور جو سر اس درخت میں لٹکتے تھے بے اختیار قہقہہ مار کر ہنسنے۔ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ کٹے ہوئے سر ہنستے ہیں۔ اور ان سے لہو کے قطرے ٹپک ٹپک کر تالاب میں گرتے ہیں اور پانی خون آلودہ ہو کر دریا میں چلا جاتا ہے۔ اتنے میں اس کی نظر اس سر پر جا پڑی جو سب سروں سے اوپر لٹکتا تھا۔ اس کو دیکھتے ہی بیہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا اپنے جی میں کہنے لگا کہ اس ماجرے کو بے دریافت کئے کیوں کر جاؤں گا۔ اب لازم ہے کہ تھوڑے دن یہاں رہئیے اور اس حال کو دریافت کیجئے کہ یہ کیا اسرار ہے۔ اسی فکر میں وہاں تمام دن رہا، اتنے میں رات ہو گئی۔ یہ ایک کونے میں چھپ رہا۔ سارے سر ٹہنیوں سے تالاب میں گرے، اور حاتم اس تالاب کی طرف دیکھتا تھا کہ ایک نشست گاہ نہایت پاکیزہ تھی۔ اس پر فرش شاہانہ بچھایا۔ اور ایک تخت زریں بھی وہاں پُر تکلف اور ایک قرینہ سے بچھا۔ کئی گھڑی کے بعد کئی پریاں نازنین آئیں۔ ان میں ایک پریزاد نہایت نکیلی سجیلی ہوشربا ماہ لقا تھی۔ آتے ہی ناز و ادا سے اس تخت پر بیٹھ گئی حاتم نے جو غور کر کے دیکھا معلوم کیا وہی سر ہے جو سب سے اونچا تھا۔ پھر کتنی پریاں اس کے گرد کرسی پر بیٹھ گئیں۔ اور کتنی ہاتھ باندھ کر باادب کھڑی رہیں۔ اتنے میں طائفہ ساز ملا کر کھڑا ہوا، اور اس تخت کے سامنے ناچنے لگا۔ حاتم تاک لگائے دیکھتا تھا اور فکر کرتا تھا کہ الٰہی یہ کیا اسرار ہے۔ جب آدھی رات گئی تو دستر خوان شاہانہ بچھا اور اقسام اقسام کے کھانے پاکیزہ اس پر چُنے گئے۔ پھر اس تخت نشین نے ایک سے کہا کہ اس مسافر کو کھانا دو۔ وہ خوان تیار کر کے سر پر دھر کے حاتم کے پاس لے گئی اور کہنے لگی کہ یہ ہمارے سردار نے تجھے بھیجا ہے۔ حاتم نے کہا۔ تیرا نام کیا ہے اور تیرے سردار کا کیا نام ہے۔ وہ بولی کہ تجھ کو میرے نام سے کیا کام ہے اگر بھوکا ہے تو کھانا کھا۔ حاتم بولا۔ جب تک تو اپنا نام اور اپنے سردار کا نام نہ بتائے گی ہرگز نہ کھاؤں گا۔ یہ بات سُنکر وہ نازنین پھر آئی اور ملکہ سے عرض

کرنے لگی کہ مسافر کھانا نہیں کھاتا اور کہتا ہے کہ جب تک تو اپنا نام اور اپنے سردار کا نام اور اس جماعت کا احوال جو اس تالاب سے نکلی ہے ظاہر نہ کرے گی، کچھ نہ کھاؤں گا ملکہ نے کہا پہلے کھانا کھا پھر کہوں گی۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو کہیو آج نہیں کل۔ وہ حاتم کے پاس آئی اور جو سکھایا تھا عمل میں لائی۔ غرضیکہ حاتم نے چاہا کہ اس کے ہاتھ پکڑے، وہ بھاگ کر تالاب میں گر پڑی اور ملکہ کے پاس جا کھڑی ہوئی اور شہزادی تمام رات ناچ راگ میں مشغول رہی۔ جب صبح ہوئی سب تالاب میں کود پڑیں۔ ایک ساعت میں کئی سر اوپر تیر آئے۔ اور آپ ہی آپ تالاب سے اُچھل کر درخت کی ڈالیوں میں لٹک گئے اور وہ بڑا سر بدستور سب سے اونچا جا لٹکا۔ پھر سب ہنس پڑے۔ حاتم بھی اس کونے میں پڑا دیکھتا تھا۔ لیکن سردار کے سر سے ٹکٹکی لگائے تھا اور دل میں کہتا تھا کہ اگر بھید کو پاؤں تو اس نازنین سے خوش ہو کر نکاح کروں۔ اور کہتا تھا کہ الٰہی یہ کیا اسرار ہے کہ رات کو جیتے ہیں اور دن کو اس درخت میں لٹک جاتے ہیں شاید یہ کام جادو کے سبب سے یا طلسم سے ہوتا ہے۔ انہیں سوچوں میں دن آخر ہوا اور شام ہوئی۔ رات کے وقت سب تالاب میں گرے اور پھر بدستور سابق فرش بچھا اور مجلس آراستہ ہوئی۔ ناچ رنگ ہونے لگا اور حاتم منتظر تھا کہ آج وہ وعدہ وفا کرتی ہے یا نہیں۔ جب دسترخوان بچھا شہزادی نے ایک پری کے ہاتھ کھانا حاتم کو بھجوا دیا۔ وہ دیکھتے ہی کہنے لگا کہ اے پری تو نے کہا تھا کہ میں کل آ کر کہوں گی۔ اپنا وعدہ وفا کر۔ میں کئی دن کا بھوکا ہوں کھانا کھاؤں۔ اس نے یہ ماجرا جا کر ملکہ سے عرض کیا۔ اس نے کہا کہ تو جا کر یہ کہہ کہ جب تو ملکہ کے حضور میں آئے گا اُس وقت یہ بھید کھل جائے گا۔ لیکن پہلے کھانا کھا۔ اس کے بعد میرے ساتھ چل۔ حاتم نے یہ سُنکر کھانا کھایا اور اس کے ساتھ ہو لیا۔ حاتم نے جو آنکھیں بند کر کے غوطہ مارا اور زمین کی تہ کو اس کے پیر لگے تو آنکھیں کھول کر دیکھا تو نہ وہ تالاب ہے نہ وہ درخت، آپ ایک جنگل میں کھڑا ہوا ہے۔ آہیں سرد بھر کر نعرہ مارنے لگا۔ اسی حالت میں سات دن گذر گئے۔ حضرت خضر علیہ السلام بحکم خدا سبز کپڑے پہنے۔ ہاتھ میں عصا لئے نمودار ہوئے۔ حاتم دیکھتے ہی کہنے لگا۔ پیر و مرشد یہ کون سا مکان ہے۔ کہا یہ صحرائے خیر میں ہے تو فلانے تالاب میں پری کے ساتھ

غوطہ مارا تھا۔ وہ تالاب بنا ہی اسی قسم کا ہے کہ جو آدمی اس میں غوطہ مارے یہاں آ نکلے چنانچہ وہ مکان اس جگہ سے تین کوس پر ہے۔ یہ بات سنتے ہی حاتم خاک پر گر پڑا۔ اور رونے لگا ہے ہے میرے دل کو کیا ہو گیا ہے اور کیونکر میں وہاں پہنچوں گا۔ اگر میری مُراد نہ ملے گی تو تڑپ کر میں مر جاؤں گا۔ خواجہ نے پوچھا کہ تیری کیا مراد ہے۔ اس نے کہا، میں جس جگہ تھا وہیں جا پہنچوں۔ اُنھوں نے کہا میرا عصا پکڑ اور آنکھیں بند کر۔ ان کے کہنے کے موافق کیا۔ ایک دم میں وہاں جا پہنچا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہی جنگل ہے اور وہی سر جو ڈالیوں میں لٹکتے ہیں۔ بے اختیار اس درخت کے پاس آیا اور اوپر کو چڑھنے کا قصد کیا۔ وہ درخت ہلنے لگا۔ حاتم اس کی جڑ سے لپٹ گیا پر وہ اسی طرح ہلتا رہا۔ جو ذرا وہاں سے بڑھا ایک تڑاقے کی آواز آئی۔ درخت بیچ سے پھٹ گیا اور حاتم اس میں سما گیا۔ اور جب اس نے دیکھا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ حیران ہوا اور ڈرا کہ یہ کیا آفت ہے۔ ایک مرتبہ تو میں ان کے لئے تالاب میں گرا تو مصیبت میں پڑا۔ جو درخت پر چڑھنے کا قصد کیا تو یوں پھنسا۔ جتنا زور کرتا ہوں کہ اوپر آؤں نیچے ہی چلا جاتا ہوں۔ آخر اس کا بدن سب درخت کے اندر چھپ گیا۔ فقط آنکھیں باہر رہ گئیں۔ اُسی وقت حضرت خضر علیہ السلام پھر پہنچے اور کہنے لگے کہ اے جوان! اپنے تئیں کیوں بلا میں ڈالتا ہے، شاید زندگی سے سیر ہو چکا ہے۔ حاتم کا حال تنگ تھا کچھ نہ بولا۔ تب حضرت خواجہ خضر علیہ السلام نے رحم کھا کر ایک عصا اس درخت پر مارا کہ وہ موم کی طرح ہو گیا۔ حاتم نکل آیا پر بیہوش تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ اے حاتم! کیوں اپنے اوپر رنج اُٹھاتا ہے اور آپ کو مصیبت میں ڈالتا ہے۔ تیرا ان سے کیا مدعا ہے؟ اس نے کہا کہ کسی صورت سے ان کا حال دریافت کروں۔ خواجہ نے فرمایا کہ سردار شام احمر جادوگر کی بیٹی ہے اور اس کے مکان کا نام احمر ہے۔ ایک دن اس لڑکی نے اپنے باپ سے خاوند کرنے کا ذکر کیا تھا۔ کہ بابا اب میں جوان ہوئی، میری شادی کرو۔ اس بات کو سُنکر وہ غضبناک ہُوا۔ اس لڑکی کو اُس روز سے طلسم کے دریا میں ڈال دیا ہے۔ اور یہ تالاب اور درخت جادو کا ہے۔ اور یہ سر اور جو سب سروں سے اوپر لٹکتا ہے اس کا نام نزیں پوشس ہے۔ وہ کوہ جادو یہاں سے سو کوس پر ہے۔ جادو کے زور سے

ایک ہی دن میں جا سکتی ہے۔ اور شاہ احمر جادوگر جب تک جیتا رہے گا تو یہ اسی حالت میں گرفتار رہے گی۔ کسی کے ہاتھ نہ لگے گی۔ یہ سُنکر حاتم نے کہا معلوم ہوا کہ میری قسمت میں اسی جگہ مرنا ہے جو خدا نے مجھے یہاں پہنچایا ہے۔ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام نے کہا کہ جو اس کی بیٹی کی چاہ رکھتا ہے تو اپنے آپ کو بلا میں ڈالتا ہے۔ اس لیئے بہتر ہے کہ اس کا خیال چھوڑ دے۔ حاتم نے کہا۔ میں اپنی جان سے ہاتھ دھو چکا ہوں۔ جو ہونی ہو سو ہو۔ جب تک یہ نازنین میرے ہاتھ نہ لگے گی، میں اس بات سے باز نہ آؤنگا خواجہ خضر علیہ السلام نے کہا۔ کہ آخر اے جوان تیری آرزو کیا ہے؟ اس نے کہا۔ پیرو مرشد میرا جواب یہ ہے کہ اس درخت پر چڑھوں اور ان کے برابر پہنچ کر ہمکلام ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ اے عزیز! دیدہ دانستہ آپ کو بلا میں ڈالنا ہے کیا فائدہ؟ باز آ۔ حاتم نے عرض کیا کہ مجھ کو اسی میں نفع ہے کہ ایک دم ان سے جُدا نہ ہوں۔ اور جو روز اوّل سے میری قسمت میں مصیبت لکھی ہے تو بیشک سہوں گا۔ اس بات کو سُنکر خواجہ خضر علیہ السلام نے اپنا عصا اس درخت پر مارا، اور اسم اعظم پڑھ کر فرمایا کہ اب اس درخت پر چڑھ جا۔ یہ کہہ کر آپ اس کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ حاتم وہیں درخت پر چڑھ گیا۔ جب وہ نازنین کے سر کے برابر پہنچا اس کا سر بھی انہیں کے سروں کے برابر لٹکنے لگا۔ اور بدن تالاب میں گر کر ڈوب گیا۔ آسمان سے ایک غوغا اُٹھا اور ایک شور زمین سے بلند ہُوا۔ جب آفتاب چھپا اور رات ہو گئی وہ سر سب کے سب حاتم کے سر سمیت اس تالاب میں گر پڑے اور بدستور سابق جسم پکڑے جمع ہو کر کاروبار کرنے لگے۔ پھر ملکہ بھی بیٹھی اور حاتم دست بستہ تخت کے برابر سے الگ کھڑا ہو رہا پر بیہوش تھا۔ ملکہ زرّیں پوش نے کہا۔ اے جوان! سچ کہہ کہ تو کون ہے؟ کیا نام ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ اس نے کہا۔ میں بھی تیرے خادموں میں سے ہوں اور اسی تالاب سے نکلا ہوں۔ اُس نے اس کے طرزِ کلام سے معلوم کیا کہ مجھ پر عاشق ہُوا ہے۔ اس بات کو سمجھ کر کچھ نہ بولی اور ناچ رنگ میں مشغول ہوئی۔ جب آدھی رات ہو گئی، تب دستر خوان بچھایا۔ انواع و اقسام کے لذیذ کھانے اس پر چُنے گئے۔ شہزادی نے حاتم کو اپنے پاس بٹھا لیا اور ستھرے ستھرے کھانے اس پر اس کے آگے رکھ دیئے اور نہایت مہربانی سے کچھ کھانا کھا، پانی پی

حاتم کھانا کھانے لگا۔ مگر بیخود تھا کہ میں کون ہوں اور یہاں کس واسطے آیا ہوں اور کہاں جاؤں گا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے، ناچ رنگ ہونے لگا۔ اور رات بھر یہی عالم رہا۔ صبح ہوئی سب حاتم کے سر سمیت اس درخت کی ڈالیوں پر پھر اپنی جگہ پر جا لٹکے اور دھڑ ان کے تالاب میں غرق ہو گئے اور اسی طرح کئی روز گذرے۔ حضرت خواجہ خضر علیہ السّلام اس کی مدد کو پہنچے اور حاتم کے سر کو اپنے غصے سے اُتارا، اور دھڑ کو تالاب سے نکالا۔ پھر یہاں تک اسم اعظم پڑھا کہ اس میں جان آئی اور جادو دُور ہوا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ وہی بزرگ ہاتھ میں عصا لئے سرہانے کھڑا ہوا ہے اُٹھا اور پاؤں پر گر پڑا، اور کہا حضرت سلامت باوجود اس حالت کے آپ غور نہیں فرماتے۔ فرمایا۔ اے جوان تو اب تک کہاں تھا۔ وہ بولا کہ میں اس درخت پر سیر چمنِ نازکے تماشے میں مشغول تھا۔ خواجہ خضر علیہ السلام نے پوچھا کہ ابھی اس نازنین کی آرزو تیرے دِل میں ہے؟ اس نے کہا برائے خدا اتنی دستگیری کرو کہ میں اپنی مراد کو پہنچوں، نہ اس بلا میں مر جاؤں گا۔ خواجہ خضر نے کہا کہ جبتک اس کا باپ مارا نہ جائیگا اس گل خوبی کو کوئی نہ پائے گا کیونکہ وہ جادوگر ہے۔ اُس نے اس کو جادو میں رکھا ہے اس کا یہ طور ہے کہ جو کچھ میں کہوں اسے مان۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ اُنہوں نے فرمایا تجھے اسم اعظم سکھاتا ہوں تاکہ تو احتیاط رکھے اور ناپاکی سے آپ کو بچائے۔ جھوٹ نہ بولے۔ ہر روز نہایا کرے۔ تمام دن روزہ رکھے۔ اس نے قبول کیا۔ اُنہوں نے اسم اعظم سکھلا کر کہا تو میرا عصا پکڑ اور اپنی آنکھیں بند کر۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ایک دم میں اس کا پاؤں زمین پر لگا۔ آنکھیں کھول کر جو دیکھا تو کوئی چیز نظر نہ آئی۔ مگر ایک پہاڑ عظیم الشان اور اس پر لالہ بے موسم کھلا ہوا ہے۔ دیکھا خوش ہو کر چڑھنے لگا۔ قدم رکھتے ہی پتھر نے اس کے پاؤں ایسے پکڑے کہ اُٹھنا محال ہو گیا۔ جب عاجز ہوا دِل میں کہنے لگا کہ اب اسم اعظم پڑھنا چاہیئے۔ پڑھتے ہی اس کے پاؤں پتھر سے چھٹ گئے۔ تب معلوم ہوا کہ وہ احمر یہی ہے۔ پھر تو اسم اعظم پڑھتا ہوا چڑھ گیا۔ اتنے میں ایک میدان نظر آیا۔ آگے بڑھا تو ایک چشمہ دیکھا اور بہت سے درخت میوہ دار کہ کبھی نہ دیکھے تھے نظر پڑے۔ حاتم نے کپڑے اُتار کر اس میں غسل کیا اور لباس پاکیزہ پہن کر اسمِ اعظم پڑھنے لگا۔ اس کی برکت سے تمام جانور جادو کے کیا درندے کیا پرندے

سب بھاگ گئے۔ یہ خبر شام احمر کو پہنچی کہ سب جانور بھاگے ہوئے چلے آتے ہیں۔ اس نے نجوم کی کتاب دیکھ کر معلوم کیا کہ ایک دن حاتم طائی اس پہاڑ پر آئے گا اور تمام جادو ہمارا باطل کرے گا۔ یہ وہی ہے جو وہاں چشمہ پر بیٹھا ہوا ہے اور اسم اعظم پڑھتا ہے اور کوئی سحر اس اسم کے پڑھنے والے کو اثر نہیں کرتا۔ کیا تدبیر کیجئے کہ وہ اسم بھول جائے۔ یہ سوچ کر منتر پڑھا اور چاروں طرف پھونکا کہ غٹ کا غٹ پریوں کا نمودار ہوا۔ ان میں سے ایک پری ملکہ زریں پوش کی صورت بھی صراحی اور پیالہ ہاتھ میں لئے دکھائی دی۔ تب شام احمر جادو نے کہا کہ حاتم کو شراب پلا کر کام تمام کر دو وہ صورت پریوں سمیت اس چشمہ پر جا بیٹھی۔ حاتم دیکھ حیران ہوا کہ یہ تو سب اس درخت میں لٹکتی تھیں یہاں کیونکر آئیں۔ پھر یہ سوچا کہ اس کے ماں باپ کا مکان ہے آنکلی ہوں گی۔ اتنے میں ملکہ زریں پوش کی صورت حاتم کے پاس آئی اور کہنے لگی اے حاتم تو نے رنج والم بہت کھینچے ہیں۔ آج میرے باپ نے مجھے باغ کی سیر کو بھیجا ہے۔ تجھے دیکھ کر نہایت خوش ہوئی۔ یہ کہہ کر اس کے پہلو میں جا بیٹھی حاتم نے اس کی صحبت غنیمت جانی اور شراب کا پیالہ پیا۔ وہ محبوبہ وہیں شام احمر کی صورت ہو کر پکڑ لے گئی۔ اس نے حاتم کی صورت دیکھ کر سر نیچا کر لیا اور دل میں کہا کہ ایسے جوان کو مارنا محض نادانی ہے۔ لیکن یہ دشمن ہے اسے سزا دینا چاہیے۔ نوکروں سے فرمایا اسے چاہِ آتشیں میں ڈال دو۔ اس کے چاکروں نے حاتم کو کنویں میں ڈال دیا اور ہزار من کی ایک سل لوہے کی لال کر کے اس کے منہ کو ڈھانپ دیا۔ غرض حاتم غلطاں و پیچاں چلا جاتا تھا اور مہرہ جو خرس کی بیٹی نے دیا تھا اس کے منہ میں تھا۔ کنویں میں سل سمیت دم بدم سرد ہوتا جاتا تھا۔ القصہ شام احمر کے لوگوں نے اس سے کہا کہ وہ چاہ آتشین میں جل کر سیاہ ہو گیا ہو گا۔ تب اس نے نجوم کی کتاب دیکھ کر معلوم کیا کہ یہ جھوٹے ہیں حاتم ایک مہرہ کے سبب صحیح و سلامت ہے۔ پھر سوچنے لگا کہ وہ مہرہ اس سے کسی طرح لینا چاہیئے جب تک وہ مہرہ اس کے پاس ہے اس وقت تک اسے کچھ فکر نہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ وہ بزور ہاتھ نہیں لگ سکتا۔ وہ آپ سے دیدے تو دیدے۔ یہ سوچ کر فرمانبرداروں سے کہا۔ جلد اسے نکال کر چشمہ پر پہنچا دو۔ وہ پہنچا آئے۔ حاتم نے آتے ہی غسل کیا۔ سجدہ شکر بجالایا۔ شامِ احمر جادو نے منتر پڑھا۔ ایک ساعت میں وہی ملکہ زریں پوش کی صورت میں

حاتم کے سامنے آئی۔ ملکہ کی صورت نے آگے قدم بڑھا کے کہا۔ اے غمگسار اب میں تیرے سامنے نہ بیٹھوں گی دُور سے دیدار دیکھوں گی۔ اس روز میں تیرے پاس بیٹھی تو میرے باپ نے سیاہ دیو بھیج کر پکڑ منگوایا۔ خدا نے تجھے اس بلا سے نجات دی مبادا میں تیرے پاس بیٹھوں اور بابا جان سن لیں۔ حاتم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بٹھالیا تب نازنین نازو ادا سے کہنے لگی۔ اے حاتم! تو مجھے سچ مچ چاہتا ہے۔ اس نے کہا۔ جان و دل سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ وہ بولی ایک چیز میں تجھ سے مانگوں اگر دے تو جانوں کہ عاشق صادق ہے۔ اس نے کہا۔ میں مفلس ہوں۔ یہ سنکر وہ کہنے لگی خرس کی بیٹی کا مہرہ چاہتی ہوں حاتم نے کہا۔ تو نے کیونکر جانا وہ مہرہ میرے پاس ہے۔ وہ بولی کہ میرے باپ نے نجوم کی راہ سے بتلایا ہے۔ حاتم چاہتا تھا کہ اس مہرہ کو نکال کر حوالے کرے کہ ایک پیر مرد نے داہنی طرف سے ڈانٹا کہ نادان کیا کرتا ہے تو پشیمان ہوگا بلکہ جان بھی جاتی رہے گی۔ یہ بات سُنکر حاتم نے کہا اے بزرگ! تو کون ہے جو کارِ خیر سے باز رکھتا ہے۔ مہرہ میرے کس کام کا ہے۔ محبوبہ کو دیں نہ لعل۔ مثل مشہور ہے، وہی پھول جو سہرے چڑھے۔ اس نے کہا یا حضرت میں حسن نازنین کو چاہتا تھا آپکی توجہ سے ہاتھ لگی حضرت نے فرمایا۔ اے نادان! یہ کیا کرتا ہے ہرگز اس بات کا خیال دل میں نہ لا۔ ملکہ زرّیں پوش نہیں ہے نادان نہ ہو۔ جادو کی تصویر ہے۔ پہلے بھی اسکو شام احمر نے ملکہ کی صورت بنا کر بھیجا تھا۔ اور اسی کے ہاتھ سے پیالہ پلوا کر تجھے چاہِ آتشین میں ڈلوایا۔ تو اسی مُہرہ کی بدولت بچا۔ اب اسم اعظم پڑھ اگر ملکہ زرّیں پوش ہے تو بیٹھی رہے گی اور اگر جادو کی صورت ہے تو جل کر خاک ہو جائے گی۔ حاتم نے ان کے قدم چوم لیئے اور تالاب میں منہ ہاتھ دھوکر کلی کر کے جونہی اسم اعظم پڑھنا شروع کیا وہیں اس جماعت کا رنگ متغیر ہونے لگا اور بدن تھرتھرانے لگا۔ یہ خبر شام احمر کو پہنچی کہ وہ مرد عورتیں جل کر خاک سیاہ ہوگئیں۔ اس بات کو سُنکر جادو کے زور سے اس نے شہپال کو بلوایا اور نہایت تعظیم و تکریم کر کے اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ میں حاتم کے ہاتھ سے سخت عاجز ہوں۔ کچھ بن نہیں پڑتی کیا کروں؟ ابلیس نے کہا اے شاہ احمر ابھی عمر اسکی بہت باقی ہے۔ وہ کب کسی سے مارا جاتا ہے اور کب کسی کا فریب کھاتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اپنی بیٹی اسے بیاہ دے۔ وہ بولا اس نے بہت سی صورتیں ہماری تہ خاک کردیں۔ اس بات کا اُمیدوار ہوں کہ اپنی دستگیری سے اسم اعظم کو بھلا دے۔ اس نے کہا میں اس جگہ کچھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حضرت خواجہ خضر

علیہ السلام اس کی حفاظت اور مدد کے واسطے حق تعالیٰ کی طرف سے معین ہیں وہ اسم اعظم نہیں بھول سکتا اور مجھ کو اتنی قدرت نہیں جو اس کے دل سے بھلادوں۔ مگر اتنا ہو سکتا ہے کہ وہ غافل ہو جاوے اور محتلم ہو۔ یہ بات سنتے ہی شام احمر جادو نے اس سے بہت کہا میں وہی مرد ہوں جس نے تجھے اسم اعظم بتایا تھا۔ حاتم اُٹھ کر ان کے پاؤں پر گر پڑا۔ شیطان ولاسا دیکر غائب ہو گیا اور حاتم کو غفلت میں ڈال کر محتلم کر دیا۔ وہ گھبرا کر چونک پڑا۔ اور آپ کو ناپاک دیکھ کر غسل کا قصد کیا۔ اُدھر جادوگر گھات میں لگ رہا تھا قابو پا کر منتر پڑھنے لگا۔ پھر دیو سیاہ زمین سے پیدا ہوا، اور حاتم کی طرف دوڑا۔ حاتم کو احتلام کا وسوسہ تھا کہ اس سے کیونکر لڑوں، ایسا نہ ہو کہ مارا جاؤں۔ اِتنے میں دیو آپہنچا اور اس کو پکڑ کر شام احمر کے پاس لے گیا۔ وہ اسے دیکھ کر بولا کہ اسے مارنا صلاح نہیں کیونکہ وہ مہرہ ضائع ہو گا جب تک یہ اپنی خوشی سے نہ دے طوق و زنجیر پہنا کر دو بھاری ستونوں میں کس دو۔ اور سر دار اس کا منہ کالا کرو۔ چنانچہ اس کے فرمانبرداروں نے ایسا ہی کیا۔ حاتم اپنے آپ کو گرفتار دیکھ کر خداوند کریم کی درگاہ میں گریہ و زاری کرنے لگا کہ الٰہی تیرے سوا اس وقت کوئی مددگار نہیں۔ اور شام احمر جادو نے اپنے جادوگروں سے کہا کہ تم اس کے پاس بیٹھو اور باری باری سے چوکی پہرہ دو۔ وہ اس کا کہنا بجالائے۔ غرض سات دن یونہی چوکی پہرہ آیا کیا۔ جب حاتم پیاس سے نہایت بیقرار ہوا تو لتنے میں شاہ احمر آیا اور کہنے لگا۔ اے حاتم اب کیا احوال ہے۔ جواب دیا کہ ظاہر ہے۔ اس نے کہا اگر مہرہ دیدے تو میں تجھے ابھی چھوڑ دوں۔ حاتم بولا اپنی بیٹی میرے ساتھ بیاہ دے تو ابھی دیتا ہوں اس بات کو سُنکر نہایت غصے ہوا۔ اور مسند سے اُٹھ کر جادوگروں سے ارشاد کیا کہ تم اس پر پتھر مارو کہ سر اس کا پاش پاش ہو جائے۔ جادوگر پتھر ہاتھ میں لے کر حاتم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اپنی جان پر رحم کر اور مہرہ ڈال دے، ورنہ تیرا سر پتھروں سے پاش پاش ہو جائے گا۔ جادوگر ہاتھوں سے پتھر لے کر مستعد ہوئے۔ حاتم نے کہا انشاء اللہ میں تمہارے سردار کو ماروں گا اور اس کی بیٹی کو اپنی خدمت میں لوں گا۔ یہ بات سُن کر وہ جادوگر غصے ہوا، اور پتھروں کا مینہ برسایا۔ یہاں تک کہ حاتم اس میں چھپ گیا۔ جادوگروں نے اپنے اپنے سردار سے جاکر کہا کہ حاتم مر گیا۔ اس نے کہا غلط کہتے ہو وہ جیتا ہے۔ اُنہوں نے کہا اگر آہنی تن ہوتا تو بھی خاک سیاہ ہو جاتا یہ تو آدمی تھا کیونکر بچا ہو گا۔ جادوگر نے

کہا کہ تم کو باور نہیں تو پتھروں کو سرکا کر دیکھ لو کچھ آسیب نہیں پہنچا۔ جادوگروں نے جو دیکھا سلامت پایا۔ جھنجھلا کر پھر پتھر برسائے کہ اس پہاڑ سے دونا ہو گیا۔ پھر پتھروں کو سرکا کر دیکھا تو اُسے کچھ ضرر نہ تھا۔ سات روز اسی طرح گذر گئے۔ تب احمر جادوگر نے ناچار ہو کر کہا کہ تم ہر روز اسی طرح پتھر مارو۔ اور آپ منتر پڑھنے میں مشغول ہوا حاتم جب بھوک پیاس سے عاجز ہو کر مرنے لگا تو پھر چوکیداروں سے کہا اے یارو اس مہرہ کا خواص دیکھا یہ ایسا ہے کہ جس کے باعث نہ آگ میں جلا نہ پتھر سے مرا۔ اب جو کوئی مجھ کو یہاں سے تالاب پر لے جائے گا یہ مہرہ میں اُس کو دوں گا۔ اُنہوں نے کہا ہمیں تیرا مہرہ درکار نہیں۔ مگر ایک لالچی نے اشارہ کیا کہ تجھ کو تالاب پر لے جاؤں گا۔ ذرا رات ہونے دے حاتم نے اشارہ کیا یہ مہرہ تجھ کو دوں گا۔ جب آدھی رات ہو گئی سب کے سب سو رہے مگر ایک وہی چوکیدار اس مہرہ کے لالچ سے جاگتا تھا۔ ایک دم کے بعد چپکے سے اُٹھ کر حاتم کے پاس آیا اور کہنے لگا اگر تو کہے تو میں تجھے اس چشمے پر لے چلوں۔ حاتم نے کہا کہ مجھ کو ہلنے کی طاقت نہیں چلنا تو ایک طرف کیونکر ان پتھروں سے نکلوں۔ اس نے کہا کہ میں جادو کے ذریعے نکال لیتا ہوں، اندیشہ نہ کر۔ یہ کہہ کر اپنے افسوں پڑھنے لگا۔ اتنے میں کالا دیو پیدا ہوا وہی ان دونوں کو تالاب پر پہنچا کر غائب ہو گیا۔ حاتم نے پہلے کپڑے دھوئے پھر نہا کر بدن پاک کیا اور تھوڑا سا پانی پی کر چشمہ سے باہر نکلا۔ کپڑے پہنے۔ جادوگر نے کہا اے حاتم میں نے تجھ کو اس مہرہ کے لالچ میں ان پتھروں سے نکالا اور اس تالاب پر بخوبی پہنچایا۔ تجھ کو لازم یہی ہے کہ اپنا وعدہ وفا کرو اور مہرہ مجھے دے دو۔ حاتم نے کہا اے عزیز تو نے میرے ساتھ نیکی کی میں بھی تیرے ساتھ سلوک کروں گا۔ چنانچہ جس وقت شام احمر کو ماروں گا یہاں کی بادشاہت تجھے دوں گا۔ اس نے کہا اے حاتم ! اس مہرے کے سوا کوئی چیز جہان کی مجھے درکار نہیں۔ اگر دینا ہے دے۔ حاتم نے کہا۔ یہ مُہرہ میرے دوست کی نشانی ہے کس طرح دوں اور تم یہ مہرہ مانگتے ہو کس کام کے لئے اور کس واسطے ؟ اس نے کہا کہ میں نے اپنے لئے چاہا ہے۔ حاتم نے کہا اے نادان ! اگر خدا کے واسطے مانگتا تو ابھی تیرے حوالے کر دیتا۔ اس نے کہا میرا خدا جادو کملاق شام احمر کا اُستاد ہے۔ تیرے خدا کے واسطے کیوں لوں۔ حاتم نے کہا اے بندۂ خدا تو بندہ کو خدا کہتا ہے دُور ہو۔ مجھ کو یقین ہے کہ تو کافر ہے۔ خیر گیا کر دل

ناچار ہوں کہ تو نے مجھ پر احسان کیا ہے اور نیکی کا بدلہ بدی نہیں۔ ورنہ تو اپنے کہنے کی سزا پاتا۔ وہ بولا۔ تجھ سے مہرہ لینا مشکل نہیں اگر آپ دیتا ہے تو دے۔ ورنہ اس چشمے میں ایسے غوطے دوں گا کہ تیرا دم نکل جائے گا۔ حاتم بولا۔ اے ملعون نہ بک، تو زبردستی کرتا ہے۔ لیکن حسب وعدہ البتہ میں تجھے دوں گا وہ بھی اس شرط پر کہ تو نیکی پر کمر باندھے اور خدا کو ایک جانے اور جادو کرنا چھوڑ دے۔ اس بات کو سُن کر وہ غصے ہوا، اور افسوں پڑھنے لگا، اور حاتم نے اسم اعظم پڑھنا شروع کیا۔ غرض اس نے ہر چند منتر پڑھ پڑھ کر پھونکا اثر نہ ہوا۔ اور اسم اعظم کی برکت سے وہ آپ ہی کانپ کانپ کر حاتم کے آگے سے بھاگ کر اپنے رفیقوں میں آملا اور جان کی دہشت سے چپکا ہو رہا کہ اطلاع نہ ہو۔ اور حاتم اُسی چشمہ پر جا بیٹھا اور اسم اعظم پڑھا کیا۔ اتنے میں صبح ہو گئی سب چوبدار جاگے۔ ستونوں کو خالی دیکھا۔ حاتم نہ پایا تو ڈرے کہ اب شام احمر ہم کو جیتا نہ چھوڑے گا۔ ناچار سر پر خاک اُڑاتے اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ خداوند حاتم غائب ہو گیا۔ وہ سُنتے ہی غصے ہوا اور پھر علم نجوم سے دریافت کیا کہ حاتم اسی تالاب پر بیٹھا ہے اور سرتک چوکیدار نے وہاں تک مہرے کے لالچ میں پہنچا دیا ہے۔ حکم دیا کہ تم میں سے کوئی جاوے اور سرتک کو میرے سامنے لاوے میں اسے جیتا نہ چھوڑوں گا۔ وہ اس کے حکم کے موافق سرتک کو پکڑنے گئے۔ اور وہ اپنی عیاری سے دریافت کر کے بھاگا اور حاتم کے پاس جا کر کہنے لگا کہ تیرے سبب سے میری جان جاتی ہے باوجود اس کے میں نے تجھ سے بدی نہیں کی۔ قید سے چھڑایا ہے۔ ایک تو مہرہ ہاتھ سے گیا دوسرے جان کا خطرہ ہوا۔ حاتم اس کے احسان پر نظر کے شرمندہ ہوا، اور خاطرداری سے کہنے لگا کہ تو خاطر جمع رکھ۔ اِدھر جب شام احمر نے دیکھا سرتک بھاگ گیا۔ منتر پڑھنے لگا۔ اِتنے میں سرتک کو ایک شعلہ آگ کا نظر آیا۔ چلایا اور پکارا، اے حاتم! مجھ کو بچا، نہیں تو جل کر خاک سیاہ ہو جاؤں گا۔ اس نے اسم اعظم پڑھ کر اس پر دم کیا۔ شعلہ بجھ گیا۔ پھر حاتم نے کہا کہ تو میرے پیچھے آ کھڑا ہو اور کچھ فکر نہ کر۔ سرتک نے کہا۔ اے حاتم! اب میں تیرا ہوں مجھ کو شام احمر کے جادو سے بچا۔ حاتم نے فرمایا اس کی کیا قدرت ہے۔ یہ کہہ کر حاتم اُٹھ کھڑا ہوا، اور اسم اعظم پڑھتا ہوا شام احمر کی طرف چلا اور سرتک بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ جب شام احمر جادو نے اپنے علم سے

دریافت کیا کہ حاتم اور سرتک ادھر آتے ہیں۔ اپنا تمام لشکر ساتھ لے کر شہر سے نکلا اور سحر پڑھنے لگا۔ یکایک گھٹا اُٹھی بادل گرجنے لگے اور بجلی چمکنے لگی۔ سرتک نے کہا اے حاتم ہوشیار ہو جا۔ یہ جادو کا اثر ہے۔ اس نے اسم اعظم پڑھ کر آسمان کی طرف پھونکا۔ وہ سب آفتیں اس کے لشکر پر پڑیں۔ اس سبب سے شام احمر جادو حیران ہوا اور کہنے لگا کہ حاتم بڑا جادو گر ہے جس کے جادو نے ہمارے سحر کو رد کیا ہے۔ اتنے میں ایک پہاڑ زمین سے بلند ہوا۔ جب حاتم اور سرتک کے سر تک پہنچا۔ سرتک نے پکارا کہ حاتم خبردار کہ یہ سحر ہے۔ حاتم نے پھر اسم اعظم پڑھ کر دم کیا۔ وہ پہاڑ مثل سنگ ریزہ انہیں کے لشکر پر جا پڑا۔ دو ہزار جادو گر مر گئے۔ اور ایک بڑا پتھر شام احمر کے سر پر پڑا۔ مگر وہ اپنے جادو کے زور سے بچ گیا۔ پھر حاتم اسم اعظم پڑھتا ہوا آگے بڑھا۔ شام احمر نے جو دیکھا کہ حاتم بے خبر چلا آتا ہے پھر ایک افسوں پڑھ کر پھونکا۔ چاروں طرف سے اژدہے پیدا ہو گئے لیکن اسی کے لشکر پر جا کر گرے اور نگل گئے۔ مگر تین اشخاص باقی رہے تھے کہ شام احمر نے پھر منتر پڑھ کر پھونکا تو اژدہوں نے نگلے ہوؤں کو اُگل دیا۔ یہ حالت دیکھ کر تین ہزار جادو گر جان کے خوف سے بھاگے۔ شام احمر جادو گر نے ہر چند پکار کر کہا کہ نہ جاؤ اور دلاسے دیئے مگر کسی نے نہ سُنا۔ جب شام احمر نے دیکھا جادو کارگر نہیں ہوتا۔ ایک جادو ایسا پڑھا کہ وہ اس میدان میں درخت ہو گئے۔ اور آپ اکیلا حاتم کے روبرو ہو کر سحر پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگا۔ جب دیکھا کہ منتر حاتم پر اثر نہیں کرتا۔ ایک منتر پڑھ کر آسمان کی طرف ہوا ہو گیا۔ حاتم نے جو دیکھا کہ شام احمر نکل کر اُڑا اور نظروں سے غائب ہو گیا متفکر ہوا کہ اب کیا کیجیئے۔ سرتک بولا کہ وہ اپنے کملاق جادو گر کے پاس گیا ہے۔ وہ ایسا جادو گر ہے کہ جس نے ایک آسمان چاند سورج ستاروں سمیت بنایا ہے اور ایک پہاڑ کے نیچے شہر عظیم بسایا ہے کہ چالیس ہزار جادو گر اس میں رہتے ہیں کہ میں نے تم کو پیدا کیا ہے۔ خاک اس کے منہ میں کہ وہ خدائی دعویٰ کرتا ہے۔ اور ایک سال میں ایک بار اس کی خدمت میں جاتے ہیں۔ وہ کافر سخت ساحر ہے۔ اور اس کا مکان یہاں سے تین سو کوس پر ہے۔ توبہ کروہ خدا واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے ہر شے کو پیدا کیا ہے اور وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا۔ بیت
نہ گوہر میں ہے وہ نہ ہے سنگ میں ؎ ولیکن چمکتا ہے ہر رنگ میں۔ سرتک نے کہا آمنا وصدقنا میں نے

اسم اعظم کی برکت سے جادوگروں کا سحر اثر ہوتے نہیں دیکھا۔ حاتم نے کہا میں اب کوہ کملاق پر جانا چاہتا ہوں۔ بیرتک نے عرض کی جو آپ کی مرضی میں ہو۔ میں بھی غلامی میں حاضر رہتا ہوں اور یہ درخت جو نظر آتے ہیں شام احمر کے لوگ ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ یونہی رہیں گے وہ ان کو جادو سے درخت بنا گیا ہے۔ اگر تم سے ہو سکے تو ان کو صورت اصل پر لا کر اپنے ساتھ لے چلو۔ اس بات کے سنتے ہی حاتم نے تھوڑا سا پانی پڑھ کر بیرتک کو دیا کہ اس پانی کو ان پر بسم اللہ کہہ کر چھڑک دے پھر قدرت الٰہی کا تماشہ دیکھ۔ جونہی درختوں پر پانی چھڑکنے لگا۔ خدا کے فضل سے سب اپنی صورت پر آ گئے۔ اور بیرتک سے شام احمر جادو کا پتہ پوچھا۔ اس نے کہا کہ وہ تم سب کو اپنے جادو سے درخت بنا گیا تھا۔ اب حاتم نے تمہیں اسم اعظم پڑھ کر آدمی کیا ہے۔ تم اپنا حال بیان کرو۔ اُنہوں نے کہا ہم زمین پر کھڑے تھے طاقت چلنے پھرنے اور بولنے کی نہ رکھتے تھے اور بند بند درد کرتا تھا۔ اب اس جوانمرد کی توجہ سے اچھے ہوئے اور نجات پائی۔ حق تو یہی ہے کہ یہ عجب جوانمرد خدا ترس اور صاحب شان و نور آور ہے۔ جو شام احمر جادو پر غالب آیا۔ یہ گفتگو آپس میں کر کے متفق ہو کر حاتم کے پاس آئے اور پاؤں پر گر کر کہنے لگے۔ کہ اے حاتم آگے ہم شام احمر کے بندوں میں تھے۔ آج سے تیرے غلاموں میں داخل ہوئے۔ تو نے ہم پر بڑا احسان کیا۔ خدا تعالیٰ تجھ کو اس کی جزا دے۔ یہ بات سنکر حاتم نے پھر ان پر اسم اعظم پھونکا۔ جو ان میں جادو کا اثر تھا جاتا رہا۔ حاتم سے کہنے لگے اے خداوند اب آپ کہاں جائیے گا؟ حاتم نے کہا یارو مجھے شام احمر سے کچھ کام ہے۔ جب تک میرے ہاتھ نہیں آتا، میں کچھ کام نہیں کرونگا۔ چنانچہ اس کی بیٹی سے بیاہ کرنا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اس کی بیٹی کو تم نے کہاں دیکھا۔ حاتم نے تمام ماجرا عشق کا اوّل سے آخر تک بیان کیا۔ کہ میں صرف اسی آرزو اور اس کے ملنے کی جستجو میں رنج و محنت کھینچتا ہوا یہاں تک آیا۔ اور شام احمر نے جو مجھ پر ظلم کیا۔ نہ زبان کو قدرت نہ تقدیر کو یارا نہ دل کو قوت جو تحریر کرے۔ احسان خدا کا جس نے مجھ سے ضعیف کو ایسے زبردست پر فتحیاب کیا اگرچہ وہ یہاں سے بھاگا اور اپنے اُستاد کے پاس گیا۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ انشاء اللہ اب میں اس کو اُستاد سمیت ماروں گا اور نام و نشان دونوں کا صفحۂ عالم سے مٹاؤں گا۔ اُنہوں نے عرض کی کہ خداوند! کملاق بڑا جادوگر ہے اس کا زیر کرنا

بڑا مشکل ہے۔ حاتم نے کہا۔ اے یارو ہمت نہ ہارو۔ اگر تماشہ دیکھنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ چلو یا یہیں آرام کرو۔ اُنہوں نے عرض کی کہ آپ نے ہم پر احسان کیا ہے یہ بات مروّت سے بعید ہے جو ہم تم کو تنہا جانے دیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہمرکاب چلیں۔ بالفرض اگر وہ غالب ہُوا تو ہم تمہارے ساتھ پھر آئیں گے اور تم جہاں جاؤ گے ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے۔ یہاں ہمارا کیا کام ہے وہ ہمیں ہرگز نہ چھوڑے گا۔ غرض حاتم نے سب جادوگروں سمیت کوہ نکملاق کا راستہ لیا۔ تھوڑی دُور جاکر اُنہوں نے کہا حضرت سلامت! احمر جادوگر یہاں سے ایک دن میں ہم سب کو لیکر اس پہاڑ پر جا پہنچا تھا۔ حاتم نے کہا سچ ہے وہ جادوگر ہے۔ یہاں ایک دن میں اپنی عیاری سے اتنا جلد راستہ طے کرتا تھا۔ اُنہوں نے عرض کی اے خداوندا اگر آپ جادوگر نہیں تو اس پر کیونکر غالب آئیں گے کہ پہاڑ کو موم موم کو پہاڑ کر دیا۔ اتنے میں سرتک بولا کہ اے نادانو! میں نے آنکھوں سے تماشہ دیکھا ہے۔ حاتم نے کہا اے عزیزو میں اسم اعظم جانتا ہوں جہاں وہ اثر کرے وہاں جادو کا کیا بس چلے۔ دیکھو اسم اعظم کے اثر سے وہ جل کر خاک ہو جائیں گے۔ پھر وہ سب کے سب حاتم کے ساتھ اس تالاب پر پہنچے۔ پہلی منزل پہ یہ معلوم نہ تھا کہ احمر جادو اسی راہ سے گذرا ہے اور اس تالاب پر سحر پڑھ گیا ہے۔ بے تحاشا سبھوں نے پانی پی لیا۔ پانی کے پیتے ہی ان کی نافوں سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ حاتم دیکھ کر حیران رہ گیا پر ان سے جدا نہ ہوتا تھا۔ اس وجہ سے وہ بیچارے میرے ساتھ آئے ہیں۔ ان کو اکیلا کیونکر چھوڑوں۔ اور اس پانی میں کیا بلا تھی جس کے پینے سے ان کی یہ حالت ہوئی۔ القصّہ تمام رات گذر گئی حاتم پیاسا رہا۔ مگر پانی کا ایک قطرہ اس نے نہ پیا۔ جب صبح ہوئی ان سب کو مشکل میں دیکھا۔ حاتم ان کی یہ حالت دیکھ کر ہاتھ ملتا تھا اور روتا تھا۔ لیکن یہ نہ سمجھا کہ شام احمر جادو اس پر بھی جادو کر گیا ہے۔ خیال کیا کہ شاید اسم اعظم کی برکت سے یہ اچھے ہو جائیں گے اور ان کی جانیں بچیں گی یہ اندیشہ کر کے وہ اسم مبارک پھونکا۔ اُن کی سوجن پہلی ہی مرتبہ اُڑ گئی۔ دوسری دفعہ پھر پڑھ کر دم کیا تو ان کی نافوں سے نیلا پانی جاری ہو گیا۔ غرض تیسری بار اصلی حالت پر آ گئے حاتم نے کہا یارو یہ کیا باعث ہے وہ بولے خداوند ہم کو یوں معلوم ہوتا ہے کہ شام احمر جادوگر اس تالاب پر جادو کر گیا ہے۔ حاتم نے اسم اعظم پڑھ کر پھونکا۔ پہلے وہ جوش میں آیا۔ پھر سُرخ ہو کر سبز ہوتے ہی نیلا ہو گیا۔ ایک دم کے بعد صاف ہوا، اور اپنی رنگت پر

آگیا۔ حاتم نے جانا کہ اس تالاب سے جادوُ کا اثر جاتا رہا۔ تھوڑا سا پانی پیا، اور سب کو فرمایا کہ پانی پیو۔ اور نہاؤ۔ تاکہ سحر کی حرارت اسم اعظم کی برکت سے تمہارے بدن سے دُور ہو۔ سب اعتقاد لائے اور کہا اے خداوند تمہارے ساتھ ہو کر شام احمر اور کملاق سے لڑیں گے۔ ایسے قصد کی خبر سُن کر شام احمر وہاں سے بھاگا تو کملاق کی ڈیوڑھی پر کھڑا ہُوا۔ چوکیداروں نے عرض کی۔ خداوند شام احمر ننگے پاؤں پریشان حال درِ دولت پر کھڑا ہے کملاق نے بُلا کر گلے لگایا اور پوچھا کہ تجھ پر کیا ایسا حادثہ پڑا ہے؟ اس نے عرض کی کہ میرے پہاڑ پر حاتم نام ایک جوان بڑا جادوگر کہیں سے آیا ہے اس نے ان حالوں کو پہنچایا کملاق یہ سُنکر آگ بگولہ ہُوا، اور کہنے لگا تو مطمئن رہ۔ ابھی چو میناگر کے حوالے کرتا ہوں۔ بعد اسکے تسلی دیکر ایک منتر پڑھا اور اسی پہاڑ کی طرف پھونکا۔ وہیں ایک آگ نمودار ہوئی اور اس پہاڑ کو گھیر لیا۔ حاتم بھی دو چار روز کے بعد کوہ کملاق کی حد میں جا پہنچا۔ رفیقوں نے عرض کی کہ قبلہ عالم کوہ کملاق یہی ہے۔ لیکن اس کے گرد جو آگ شعلہ زن ہے جادوُ کی ہے۔ حاتم ٹھیر گیا اور اسم اعظم پڑھ کر اس پہاڑ کو دم کیا۔ آگ بالکل بجھ گئی۔ یہ خبر کملاق کو پہنچی۔ اس نے ایک ایسا جادوُ کیا جس کے زور سے اس پہاڑ کے گرد ایک دریائے عظیم پیدا ہُوا، اور موج مارتا ہُوا حاتم کی طرف بڑھا۔ سبھوں نے عرض کی کہ یہ دریا جادو کا ہے ہم سب لوگ بے اجل ڈوب مرینگے۔ حاتم نے کہا خدا کو یاد کرو، گھبراؤ مت۔ پھر حاتم نے اسم اعظم پڑھ کر پھونکا، وہ دریا ہوا ہو گیا اور زمین خشک نظر آئی۔ جادوگروں نے کہا کوئی سحر اس پر مؤثر نہیں۔ یہ سُنکر کملاق نے اور منتر پڑھا۔ اسکے پڑھتے ہی دس دس پانچ من کے پتھر اس قدر پڑے کہ اس پہاڑ کے بعد ایک اور پہاڑ ہُوا، اور وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس حال کو ملاحظہ کر کے حاتم بیٹھ گیا۔ اور اسم اعظم پڑھنے لگا کہ اس کی برکت سے ہَوا پتھروں کو اڑا لے گئی۔ پہاڑ نظر نہ آیا۔ حاتم کے آگے کملاق جادوُ نے پھر ایک افسوں پڑھا کہ وہ پہاڑ نظروں سے غائب ہو گیا۔ تب اُنھوں نے کہا اس پہاڑ کو کملاق نے چھپایا۔ یہ سُنکر حاتم وہیں بیٹھ گیا اور اسم اعظم پڑھتا رہا۔ فضلِ الہٰی سے دو روز کے بعد وہ پہاڑ نظر آیا۔ حاتم اُٹھ کھڑا ہُوا اور مع ہمراہیوں کے اس پر چڑھ گیا۔ جادوگروں نے دیکھتے ہی غل مچایا کہ یہ جوان صحیح وسلامت نظر آیا۔ کملاق شام احمر سمیت اس آسمان پر چڑھ گیا جو اس پہاڑ سے تین ہزار گز بلند تھا اور اپنا لشکر بھی چڑھایا۔ پھر تو حاتم بے خوف داخل شہر ہُوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک شہر عالیشان

اوراس کی عمارت دلچسپ اور مکان پاکیزہ اور دوکانیں ستھری صاف دورستہ کشادہ۔ اس میں ہرطرح کی جنس موجود۔ قسم قسم کے جواہر جگمگا رہے ہیں۔ اور طرح طرح کے میوے اور مٹھائیوں سے خوانچے معمور قرینے سے جابجا چنے ہوئے مگر آدمی کا نام نہ تھا۔ حاتم نے یہ تماشہ دیکھ کر لوگوں سے کہا کہ یہاں کے رہنے والے کیا ہوئے۔ تو پھر اس کے جواب میں اُنہوں نے کہا خداوند کملاق جادو آپ کے ڈر سے ان سب کو لے کر آسمان پر چڑھ گیا جو اس نے بنایا ہے حاتم اس بات کو سُنکر ہنسا اور کہنے لگا اب تم کیوں بھوکے مرتے ہو۔ ان کو مزے سے کھاؤ اور شکر خدا بجا لاؤ۔ یہ سنتے ہی وہ بھوکے بے اختیار کھانے لگے۔ جب کھا چکے سوچ کر گُپ ہو گئے۔ حاتم نے معلوم کیا کہ وہ کمبخت ان تمام پر بھی جادو کر گیا۔ یہ سمجھ کر تھوڑا پانی منگایا۔ اسم اعظم پڑھ کر ہر ایک کو پلایا۔ وہیں سحر کا اثر جاتا رہا۔ پھر حاتم نے اسم اعظم ہر چیز پر پھونکا اور کہا اب شوق سے کھاؤ جادو جاتا رہا۔ سپاہیوں نے دلجمعی سے پیٹ بھر کر کھایا۔ پھر حاتم نے پوچھا جادوُ کا آسمان کہاں ہے۔ اُنہوں نے عرض کی وہ جو ہوا میں مثل گنبد کے نظر آتا ہے۔ حاتم اُسی وقت اُدھر متوجہ ہو کر اسم اعظم پڑھنے لگا۔ وہ گنبد بھی ٹکڑے ہو کر پہاڑ پر گر پڑا۔ اور بہت سے جادوگر جہنم واصل ہوئے۔ مگر کملاق اور شام احمر بچ کر پہاڑ پر گر پڑے اور کسی طرف کو بھاگے اور حاتم اسم اعظم پڑھتا ہوا اُن کے پیچھے چلا۔ وہ دونوں گھبرا کر پہاڑ پر سے گرے اور پاش پاش ہو گئے حاتم بیحد شاد ہوا، اور سجدۂ شکر بجا لایا۔ پھر برتک سے کہنے لگا کہ میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب کملاق کو ماروں گا تجھ کو اس کے ملک کا بادشاہ کروں گا۔ اب یہ ملک تجھ کو دیتا ہوں اور اپنا وعدہ وفا کرتا ہوں۔ بشرطیکہ تو خدا کو ایک جانے۔ اُسکی پرستش کرے اور خدا کے بندوں کو تکلیف نہ دے۔ عدل و انصاف میں رات دن مشغول رہے۔ یہ کہہ کر اُن جادوگروں سے یہ کہا کہ تم برتک کی سرداری کو منظور کرو، اور یادِ الہٰی میں رہو۔ اگر ان باتوں کے خلاف کروگے تو اپنی سزا کو پہنچو گے۔ اور میں اب ملکہ زرّیں پوش کے پاس جاتا ہوں۔ تم یہاں خوش و خرم رہو۔ اُنہوں نے کہا۔ خوشی ہماری یہی ہے کہ ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں۔ لیکن حکم سے باہر نہیں ہو سکتے۔ غرض حاتم نے ان کو وہیں چھوڑا، اور آپ ملکہ کیطرف روانہ ہوا۔ چند روز میں وہاں پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ تالاب ہے نہ پانی۔ مگر وہ درخت اسی طرح کھڑا ہے پر اس تالاب کی جگہ ایک شیشہ محل عالیشان جگمگا رہا ہے۔ حاتم اس کے دروازہ پر جا کھڑا ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہی نازنین ان سب سے اونچی جگہ کھڑی ہے۔ یہ ان کو دیکھ کر

خوش ہوا اور ان میں سے ایک آکر پوچھنے لگی کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ حاتم نے کہا
مَیں وہی شخص ہوں جو تمہارے ساتھ اس درخت پر لٹکتا تھا۔ اب میری طرف سے ملکہ کی
خدمت میں سلام دو۔ وہ دوڑ کر شہزادی کے پاس گئی اور عرض کرنے لگی کہ اے شہزادی
حاتم نام ایک جوان جو سحر میں آلودہ تھا اب اچھا ہو کر آیا ہے۔ اس نے سنتے ہی سر نیچا کر لیا۔
ایک دم کے بعد سر اُٹھا کر کہا پوچھو کہ تو کہاں گیا تھا۔ شاید کوہ احمر گیا تھا بلا جلد دریافت کر
وہ اُلٹی پھری اور حاتم سے پوچھنے لگی۔ کہ اے حاتم کوہ احمر کے حال سے بھی واقف ہے؟ حاتم
نے کہا کہ ملکہ زرّیں پوش کا باپ کافر تھا اور اپنے اعمالوں کے باعث مارا گیا اور جہنم میں گیا۔ اتنا
تجھ سے کہا باقی ملکہ زرّیں پوش سے کہونگا۔ اس نے نازنین کے حضور میں جا کر عرض کی۔ شہزادی
آنسو بھر لائی۔ وہ نازنین تسلّی دیکر التماس کرنے لگی کہ اے شہزادی ایسے باپ کے واسطے
غم کھانا اور رونا عبث ہے۔ اس نے اپنے فعل بد کی سزا پائی، اور ہم تم قید شدید سے چھوٹے
اب اس کو بلا کر بخوبی ملاقات کرو۔ ملکہ نے اس بات کو سن کر خوب بناؤ سنگار کیا۔ اور
تخت مرصع پر آن و ادا سے آکر بیٹھی۔ پھر اغماض سے کہا بلاؤ۔ جونہی اس کی نظر حاتم پر
پڑی جھجک کر رہ گئی۔ ایک دم کے بعد اپنے آپ کو سنبھلی اور اپنے باپ کا احوال پوچھنے
لگی۔ حاتم نے تمام ماجرا بیان کیا۔ اور کہا تیرے واسطے اس قدر رنج و دُکھ سہے۔ تجھے
بھی لازم ہے کہ میری محنت کی داد دے اور اپنی مہربانی سے نا اُمید کی اُمید بر لا۔ اس
بات کو سنتے ہی وہ متفکر ہوئی۔ اتنے میں ہمجولیوں نے کہا کہ بی بی حاتم یمن کا شہزادہ ہے
تمہارا اچھا نصیب ہے جو یہ یہاں خود بخود آیا۔ تم اس سے شادی کرو گی تو ہر طرف سے
نام آوری ہے۔ اور اپنے باپ کا غم نہ کرو، وہ کمبخت جادوگر تھا۔ خوب ہوا تمام جہاں کا
فساد مٹا۔ اب شادی کو سر انجام دینا چاہیئے۔ شہزادی شرما کر تخت سے اُٹھی اور محل میں
چلی گئی۔ مصاحبین اس کی شادی کی تیاریاں کرنے لگیں۔ سات روز تک ناچ رنگ کی
صحبت رہی۔ آٹھویں روز نویں شب حاتم نے آباؤ اجداد کی رسموں کے موافق نکاح کیا۔ اور
خوابگاہ میں لے جا کر چاہتا تھا کہ ہمبستر ہو اور شربت وصال پیئے کہ منیر شامی شہزادہ کا حال
یاد آیا۔ خوف دل میں آیا۔ بید کی طرح کانپنے لگا۔ ملکہ سے جلد علیحدہ ہو گیا۔ شہزادی حیران
ہو گئی کہ الٰہی مجھ میں کیا عیب دیکھا کہ عین وصال کے وقت علیحدہ ہو گیا اس سے کیونکر پوچھوں
یہ سوچ کر چپ رہ گئی۔ جب اس نے آئینہ رو کو دیکھا حیرت سے پوچھا۔ پریشان کیوں ہو!

خدا نہ کرے میری زندگی میں تجھے رنج والم ہو۔ پھر حاتم نے کہا۔ تو اس حرکت سے فکرمند ہے تو بجا ہے لیکن میں خدا کی راہ میں کمر باندھ کر اپنے گھر سے منیر شامی کے لئے نکلا ہوں وہ حسن بانو کا عاشق ہے۔ وہ نازنین سات سوال رکھتی ہے جو اس کے سوال پورے کریگا وہ اُس کو قبول کریگی۔ چنانچہ بوجہ پورا نہ ہونے سوال کے منیر شامی کو نکلوایا۔ وہ روتا پیٹتا یمن میں آنکلا اور ملاقات کے بعد حال بیان کرنے لگا۔ غرض اسکی بیکسی پر میرا دل بھر آیا اور آنسو ٹپک پڑے۔ آخر کار تاب نہ آئی۔ اور اس کے ہمراہ شاہ آباد میں آیا۔ اور حسن بانو کے سوالات کا ذمہ لیا۔ اور اس کو کاروانسرائے میں بٹھا کر جنگل کی راہ لی۔ چنانچہ بفضلہ تین سوال پورے کرکے چوتھے کی نوبت آئی ہے۔ اور اسی اتفاق سے تجھ تک نوبت پہنچی اور تیرے عشق نے بیخود کر دیا ہے۔ بارے بہت خاک چھان کر بدقت تیرا وصال ہوا۔ آرزو ہے کہ تیرے باغ حسن سے گل راحت چنوں لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ بھائی میں تیرے کام میں دریغ نہ کروں گا۔ اور جب تک تو اپنی مراد کو نہ پہنچے گا تب تک مجھ پر عیش وعشرت حرام ہے۔ بعید مروّت ہے کہ میں عیش وعشرت میں رہوں اور وہ میرا منتظر رہے۔ پس مصلحت یہ ہی ہے کہ اپنی خوشی سے مجھ کو رخصت دو تاکہ شہر خوارزم میں جا کر چوتھا سوال پورا کروں۔ یہ بات سن کر شہزادی نے کہا مجھے کہاں چھوڑ جاؤ گے۔ آگے تو میرا باپ جیتا تھا۔ وہ میری خبر لیتا تھا۔ اب کیونکر گذرے گی۔ حاتم نے کہا میں تجھے یمن میں بھیجے دیتا ہوں۔ میرا باپ وہاں بادشاہ ہے۔ تجھے اچھی طرح سے رکھے گا۔ کبھی کسی طرح کی تکلیف نہ ہوگی۔ یہ بات کہہ کر اپنے باپ کو عرضی لکھی کہ اے قبلہ کونین اگر میری عمر وفا کرتی ہے تو اس کام سے فرصت پا کر قدمبوسی حاصل کروں گا۔ بالفعل ملکہ زریں پوش کو اپنے عقد میں لا کر خدمتِ عالی میں بھیجتا ہوں یقین ہے کہ آپ بھی اس کے حال پر توجہ والطاف فرماتے رہیں گے۔ القصہ جب عرضی تمام ہو چکی تو مہر کر کے ملکہ کے حوالے کی۔ وہ اپنی خواص اور فوج ولشکر سمیت یمن کو روانہ ہوئی۔ اور حاتم بھی شہر خوارزم کو چلا۔ چند روز کے بعد شہر میں داخل ہوا۔ اور وہاں جا کر پوچھنے لگا کہ سچ کہنے والوں کو ہمیشہ راحت ہے۔ یہ کون کہتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ایسا شخص تو یہاں کوئی نہیں جو یہ کہتا ہے۔ مگر ایک بوڑھے نے یہ بات جو تم کہتے ہو لکھ کر اپنے دروازے پر لگا دی ہے۔ حاتم نے پوچھا اس کا مکان کہاں ہے۔ وہ بولے کہ یہاں سے سو کوس

پر شہر خوارزم ہے وہ وہیں رہتا ہے۔ یہ بات سُن کر حاتم اُسی طرف کو روانہ ہوا۔ تین منزل میں جا پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک عمارت عالیشان اور بلند کھڑی ہے۔ اور اس کے دروازے پر یہی کلام بخطِ جلی لکھا ہوا ہے۔ یہ اس کو پڑھ کر نہایت خوش ہوا۔ اور دروازہ پر جا کر دستک دی۔ ایک دم کے بعد کئی دربان دروازہ کھول کر باہر آئے اور حاتم کو دیکھکر پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں ایک کام کیواسطے شاہ آباد سے آیا ہوں۔ دربانوں نے یہ کیفیت آقا سے بیان کی۔ کہا بلا لو۔ جب حاتم اندر آیا تو دیکھا کہ ایک جوان خوش رو مسندِ پر تکلف پر امتیاز سے بیٹھا ہے۔ حاتم نے سلام کیا وہ بھی اُٹھ کر ملا۔ اور تعظیم سے اپنے پاس بٹھایا۔ انواع و اقسام کے کھانے منگوا کر روبرو رکھے۔ جب کھانے سے فارغ ہوا۔ صاحب خانہ نے پوچھا کہ صاحب تم کون ہو اور کہاں سے تشریف لائے ہو اور کس واسطے یہ دراز سفر اختیار کیا ہے جو اسقدر رنج کھینچے اور دُکھ سہے۔ سچ تو یہ ہے کہ دو شخصوں کے سوا اس مکان میں کوئی نہیں سا تھیں کا ایک تو ہے۔ یہ سنکر حاتم نے کہا مَیں یمن کا رہنے والا ہوں۔ اور اب منیر شامی کے کام کے لئے تم تک آیا ہوں۔ الغرض ماجرا حسن بانو پر عاشق ہونے کا ہے۔ اور اس کے سات سوالوں کے پورا کرنے کا، اور اپنے مستعد ہونے کا مفصّل سُنایا۔ پھر اس کتبہ کی بابت دریافت کیا۔ اس نے کہا اے جوانمردِ یمن کے رہنے والے تو دنیا میں بڑے نیک کاموں میں مشہور ہو گا کیونکہ کوئی شخص نظر نہیں آتا جو اوروں کے واسطے اس قدر بار محنت اور رنج سہے۔ تو ہی ایسا تھا جو یہ بوجھ تو نے اپنے سر پر لیا۔ آج رہ جا کہ راہ سے تھکا ماندہ آیا ہے قدرے آرام کر اس کی حقیقت کل کہوں گا۔ غرض حاتم رات بھر آرام سے رہا۔ صبح کو کھانا کھا کر کہنے لگا ارشاد کیجیئے۔ اس نے کہا اے جوان اس شہر خوارزم کو سات سو برس ہوئے ہیں کہ یہاں آباد ہوا ہے اور میری عمر آٹھ سو برس کی ہے اور جیسا اب ہوں ویسا ہی جب تھا۔ چنانچہ میں جواری مشہور تھا۔ بجز قمار بازی کے دوسرا شغل نہ تھا اتفاقاً ایک روز نہایت تنگدست ہوا کہ ایک پیسہ بھی میرے پاس نہ آیا۔ جب رات ہوئی تو چوری کو نکلا۔ اُسوقت یہ بات جی میں گذری کہ کسی غریب غربا کے گھر چوری نہ کیجیے بہتر یہ ہے کہ بادشاہ کے دولت خانہ میں جا کر خوب سامال و جواہر پائیے۔ بوقت نیم شب لائیے۔ یہ ٹھیرا کر میں آدھی رات کے بعد بادشاہ کی حویلی میں کمند ڈال کر

پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بھی چوکیداروں میں سے کیا خواجہ سرا تک کوئی نہیں جاگتا اور بادشاہ بھی ایک مرصع پلنگ پر بیخبر سوتا ہے۔ آگے بڑھا اور اسکے گلے سے گوہر شب چراغ اتار کر کمند کی راہ سے باہر آیا اور کسی طرف چل نکلا۔ اور میں جنگل میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درخت کے نیچے بہت سے چور کہیں سے مال چُرا لاتے اور بیٹھے حصہ کر رہے ہیں اتفاقاً اُنہوں نے مجھے دیکھ لیا اور میرا حال پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے میں راست گو تھا سچ سچ کہہ دیا۔ اور اس گوہر شب چراغ کو دکھا دیا۔ اس کو دیکھ کر چوروں کو یہ لالچ ہوا کہ میرے ہاتھ سے چھین لیں۔ اتنے میں ایک شخص جنگل سے پیدا ہوا۔ اور اس عجیب آواز سے للکارا کہ تمام جنگل کانپ اُٹھا۔ وہ اپنی جان کی دہشت سے بھاگ گئے میں تن تنہا کھڑا رہا۔ وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ تو کون ہے۔ میں نے پہلے ہی سچ کے سوا اور کچھ نہ کہا تھا اس سے بھی کہہ دیا۔ وہ یہ سُنکر ہنسا اور کہنے لگا تو نے سچ کہا۔ اس واسطے یہ سب مال و متاع اس گوہر شب چراغ سمیت میں نے تجھ کو بخشا ہے لیکن تو چوری سے توبہ کر۔ یہ بات میں نے مان لی اور جوا کھیلنے اور چوری کرنے کی دل وجان سے توبہ کی۔ اس کے بعد وہ چلا گیا۔ میں نے اس مال متاع کا پشتارہ باندھ کر اپنے گھر لے آیا اور ایک عمارت عالیشان بنوائی۔ محلہ والے میرے دشمن ہو گئے اور کوتوال سے جا کر یوں کہنے لگے کہ ابھی کل کی بات ہے کہ یہ شخص کوڑی کوڑی کا محتاج تھا۔ آج اس کے ہاتھ اس قدر زرو جواہر کہاں سے آیا ہے جو اتنا بڑا محل بنوایا ہے۔ اس بات کے سنتے ہی کوتوال نے مجھ سے بلاکر پوچھا۔ میں نے اس کے سامنے بھی سوا سچ کے کچھ نہ کہا۔ وہ مجھے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ میں نے اس کے روبرو بھی جو بات سچ تھی وہی کہی۔ جان کی دہشت کچھ نہ کی۔ یہ سخن سنکر بادشاہ نے میرے حال پر نوازش کی کہ یہ شخص عجیب وغریب راستگو ہے کہ اس قدر نقد و جواہر بھی کسی سے نہ چھپایا۔ صاف کہہ دیا۔ اسکی راست گوئی پر میں نے یہ مال اسکو دیا اور اس کا گناہ بھی بخشا۔ بلکہ اس نے اور بھی نقد جواہر اپنے خزانہ سے اس قدر دیئے کہ مالا مال ہو گیا۔ اب بھی اس میں سے میرے پاس بہت ہے۔ اگرچہ بہت خرچ کیا ہے اُسی دن سے یہ اپنے دروازہ پر لکھ کے لگا دیا ہے کہ سچ کہنے والے کو ہمیشہ راحت ہے۔ آدمیوں کو چاہیئے کہ سچ کے سوا کبھی جھوٹ نہ کہیں۔ بقول سعدی علیہ الرحمۃ ؎

راستی موجب رضائے خداست　　کس نہ دیدم کہ گمشدہ از راہ راست

یہ کہہ کر اُس نے حاتم سے پوچھا کہ تو کون ہے۔ اُس نے کہا مَیں یمن کا شاہزادہ حاتم بن طے ہوں۔ یہ سنتے ہی اپنے مسند سے اُٹھا اور بغلگیر ہوا۔ اور نہایت تواضع و تکریم کے بعد کہنے لگا سچ ہے حاتم کے سوا کون ایسا کر سکتا ہے۔ پھر اس نے کئی دن تک مہمان رکھا۔ ایک دن حاتم نے کہا۔ اے عزیز مجھے ایک ضروری کام ہے، اب رخصت کر۔ اس نے نہایت منت و معذرت سے رخصت کیا۔ یہ اپنی منزل مقصود کو راہی ہوا۔ رات دن چلا جاتا تھا۔ ایک دن ملکہ زرّیں پوش کی صورت اسے یاد آئی۔ ارادہ کیا کہ ملکہ کو دیکھ کر شاہ آباد جاؤں گا۔ یہ ٹھیرا کر یمن کی طرف روانہ ہوا چند روز کے بعد یمن کے قریب آیا۔ ایک تالاب پر بیٹھ گیا۔ اتفاقاً درخت پہ ایک جوڑا طوطی کا بیٹھا ہے اور آپس میں باتیں کر رہا ہے۔ حاتم نے بھی اپنے کان ادھر لگائے۔ اتنے میں مادہ نے نر سے کہا کب مجھے تنہا چھوڑ کر کہاں جاتا ہے۔ برائے خدا نہ جا۔ نر نے کہا۔ اے نادان تو کیوں کر کار خیر میں حرکت کرتی ہے۔ قیامت کے دن تو میرے کیا کام آئیگی۔ جو میں دنیا میں تجھ سے مشغول رہوں اور نیک نامی چھوڑوں۔ تو نے نہیں سُنا کہ ایک بادشاہ کسی دن شکار کو نکلا تھا۔ ہر چند پھرا مگر کوئی شکار اس کے ہاتھ نہ لگا۔ اپنے لشکر سے جدا ہو کر ایک جنگل میں جا پڑا۔ وہاں ایک خوش طبع جگہ دیکھ کر اندر چلا۔ اور شاداں و فرحاں سیر کرتا ایک بنگلے کے پاس جا پہنچا۔ وہاں ایک حوض لبالب تالاب برابر نظر آیا۔ دیکھنے میں نہایت پاکیزہ و خوبصورت اس کا صاف پانی اور کدورت۔ بادشاہ اس کو دیکھ کر خوش ہوا۔ اور اس کے کنارے پر بیٹھ کر ہاتھ سے پانی اُچھالنے لگا۔ یکایک زنجیر اس کے ہاتھ میں آگئی۔ اس کو پکڑ کر جو کھینچا تو صندوق مقفل کنجی سمیت نکلا۔ اس نے صندوق کا قفل کھولا، تو ایک ماہ جبین و ماہ طلعت کو اس میں بیٹھا پایا۔ بادشاہ ڈر گیا۔ اس نازنین نے کہا اے جوان کیوں ڈرتا ہے، مَیں بھی انسان ہوں۔ یہ کہہ کر باہر نکل آئی۔ اور صراحی پیالہ گزک لاکر بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ پھر بوس و کنار کی خواستگار ہوئی۔ بادشاہ نے جو دیکھا کہ عورت جمیلہ اور شکیلہ ہے اور اسباب عیش و عشرت بھی مہیا ہے اس کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے شراب پی اور اس سے صحبت کر کے جو فارغ ہوا۔ لشکر یاد آگیا۔ انگوٹھی اپنی چھنگلیا کی نکال کر اُس کو دی اور یہ کہا کہ میری نشانی اپنے پاس رکھنا کہ جو پھر ہم ملاقات ہو تو مجھ کو بھول نہ جاؤ۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور ایک تھیلی انگوٹھیوں کی نکال کر بادشاہ کو دکھائی۔ اور کہنے لگی کہ خدا عالم الغیب ہے اور دانا بینا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میرے

خاوند نے مجھے محافظت کے واسطے جنگل میں لاکر اس باغ کے اندر صندوق میں بند کرکے حوض میں لٹکا دیا ہے اور آپ سوداگری کرتا ہے اور میرے کھانے پینے کو بھی اس جگہ ہر ایک چیز مہیا ہے کچھ کمی نہیں۔ اور مسافر بھولا بھٹکا خواہ بادشاہ خواہ لشکری اس باغ میں تیری طرح آنکلتا ہے وہ اسی طرح حوض سے مجھے نکال کر ہمبستر ہوتا ہے۔ پھر انگوٹھی دیکر چلا جاتا ہے۔ چنانچہ بہت انگوٹھیاں میرے پاس موجود ہیں۔ لیکن نہیں جانتی کہ کونسی کس کی ہے۔ اور اسی طرح تیری انگوٹھی کو اور تجھے بھی بھول جاؤں گی۔ کیونکہ ایک دو ہوں تو کوئی یاد رکھے سینکڑوں اور ہزاروں کا کہاں تک دھیان کرے۔ اس بات کو سُنکر بادشاہ حیران ہوا، اور اس کو صندوق میں بند کرکے اس صورت سے تالاب میں لٹکا کر لشکر کو ساتھ لے شہر میں آیا اور تمام بادشاہی فقیروں کو دیکر جنگل میں نکل گیا۔ وہاں بیٹھ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہوا۔ پھر جب تک جیتا رہا عورت کا نام نہ لیا۔ پس اے نادان تو میرے ساتھ کیا سلوک کرےگی جو کارِ خیر سے باز رکھتی ہے۔ چنانچہ حاتم نے بھی برائے خدا چھوڑا۔ اس کی ملاقات کے واسطے یمن کو جاتا ہے افسوس اس بات کا ہے کہ وہ اپنی محنت کو خواہ مخواہ خاک میں ملاتا ہے۔ جوں ہی اس نے یہ بات سُنی وہیں سجدۂ شکر ادا کرکے یہ بات اپنے دل میں نقش کرلی۔ اے حاتم یہ آواز خدا کی طرف سے آئی۔ اب تیرے حق میں یہ ہی بہتر ہے کہ یمن کی طرف سے قدم پھیر اور شاہ آباد کا راستہ لے۔ یہ بات جی میں ٹھیرا کر شاہ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ ایک مدت کے بعد جا پہنچا۔ وہاں کے لوگ حسن بانو کے دروازہ پر گئے۔ وہ او جھل ہوگئی۔ اسے پردہ کے پاس بُلایا اور احوال پوچھا۔ حاتم نے پہلے اپنی راہ کی مصیبت بیان کی۔ پھر اس پیرمرد کی حقیقت جو ٹھیک تھی تمام و کمال کہہ دی۔ حسن بانو نے کہا جو سچ کہتا ہے سچ ہے اس میں شک نہیں۔ یہ کہہ کر اسی وقت طعام پُر تکلف اور لذیذ منگوا کر سامنے رکھ دیا۔ تب اس نے کہا اے حسن بانو میں کاروانسرا میں جاکر اپنے بھائی کے ساتھ کھاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہاں سے اُٹھا اور سرا میں آکر منیر شامی سے ملاقات کی اور باہم کھانا کھا کے تمام سرگذشت بیان کی یہ سُن کر منیر شامی نے تحسین آفرین کی اور پھر اپنے اپنے پلنگ پر سو رہے۔ صبح کو حاتم نے حمام کیا کپڑے پہنے، حسن بانو کی ڈیوڑھی پہ آیا۔ چوبداروں نے خبر کی کہ حاتم آیا ہے اس نے پردہ کرکے اندر بُلایا اور ایک کرسی پہ بٹھا کر کہا۔ اے حاتم! سننے میں یوں آیا ہے کہ ایک پہاڑ سے ندا آتی ہے۔ اس لئے اس کا نام کوہ ندا رکھا ہے۔ اب خبر لا کہ وہاں آواز کرنے والا کون

یہ تصویر اس مقام کی ہے کہ جانا حاتم کا کوہ ندا پر اور نہانا
حوض میں اور ہونا بدن چاندی کے رنگ کا اور ملنا ایک پریزاد کا

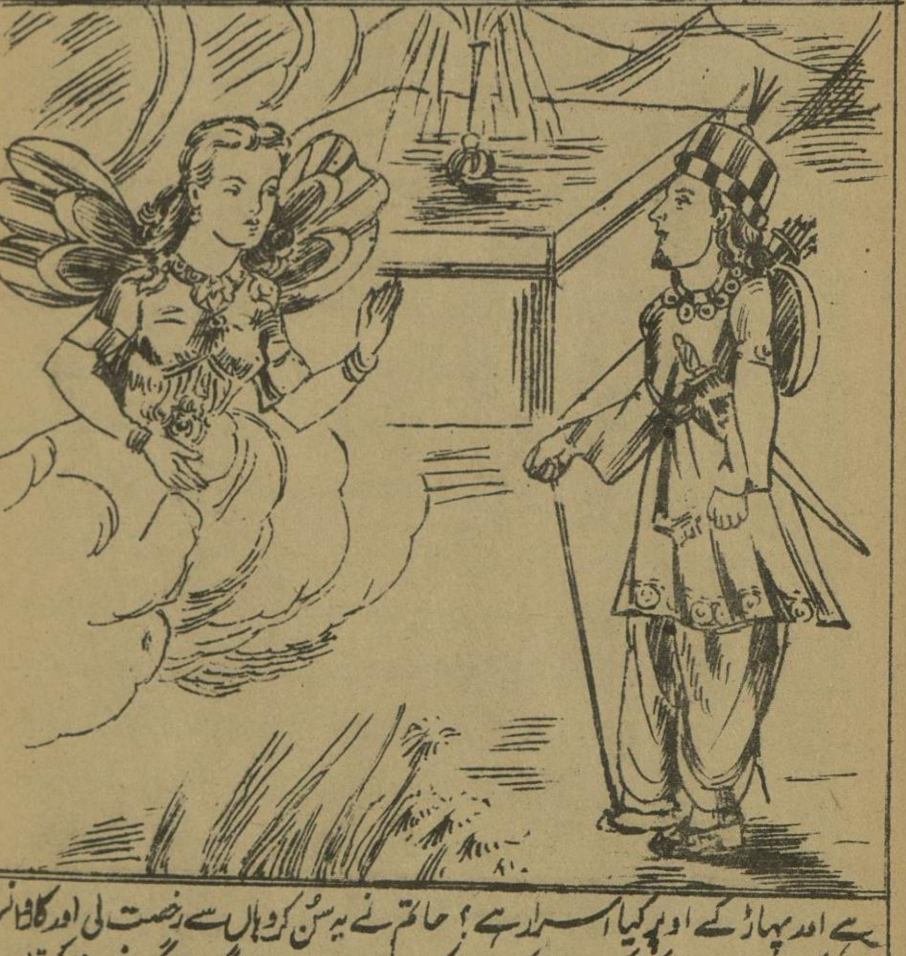

ہے اور پہاڑ کے اوپر کیا اسرار ہے؟ حاتم نے یہ سن کر وہاں سے رخصت لی اور کانا نسرا میں آکر منیر شامی سے کہا کہ اب میں کوہ ندا کی خبر لینے جاتا ہوں۔ اگر زندگی نے وفا کی تو اس بات کی تحقیق کر کے پھر تجھ سے ملتا ہوں۔ ورنہ مرضی خدا کی۔ تم کسی بات کا خطرہ نہ کرنا غرض حاتم نے دو چار باتیں نصیحت آمیز منیر شامی سے کہہ کر جنگل کی راہ لی۔ جس بستی میں جاتا اُن سے پوچھتا کہ اے عزیز اگر تم میں سے کوئی کوہ ندا کی راہ سے واقف ہے تو مجھے بتا دے۔ یہ بات سن کر لوگ حیران ہوتے اور کہتے کہ اتنی عمر ہوئی ہم نے نام بھی نہیں سنا

جوانمرد بن دیکھے راہ طے کرتا چلا جاتا تھا۔ ایک مہینے کے بعد کسی شہر کے نواح میں جا پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ مزدور اس شہر کے صحرا میں جمع ہوئے ہیں۔ یہ انہیں کی طرف چلا۔ انہوں نے جو دیکھا کہ ایک شخص چلا آتا ہے۔ وہ سب کے سب اس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے۔ مرحبا، خوب آیا۔ تو کہاں تھا۔ ہم تیرے منتظر ہیں۔ حاتم آگے گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے ہیں۔ اور ایک جنازے کے گرد بہت سے لوگ بیٹھے ہیں۔ حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ اس مُردے کو کیوں نہیں گاڑتے اور اس قدر کیوں روتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہماری قوم کی یہ رسم ہے کہ کوئی شخص کیا امیر کیا غریب مر جاوے تو ہم اس کے جنازے کو جنگل میں لے آتے ہیں۔ اور کھانے بہت سے ستھرے پکا کر ایک دسترخوان پر چُن کے مسافر کی راہ دیکھتے ہیں۔ اگر کوئی مسافر اس عرصہ میں آیا تو مُردے کو گاڑ دیتے ہیں اور کھانا مسافر کو کھلا دیتے ہیں۔ سات روز ہوئے یہ مردہ اسی طرح پڑا ہے کوئی اب تک نہیں آیا۔ ہم عجیب مصیبت میں گرفتار تھے۔ کہ ہر روز کھانا شام کے وقت عورتوں کو بھیج دیتے تھے۔ اور آپ یوں ہی پڑے رہتے تھے۔ الحمدللہ سات روز کے بعد تیری صورت دیکھی اب دفن کریں گے حاتم نے کہا اگر مہینہ بھر تک کوئی مسافر یہاں نہ آوے تو اس مُردے کا کیا حال ہو۔ اور تم کس صورت سے جیئو۔ اُنہوں نے کہا ساتویں روز مسافر بالضرور آتا ہے۔ اگر پندرہ روز تک نہ آئے تو تمام دن روزہ رکھ کر شام کے وقت پانی پئیں۔ اور ایک مردہ ایک ماہ تک نہیں سڑتا۔ حاتم نے کہا اگر اس سے زیادہ مدت گذرے تو اُس وقت کیا کرو گے۔ وہ بولے۔ ایسا ہو تو مردے کو دفن کریں اور تمام مرد و زن چھ ماہ تک روزہ رکھیں شام کو توبہ کریں اور روزہ افطار کریں اور بہت سی خیرات کریں۔ تب اپنے کام میں مشغول ہوں۔ یہ سنکر حاتم حیران ہوا۔ اور اُنہوں نے اس مُردے کو تہ خانہ میں اوتار کر فرش بچھا کر اس پر رکھا اور طرح طرح کے کھانے اور خوشبو کی بتیاں روشن کر کے سات بار اس کے گرد پھیر کر قدمبوس ہو کر باہر نکل آئے اور دسترخوان پر جا بیٹھے۔ پھر حاتم سے کہا اے مسافر پہلے کھانے میں تو ہاتھ ڈال اور پیٹ بھر کر کھا۔ یہ قبول ہو۔ اور تیری توجہ سے ہم بھی روزہ کھولیں۔ یہ سُنکر حاتم کھانے لگا اور سب بھی شریک طعام ہوئے۔ اس کے بعد جو بچا ہر ایک نے اپنے اپنے گھر بھجوا دیا۔ اور ان کی عورتوں نے کھایا۔ پھر وہ

نہائیے۔ اور کپڑے پہن کر چلے۔ اور حاتم سے کہا۔ اے جوان اگر تیرا جی چاہے تو چند روز ہمارے گھر مہمان رہ۔ حاتم نے کہا۔ بہت بہتر تمہاری خاطر اور دو چار روز رہ سکتا ہوں غرض وہ اس کو شہر میں لے گئے۔ اور ایک مکان ستھرا سا اس کے رہنے کو خالی کر دیا۔ اور خورد و نوش کے لوازم خوبصورت لونڈیاں سمیت بھجوا دیئے۔ حاتم نے اپنے دل میں کہا کہ یہاں کی عجیب رسم ہے۔ اگر میں ان کاموں سے فراغت پاؤں اور خدا میرا مطلب پورا کرے تو میں بھی اپنے شہر میں جا کر اسی طرح مہمانداری کروں۔ اور وہ عورتیں آرزومند تھیں کہ اس جوان کا جی ہم میں سے جس کو چاہے اس سے بشوق تمام ملے اور شراب وصل خوب پیئے۔ لیکن حاتم نے کسی کی طرف بھی خواہش کی نظر سے نہیں دیکھا صحبت کرنے کا تو کیا ذکر۔ جب سات روز گذر گئے۔ تب ان عورتوں نے اپنے سرداروں سے حاتم کی نیک ذاتی اور نیک نیتی کی خبر دی۔ حاکم شہر نے اس کو روبرو بلوایا اور عزت و حرمت سے مسند پر بٹھایا۔ اور کہا اگر شہر میں بود و باش اختیار کرو تو عین مہربانی ہے اور میں بھی اپنی بیٹی تیری خدمت میں دوں۔ حاتم نے کہا کہ مجھ کو ایک ضروری کام درپیش ہے۔ اس سبب سے ناچار ہوں نہیں تو رہتا۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ اگر ہم بھی اس کام سے مطلع ہوں تو تیری رفاقت کریں۔ حاتم نے التماس کیا کہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے ساتھ تکلیف کھینچے۔ وہ بولا کہ اے جوان اگر ساتھ نہیں لیتا تو اتنا کہہ دے کہ وہ ایسا کام کیا ہے۔ حاتم نے کہا کہ ایک عورت حسن بانو نامی سات سوال رکھتی ہے۔ جو کوئی اس کا بخوبی جواب دے وہ اپنا نکاح اس کے ساتھ کرے۔ حاصل یہ ہے کہ شہزادہ منیر شامی اس پر عاشق ہوا ہے۔ نہ جدائی کی طاقت رکھتا ہے نہ وصال کی قدرت۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اس کے سوال پورے کرے۔ مگر اس کے فراق میں جنگل میں روتا پھرتا ہے۔ اتفاقاً ایک دن مجھ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے جو اس کو بحال تباہ آہیں بھرتا دیکھا نہایت غمگین ہوا بلکہ رو دیا۔ آخرکار میں تاب نہ لا سکا۔ برائے خدا اس کے لئے مسافرت اختیار کی۔ خدا کے فضل سے اس کے چار سوال پورے کر چکا ہوں۔ اب پانچویں سوال کی باری ہے اور وہ یہ ہے کہ کوہ ندا کی خبر لانا چاہیئے۔ اس تلاش میں چھ ماہ گذر گئے۔ جس سے پوچھتا ہوں کوئی نہیں بتاتا۔ اگر تجھ کو خبر ہو تو بتا۔ یہ بات سن کر اس دیرینہ سال نے کہا میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ دکھن کی طرف طلسمات ہے اور بائیں طرف شہر

عالیشان آباد ہے وہاں آجتک کسی نے مُردہ نہیں دیکھا نہ قبر دیکھی ۔اور نہ کوئی کسی کو روتا ہے ۔ یہ ماجرا سُن کر حاتم نے کہا مجھے اس سمت جانا ہے ۔ وہ بولا اے عزیز سُنی ہوئی راہ کیسے طے کر سکتا ہے ۔ حاتم نے کہا ۔ جو مجھے یہاں لایا ہے وہ وہاں بھی پہنچائیگا اس سخن کو سن کر دیرینہ سال نے بہت سا زر و جواہر اس کے سامنے رکھ دیا ۔ حاتم نے اس میں سے خرچ راہ کے موافق لیا اور باقی فقیروں کو دے کر اُسی طرف کا راستہ لیا ۔ ایک مدت کے بعد ایک شہر کے قریب جا پہنچا اور اس کے گرد و پیش کوئی قبر نہ دیکھی ۔ جانا کہ وہ شہر یہی ہے ۔ اندر گیا ۔ وہاں کے رہنے والوں نے پوچھا کہ اے جوان تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا ؟ حاتم نے کہا شاہ آباد سے آیا ہوں اور کوہ ندا کو جاؤں گا ۔ اُنہوں نے کہا کوہ ندا کا راستہ یہاں سے بہت دُور ہے تو نہ جا سکے گا ۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ تو آج کی رات یہیں رہ جا ۔ ہمارا دال لیا قبول کر ۔ حاتم یہ بات سُن کر ٹھیر گیا ۔ وہاں ایک آدمی کئی دنوں سے بیمار تھا ۔ اس کے وارثوں نے لوگ جمع کر کے اُسے ذبح کر کے آپس میں گوشت بانٹ لیا ۔ اور یہ شخص جس نے حاتم کو مہمان رکھا تھا اپنا حصہ پکا کر پانی کا ایک کوزہ اور دو چار روٹیاں حاتم کے پاس شام کے وقت لے آیا اور کہنے لگا کہ اے مسافر اس کو کھا ۔ حاتم کھاتے ہی کہنے لگا کہ میں نے کبھی ایسا گوشت نہیں کھایا ۔ اُس نے کہا البتہ تو نے جانوروں کا گوشت کھایا ہو گا ۔ لیکن یہ آدمی کا ہے ۔ ایسا نہ کھایا ہو گا حاتم نے کہا تم آدم خور ہو ۔ تم سے ڈرنا چاہیئے ۔ شاید کسی مسافر کو تم نے مارا ہو گا ۔ اس کا گوشت کھایا چاہتے ہو ۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا یہی قاعدہ ہے کہ جو مسافر بھولا بھٹکا یہاں آنکلتا ہے تم اس کو ذبح کر کے گوشت بانٹ کر کھا لیتے ہو ۔ وہ بولا ۔ اے مسافر توبہ کر خدا سے ڈر ۔ مسافروں کو مار کر ہم نہیں کھاتے ۔ حاتم نے کہا یہ دو طرفہ ماجرا ہے کہ آپ ہی تو کہتا ہے کہ گوشت آدمی کا ہے ۔ پس کوئی ہم جنس کو ذبح کر کے نہیں کھاتا مگر غیر کو ۔ اس شخص نے جواب دیا ۔ تو غلط سمجھا ہے ۔ ہمارے ملک کی یہ رسم ہے کہ جو کوئی بیمار پڑتا ہے اس کے قبیلے کے لوگ اس کو ذبح کر کے آپس میں گوشت کے حصے کر لیتے ہیں ۔ چنانچہ اس سبب سے سارے شہر میں اپنی موت سے کوئی نہیں مرتا اور نہ قبر بنتی ہے ۔ اس ماجرے کو سُن کر حاتم نے کہا ۔ لعنت خدا کی تمہاری ایسی رسم پر اور تمہارے شہر پر ۔ خدائے کریم اکثر بیماروں کو اچھا کرتا ہے

اور اکثر اچھوں کو مار ڈالتا ہے۔ پس جو بیمار ہو تم اُس کو ذبح کر کے کھا جاؤ۔ یہ فعل کس قوم میں درست ہے۔ یہ کیا ظلم ہے۔ اس حرکت سے سب کے سب گنہگار ہوتے ہیں۔ اور ہزاروں خون تمہاری گردن پر ہوتے ہیں۔ تمہارا دیکھنا روا نہیں۔ یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا، اور جنگل کی راہ لی۔ دُور جا کر کیا دیکھتا ہے کہ ایک شیر مارے بھوک کے زمین پر تڑپ رہا ہے۔ یہ حالت دریافت کر کے اس نے ہرن کو شکار کیا اور شیر کے آگے ڈال دیا۔ اس نے بخوبی تمام پیٹ بھر کر کھایا اور سجدۂ شکر ادا کر کے جنگل کی راہ لی اور حاتم نے بھی کچھ کباب کر کے کھائے۔ ایک پُرانے تالاب پر جا کر پانی پیا اور درگاہ الٰہی میں سجدۂ شکر ادا کر کے آگے کا راستہ لیا۔ جب کسی جنگل میں میوہ و دانہ نہ پاتا۔ اسی طرح شکار کر کے گوشت کھاتا۔ چند روز کے بعد ایک آبادی نظر آئی۔ اسکی طرف چلا۔ جب قریب پہنچا کیا دیکھتا ہے کہ بہت سے لوگ میدان میں آگ جلا کر اس کے گرد کھڑے ہیں۔ اس نے بڑھ کر پوچھا کہ اے یارو یہ کون سا ملک ہے اور تم کون ہو۔ اس جگہ اتنی لکڑیاں جمع کر کے آگ کیوں جلائی ہے۔ اُنہوں نے کہا اے فقیر تو اپنی راہ لے۔ تجھے اس کے دریافت کرنے سے کیا حاصل۔ یہاں کچھ رسوائی نہیں ہوتی جو ہم تجھے کہہ دیں۔ ہماری قوم سے جو ایک شخص مر گیا ہے اس کی جورو اس کے ساتھ جلتی ہے۔ حاتم نے کہا اے یارو تم اس مردے کو زمین میں کیوں نہیں گاڑ دیتے۔ اور اس عورت کو جیتے جی کیوں جلاتے ہو۔ اُنہوں نے کہا اے عزیز معلوم ہوا کہ تو یہاں کا رہنے والا نہیں۔ یہ ملک ہندوستان ہے یہاں کی یہی رسم ہے۔ حاتم نے کہا یہ رسم نہایت بد ہے۔ یہ کہہ کر وہاں سے رخصت ہوا اور کسی گاؤں میں جا پہنچا۔ ایک شخص سے پانی مانگا۔ وہ ایک کٹورہ دودھ کا اور ایک میٹھے پانی کا لایا اور کہا ان دونوں میں سے جسے چاہے پی لے۔ حاتم نے دونوں پیالے پیئے۔ پھر کہا۔ اے مسافر! اس وقت میرے گھر میں اچھے خوشبودار باسمتی کے چاول پکے ہیں بلکہ تیار دھرے ہیں اگر تو کہے تو وہ بھی لے آؤں اس کے ساتھ کھا نہایت مزہ پائے گا۔ حاتم بولا کہ نیکی کا پوچھنا کیا ہے۔ دل میں اس کی ہمت پر آفرین کرنے لگا۔ غرض وہ ہندو ایک تھالی میں مٹھائی اور ایک میں چاول لے آیا۔ حاتم نے بخوبی کھایا۔ اور رات کی رات اسی گاؤں میں بسر کی۔ صبح ہوتے ہی اس ہندو کی جورو نے رسوئی کی تیاری کی اور کہا اس میں سے کچھ کھاؤ۔ اور دو چار دن یہیں

رہو تاکہ راہ ماندگی دور ہو۔ یہ بات سُنکر حاتم نے ان دونوں سے کہا کہ ہمت آفرین ہے یہ بات سُن کر اُنھوں نے نہایت عجز دنیاز سے کہا۔ ہم سے تمہاری خدمت کب ہوئی یہ کھانا معمولی لڑکوں کا موجود تھا وہی ہم بے تکلف لے آئے ہیں۔ اگر دو تین روز یہاں رہو تو البتہ ہم اپنے مقدور کے موافق کچھ خدمت بجالائیں گے۔ حاتم کے واسطے ایک پلنگ تکلف سے بچھایا اور اس کے آگے فرش بھی ستھرا صاف کر دیا۔ پھر اقسام اقسام کے کھانے پکوا کر اس کے سامنے رکھ دیئے اور کہا اس میں سے کچھ نوش جان فرمایئے تو مین احسان و مہربانی ہے۔ حاتم نے تو ایسے کھانے کبھی نہ کھائے تھے۔ ان کو کھا کر بہت محظوظ ہوا۔ اور بہت تحسین و آفرین کر کے کہنے لگا کہ یہ ہندوستان عجیب گلستان ہے مگر یہاں کی رسم بد ہے کہ زندہ عورتوں کو موئے خصم کے ساتھ دفن کرتے ہیں۔ اس کو سُنکر اُنہوں نے کہا چونکہ زن و شوہر باہم اُلفت رکھتے ہیں تبکہ آپس میں عاشق و معشوق ہوتے ہیں اس لئے حیف ہے کہ خاوند مرے اور جورو جیتی رہے۔ ہم بزور نہیں جلاتے وہ اپنی خوشی سے آپ جلتی ہے۔ اتفاقاً وہاں کا رئیس بیمار ہو کر دو چار ہی دن میں مر گیا۔ اس کی چار جوروئیں اور پہلی بیوی سے ایک لڑکا بھی تھا۔ جب اس کی ارتھی بنا کر چلے تب وہ چاروں کمخواب کے لہنگے پہن کر لال تاش کی ساریاں باندھ کر گہنے پاتے سے آراستہ ہو کر پھولوں کے ہار گلے میں ڈال کر بالوں کو بکھیر کر ساتھ ہولیں۔ قبیلے والے لوگ ان کے پاؤں پر گر پڑے کہ تم بھری پُری ہو تم کو چلنا مناسب نہیں۔ اُنھوں نے کسی کا کہنا نہ مانا۔ تب حاتم ان کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ اے پریزادو تمہیں شرم نہیں آتی جو اپنے گھر سے نکل کر نامحرموں میں آئی ہو۔ اور ایک مردے کے ساتھ جلنا چاہتی ہو۔ وہ ہنس کر کہنے لگیں کہ اے جوان تجھے ہمیں دیکھنے سے حیا نہیں آتی۔ ہم تو مُردے ہیں ہم کو تیرے پردے کی خبر نہیں کیونکہ وہ کونسا دن تھا جو ہم نے اس مُردے کے ساتھ عیش و آرام کیا تھا۔ اب جو وہ مر گیا ہے تو ہم اس سے جُدا ہوں اور جیتی رہیں۔ یہ محبت سے اور مروت سے دور ہے۔ اس کے سوا تمام عمر آتش غم میں جلنا پڑے گا۔ اس سے بہتر ہے کہ ہم اس کے ساتھ ہی جل بجھیں جو تمام عمر کے غم سے چھوٹیں گے۔ پرمیشور جانے کیونکہ اس بات سے جی ڈرتا ہے کہ کہیں شیطان اپنے مکر سے وسوسہ نہ ڈالے کہ جن کے سبب اپنے سوامی کو بھول کر کسی طرف بد نظر دیکھیں اور اس نے اپنی زندگی پر لعنت کی ہے

غرض انہوں نے حاتم کا کہنا نہ مانا۔ اور دیوانوں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھتی بھالتی وہاں تک پہنچیں پھر اس مُردے کو چتا میں رکھ کر آپ ہنستی ہوئی آئیں۔ کسی نے اس کا سر زانو پر رکھا اور کسی نے پاؤں گود میں لیے۔ یکایک چتا کو آگ لگادی۔ تب حاتم نے جانا کہ یہ اس آگ سے ڈر کر بھاگ اُٹھیں گی۔ یہ گمان غلط ہوا۔ اور ہنسی خوشی اس کے ساتھ مل کر راکھ ہو گئیں۔ حاتم یہ احوال دیکھ کر گھبرایا اور افسوس کرنے لگا۔ جب وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے تب حاتم بھی ہندوؤں کے ساتھ آیا۔ اس نے کہا یہ عورتیں اپنی خوشی سے جلتی ہیں۔ کوئی ان پر زبردستی نہیں کرتا۔ اور محبت کی شرط یہ ہی ہے۔ حاتم نے کہا یہ سچ ہے اور وفاداری کا بھی یہی طریقہ ہے۔ غرضیکہ کئی روز کے بعد حاتم نے پھر کہا کہ اے یارو مجھے کوہ ندا کی طرف جانا ہے رخصت کرو۔ یہ بات سُن کر ہندوؤں نے کہا کہ اے جوان کوہ ندا یہاں سے بہت دُور ہے تو نہ پہنچ سکے گا۔ حاتم نے پھر کہا اے عزیزو مجھے رخصت کرو۔ یہ کہہ کر گاؤں گاؤں ملک ملک کی سیر کرتا ہوا اُتر کی طرف پہنچا۔ ایک شہر دکھائی دیا۔ جب قریب پہنچا تو لوگوں کو دیکھا کہ بہت سے لوگ جمع ہیں اور شور و غل کرتے ہیں۔ اس نے جا کر پوچھا اے یارو اس شور و غل کا کیا سبب ہے؟ کسی نے کہا یہاں کے رئیس کی بیٹی مر گئی ہے اور ہم سب چاہتے ہیں کہ اس کے خاوند کو اس کے ساتھ جیتا گاڑ دیں۔ وہ اس بات کو قبول نہیں کرتا۔ اسی واسطے یہ شور و غل ہے۔ حاتم نے کہا تمہارا رئیس کہاں ہے۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔ میں اس سے کچھ کہونگا۔ یہ بات سُنکر وہ اس کو اپنے سردار کے پاس لے گئے۔ حاتم نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ اے بزرگ! تمہاری کیا رسم ہے جو جیتے کو مُردے کے ساتھ گاڑتے ہو۔ اور اس پر یہ غضب کہ وہ غریب راضی نہیں۔ اس پر زبردستی کرتے ہو اور خدا سے نہیں ڈرتے ہو۔ اُس نے کہا۔ اے عزیز یہ جوان بھی تیری طرح مسافر اس شہر میں وارد ہوا تھا۔ چند روز یہاں رہ کر میری بیٹی کو چاہنے لگا اور فوراً ہم لوگوں میں مل گیا۔ اس شہر کا دستور ہے کہ جب تک لڑکی یا لڑکا اپنی جوانی پر نہیں آتا تب تک ہم لوگ اپنی رغبت سے نہیں بیاہتے۔ جب تک آپس میں عشق و محبت میں حد سے نہ گذر جائیں۔ یہاں تک کہ ہر ایک اپنی خوشی سے اقرار کرے کہ جو کوئی ہم میں سے مر جاوے تو اس کے ساتھ دوسرا گڑے گا۔ تب ہم دونوں کو بیاہ دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ جوان بھی رسم سے آگاہ ہو کر اس لڑکی پر عاشق ہوا تھا۔ جب محبت کامل دیکھی تب اس کے ساتھ دفن کرتے ہیں۔ یہ کیا ناانصاف امر ہے کہ ایک مدت تک عیش کرتا رہا

اور اس کے باغ جوانی سے گل مُراد لوٹتا رہا۔ اب جو مر گئی تو یہ اپنی خوشی سے اس کے ساتھ نہیں گڑتا اور اپنے اقرار پر ثابت قدم نہیں رہتا۔ تم ہی بتاؤ کس کا قصور ہے۔ ہم زبردستی کسی کو نہیں گاڑتے۔ اگر اس کو باندھ کر قبر میں رکھ دیں تو البتہ ظلم ہے۔ تو ہی پوچھ کہ اپنے قول سے یہ کیوں پھرتا ہے۔ یہ بات سُنکر حاتم اس کے پاس گیا اور کہنے لگا اے جوان تو کس لئے اپنے کہنے پر عمل نہیں کرتا۔ کب تک جیئے گا۔ آخر مرنا ہے۔ بہتر ہے کہ جو کچھ کہا اس پر ثابت قدم رہ۔ اس نے کہا۔ اے جوان تو بھی اُنہیں میں مل گیا۔ اپنے شہر کا دستور کیوں نہیں بیان کرتا۔ حاتم نے کہا میں کیا کہوں، تو آپ ہی اقرار کر چکا ہے۔ اب پھرنے سے تجھے شرم نہیں آتی۔ اُس نے کہا۔ یہ مجھ سے کبھی نہ ہوگا جو میں ان کا کہا مانوں اور جیتے جی مردے کے ساتھ گڑوں۔ حاتم نے معلوم کیا کہ سب بے گاڑے نہ رہیں گے اور یہ بھی اپنی خوشی سے نہ گڑے گا۔ اس بات کا لحاظ کر کے اپنی بولی میں کہا تو خاطر جمع رکھ میں تجھے رات کو نکال لوں گا پر اب ان کے سامنے گڑ۔ اس نے کہا میں تیرے نکالنے تک کیونکر جیتا رہوں گا۔ حاتم نے تسلی کر کے لوگوں سے کہا کہ یارو یہ اجل گرفتہ اپنی بولی میں کہتا ہے کہ ہمارے شہر کا یہ دستور ہے کہ قبر حجرے کے طور پر بناتے ہیں۔ اگر تم بھی اسی طرح بناؤ گے تو اپنی خوشی سے گڑوں گا۔ اس سخن کو سُنکر وہ کہنے لگے کہ بات حاکم سے تعلق رکھتی ہے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ جو کہے گا وہی کریں گے۔ حاتم ان سبھوں کو ان کے حاکم کے پاس لے گیا۔ وہ کہنے لگا خداوند یہ شخص گڑنے پر راضی نہیں اور کہتا ہے کہ جس طرح میرے ملک میں قبر بنتی ہے اگر اس ڈھب کی قبر بناؤ گے تو میں قبول کرونگا۔ حاکم نے کہا کس طرح کی بنتی ہے۔ حاتم نے کہا حضرت سلامت کوٹھری کی طرح بہت بڑی کہ جس میں دس بیس آدمی اچھی طرح لیٹ جائیں۔ یہ بات حاتم کی زبان سے سنتے ہی حاکم نے کہا کہ جس طرح یہ کہے بموجب اس کے کہنے کے کرو۔ یہ سُنکر وہ لوگ پھر آئے اور ایک قبر ایسی ہی بنوائی۔ تب حاتم نے لوگوں کی آنکھ بچا کر اس سے کہا کہ اندیشہ نہ کر، وقت شب تجھے نکال لونگا۔ وہ اس کلمہ سے راضی ہوا۔ اور لوگوں سے کہنے لگا اے یارو اب دیر نہ کرو کہ جو تم چاہتے ہو مجھے قبول ہے۔ آخر اُنہوں نے ان دونوں کو گاڑ دیا اور ایک پتھر سے اس کے منہ کو بند کر کے مع حاتم شہر کو گئے۔ پھر اس کی مہمانداری کی۔ اور ایک مکان ستھرا سا رہنے کو دیا۔ حاتم پھر رات

ہونے کا منتظر تھا۔ کہ کسی طرح اس شخص کو قبر سے باہر نکالیئے۔ جب رات ہوئی اور گھر والے سو رہے حاتم اپنے بچھونے پر سے اُٹھا اور اس گور کی طرف چلا اس ملک یہ دستور تھا کہ تین روز تک مُردہ کی قبر پر ان کے وارث تمام رات جا کر جاگا کرتے تھے اور گھر نہ آتے تھے اور عورت کا منہ دیکھیں چنانچہ اسی سبب سے حاتم کو قابو نہ چلا۔ چوتھے روز حاتم اس گور پر گیا اور وہ شخص جو اس میں دفن تھا حاتم کو بہت سخت سست کہہ رہا تھا۔ الغرض حاتم نے پکارا۔ وہ بولا۔ میں جانا کہ شاید مر گیا۔ پھر پکارا کہ اے جوان میں تجھے نکالنے آیا ہوں۔ اس نے جواب نہ دیا۔ حاتم نے پھر پکارا۔ پھر بھی نہ بولا۔ حاتم کو یقین ہو گیا کہ بیشک مر گیا۔ کمال افسوس ہوا۔ اور بے اختیار رونے لگا۔ تیسری بار بآواز بلند پکارا۔ اے جوان اگر جیتا ہے تو جواب دے۔ ورنہ میں اپنا وعدہ وفا کر چکا تو تا قیامت یہیں رہے گا۔ وہ یکایک چونک پڑا، اور نا بدان کے پاس آ کر کہنے لگا۔ اے شخص تو کون ہے۔ حاتم نے جو اسکی آواز سُنی، سجدۂ شکر بجا لایا اور کہا کہ میں وہی ہوں جو تجھ سے وعدہ کر گیا تھا۔ یہ کہہ کر خنجر سے قبر کھود کر نکالا اور بعد ایک ساعت کے کھانا کھلا کر کہا کہ اب جدھر تیرا منہ اُٹھے چلا جا۔ اس نے کہا کہ میرے پاس خرچ نہیں۔ حاتم نے کئی درہم دیکر رخصت کیا۔ اور اس قبر کو درست کر کے اپنی جگہ پر سو رہا۔ صبح کو اُٹھ کر لوگوں سے کہا کہ کوہ ندا کا راستہ بتاؤ میں جاؤں۔ انہوں نے کہا جاؤ یہاں سے قریب ہے۔ تھوڑے فاصلے پر ایک دوراہا ملے گا اگر داہنی طرف کو جایئے گا تو منزل مقصود کو پہنچے گا۔ حاتم ان سے رخصت ہوا اور دس روز تک رات دن چلا گیا۔ بعد طے منازل گیارھویں دن اسی دوراہے پر جا پہنچا اور اسکی نصیحت کو بھول کر بائیں طرف جا نکلا۔ حیف ہے کہ جس راہ کو اس نے منع کیا تھا اسی پر جا پہنچا، اور دو دن کے بعد کیا دیکھتا ہے کہ تمام جانور درندے کیا گزندے بھاگے ہوئے چلے آتے ہیں۔ یہ ایک کونے میں کھڑا ہو کر دیکھنے لگا کہ شاید کوئی درندہ پیچھے پڑا ہے جو اپنا جی چھوڑے گرتے پڑتے چلے آتے ہیں۔ یہ سمجھ کر درخت پر چڑھ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ بڑے بڑے ہاتھی اور گینڈے بھی گھبرائے ہوئے بے اختیار دوڑے چلے آتے ہیں اور ان کے پیچھے ایک چھوٹا سا جانور مہیب صورت چراغ سی آنکھیں سر پر دُم چھتر کئے ہوئے چلا آتا ہے۔ حاتم ڈرا کہ کوئی بلائے عظیم ہے کہ جس کے ڈر سے اتنے بڑے جانور اور درندے بھگے چلے آتے ہیں۔ میں غریب کس شمار میں ہوں۔ مستعد

ہو کر خنجر نکال لیا۔ اتفاقاً وہ جانور اسی درخت کے نیچے آیا۔ اور آدمی کی بو پاتے ہی غرغرا کر اچھلا۔ حاتم نے ایک خنجر ایسا مارا کہ دونوں ہاتھ قلم ہو گئے۔ گر پڑا۔ اور پھر سنبھل کر نہایت غضب سے لپکا۔ حاتم نے پھر اس کے پیٹ میں ایک خنجر مارا کہ انتڑیاں نکل پڑیں۔ زمین پر گر پڑا۔ اور گرتے ہی پیشاب کر کے دُم کو اس میں بھگو کر ہلانے لگا۔ جہاں جہاں اس کی بوندیں پڑیں وہاں آگ لگ گئی۔ جب اس درخت کے پاس پہنچی حاتم جست کر کے ایک چشمہ میں جا پڑا۔ اور وہ جانور مر گیا۔ جب وہ آگ بجھ گئی تب حاتم اس پانی سے نکل کر اس درخت کے نیچے آیا اور اس جانور کے دانت جو خنجر کے برابر تیز تھے اُکھاڑ لیئے اور دُم کانوں سمیت کاٹ کر ترکش میں ڈال لیئے اور چل نکلا کئی دن کے بعد ایک قلعہ دکھائی دیا اُسی طرف متوجہ ہوا۔ جب نزدیک پہنچا تو سنسان دکھائی دیا۔ اس کے کنگورے آسمان سے لگے دیکھے اور بڑی بڑی عمارتیں آئینہ دار اس میں چمک رہی ہیں۔ وہ چوپڑ کا بازار نہایت ستھرا اور صاف آراستہ ہو رہا ہے اور ہر شے دوکانوں میں موجود ہے مگر آدمی کا پتہ مفقود یہ دیکھ کر حیران ہوا۔ اور دل میں کہنے لگا کہ کوئی دیو اس شہر میں آتا ہے کہ جس کے ذریعہ سے یہاں کے لوگ دوکانیں چھوڑ کر بھاگے۔ یہ سوچ کر آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ خاص قلعہ شاہی میں پہنچا۔ یہ بادشاہ اپنے آل و عیال اور اجناس سمیت رہتا تھا۔ دو چار نوکر بھی باہر دروازے کے دریچوں میں بیٹھے تھے۔ حاتم کو دیکھ کر بولے کہ مدت کے بعد ایک مسافر شہر میں آیا ہے۔ دوسرے نے کہا۔ اسکو پکارو کہ ادھر آئے۔ یہ بات سن کر ایک شخص نے پکارا۔ حاتم ایک دریچہ کے پاس کھڑا ہو رہا۔ بادشاہ نے کھڑکی میں سے سر نکال کر کہا۔ اے جوان تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا؟ حاتم نے کہا کہ یمن کے رہنے والوں میں سے ہوں۔ شاہ آباد سے آیا ہوں۔ کوہ ندا کو جاؤں گا۔ یہ بات سن کر بادشاہ نے کہا۔ اے جوان تو راہ بھول گیا جو بائیں طرف سے آیا ہے۔ شاید تیری موت یہاں تجھے لائی ہے۔ حاتم نے کہا مرضی حق پر راضی ہوں لیکن اے شخص تو اپنا ماجرا کہہ۔ اُس نے کہا کہ میں یہاں کا بادشاہ ہوں۔ اور اس ملک میں چند روز سے ایک بلائے عظیم آتی ہے اس سبب سے کیا رعیت کیا سپاہ چھوڑ کر چلے گئے اور شہر ویران ہو گیا۔ لیکن وہ بھی بے قصور ہیں کیا کریں کیونکہ شیر کی طاقت نہیں جو عہدہ بر ہو سکے۔ اور میں اپنی شرم و حیا سے اہل و عیال سمیت قلعہ بند ہو گیا ہوں۔ طاقت نہیں رکھتا کہ اسے مار سکوں

ناچار ہو کر گوشہ گیری توکل بخدا کی۔ حاتم نے کہا اے بادشاہ وہ بلائے ناگہانی کیا کوئی دیو ہے یا کوئی درندہ عظیم ہے۔ کہ کوئی اس کی تھاہ ہی نہیں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اس کا مسکن کوہ قاف ہے۔ مگر تھوڑے دنوں سے یہاں اس کا گذر ہونے لگا ہے۔ اسی باعث سے تمام ملک ویران ہو گیا۔ ہر روز اس کا ایک وقت آتا اور دو چار آدمیوں کو کھا کر چلے جاتا۔ آج تک قدم قلعہ میں نہیں آیا۔ اس واسطے ایک خندق عظیم اس کے گرد پانی سے مدام بھری رہتی ہے۔ معلوم نہیں وہ کیا ہے۔ یہ سُنکر حاتم بولا۔ اے بادشاہ تجھے مبارک ہو کہ میں نے فلاں جنگل میں اُس کو مارا ہے۔ خدا مسبب الاسباب ہے کہ میں کوہ ندا کی راہ بھول کر بائیں طرف آنکلا۔ حاتم نے پھر تمام ماجرا اس جانور کا اور اپنا بیان کیا۔ اس بات کو سنتے ہی بادشاہ اپنے قلعہ سے اُترا۔ اور حاتم کو اپنے گلے لگایا اندر لے گیا۔ بعزّت تمام مسند پر بٹھا کر اقسام اقسام کے کھانے منگوا کر اس کے سامنے چنوائے۔ حاتم نے بخوبی تناول فرمایا۔ اور بادشاہ بھی اس کا شریک طعام رہا۔ پھر آپ خاصہ منگوا کر نوش جان کیا اور اس کو بھی کھلایا۔ اس کے بعد بادشاہ نے کہا مَیں کیونکر باور کروں کہ وہ بلا ماری گئی۔ حاتم نے اس کے دانت اور دُم ترکش سے نکال کر دکھلائے۔ بادشاہ ان کے دیکھتے ہی حاتم کے پاؤں پر گر پڑا، اور بہت شکر گذاری کی۔ پھر ہر طرف لوگوں کو شقتے پروانے بھیجے کہ وہ بلا دفع ہوئی۔ تم بے دھڑک آکر اپنے ملک میں بسو، اور بخوبی اوقات بسر کرو۔ چند روز کے بعد حاتم نے رخصت چاہی، اور عرض کی کہ ایک رہبر میرے ساتھ کرو کہ کوہ ندا کا راستہ بتا دے۔ بادشاہ نے فرمایا۔ اے جوان یہ شہر خدا کے فضل سے آباد ہو جائے گا اسے اپنا ہی سمجھو۔ یہیں بود و باش اختیار کرو۔ میں اپنی بیٹی تمہاری خدمت میں دیتا ہوں۔ اس کو قبول کرو۔ حاتم نے کہا۔ جب تک مَیں بندگانِ خدا کے کاموں سے فراغت نہیں پاتا۔ عیش حرام جانتا ہوں۔ بادشاہ نے یہ کلام سُنکر کہا، آفرین تیری ہمت پر۔ ایک رہبر دے کر رخصت کیا۔ حاتم اس کے ساتھ ہوا۔ تھوڑی دُور جا کر وہ کہنے لگا۔ اے حاتم کوہ ندا کو یہی سیدھی راہ ہے۔ حاتم ادھر متوجہ ہوا۔ پھر ایک شہر میں پہنچا۔ وہاں کے لوگ اس کے حاکم کے پاس لے گئے۔ اس نے اُٹھ کر تعظیم کی اور پوچھا کہ

اے مسافر تو کہاں سے آیا ہے اور اس شہر سکندر آباد میں کیونکر تشریف لایا ہے۔
اب تو دیکھا حال سچ کہہ۔ حاتم نے کہا مجھ کو حسن بانو بنت برزخ سوداگر کی بیٹی نے بھیجا
ہے کہ تو جا کر کوہ ندا کی ٹھیک ٹھیک خبر لا۔ حق تو یہ ہے کہ میں نے بہت رنج اٹھائے
اب اس بات کا امیدوار ہوں کہ اگر تم اس بھید سے واقف ہو تو عند اللہ کہہ دو میں
بندہ نوازی ہے اور مسافر پروری۔ کیونکہ میرے نصیب راستے سے معطل ہو جائیں رئیس
شہر نے کہا۔ کوہ ندا کا ایسا راز نہیں جو سرسری بیان ہو سکے اگر تو چند روز یہاں رہیگا
تو معلوم ہو جائے گا۔ حاتم نے کہا بہت اچھا۔ حاتم نے اس کے رہنے کو مکان عالیشان دیا
اکثر آپ بھی شریک صحبت رہتا۔ ایک روز حاتم بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں
کوہ ندا کا ذکر آ گیا۔ تو بیان کرنے لگے۔ جس کے قلعہ کی ہر ایک دیوار آسمان سے
باتیں کر رہی ہے اور اس سے خود بخود ایک آواز پیدا ہوتی ہے۔ یہ اسی گفتگو میں
تھے کہ ایک آواز پہاڑ کی طرف سے آئی۔ یا اخی یا اخی اس مجلس میں سے ایک جوان
خوشرو دوڑا لوگوں نے اس کے وارثوں سے جا کر کہا فلاں شخص کی کوہ ندا سے طلب
ہوئی ہے۔ وہ اس بات کے سنتے ہی دوڑے دیکھا کہ اس کا تمام منہ سرخ ہو رہا
ہے۔ لوگ اس کے گرد ہیں۔ وہ بے اختیار کوہ ندا کی طرف چلا جاتا تھا۔ یہ حال دیکھ
کر حیران ہو کر حاتم پوچھنے لگا۔ اے یارو اس جانور کو کیا ہوا ہے کہ دوڑا جاتا ہے
نہ کچھ کہتا ہے نہ سنتا ہے۔ لوگوں نے کہا اس کو کوہ ندا سے آواز آئی ہے۔ شتابی آ۔
حاتم نے معلوم کیا کہ کسی نے بلایا ہے جو دوڑا جاتا ہے۔ اس بات کو سوچ کر اس کو
پکڑ لیا اور کہا اے بھائی یہ مروت سے بعید ہے جو تو نہیں بتاتا۔ برائے خدا کہہ دے
کہ کس کے بلانے پر ہم سب کو چھوڑے جاتا ہے۔ غرضیکہ حاتم نے ہر ممکن کوشش
کی اور سر پٹکا۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا اور ہاتھ جھٹک کر بھاگا اور پہاڑ کے نیچے
جا پہنچا۔ حاتم بھی جا لپکا۔ وہ نظروں سے پہاڑ پر غائب ہو گیا۔ اس نے ہر چند
نظر کو دوڑا کر دیکھا پر کچھ پتہ نہ چلا۔ صرف پتھر ہی پتھر نظر آئے۔ بہت حیران
ہوا۔ آخر سب کے ساتھ شہر میں آیا۔ حاصل یہ ہے۔ کہ ہر شخص اپنے اپنے
گھر کو آیا۔ پر کوئی اس کے واسطے نہ رویا۔ بلکہ بہت سا کھانا وغیرہ دیا۔ حاتم نے
پوچھا تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ اس پر کیا گذری۔ انہوں نے جواب دیا تو

بھی موجود تھا۔ جو تُو نے دیکھا۔ یہ سُنکر حاتم چپ ہو رہا۔ اور اس جوان کے واسطے آبدیدہ ہو کر کہنے لگا کہ افسوس دُنیا ہیچ ہے۔ اُنہوں نے کہا اے جوان ہمارے ملک کی یہ ہی رسم ہے۔ اگر ایسا کمرے گا تو نکالا جائے گا۔ حاتم کہنے لگا کہ حسن بانو کو کیا جواب دونگا۔ غرض چھ مہینے حاتم کو اور گذر گئے۔ اور اس عرصہ میں اسی طرح سے پندرہ آدمی پہاڑ کی طرف گئے۔ اتفاقاً ایک شخص حاتم نامی وہاں بھی تھا۔ حاتم میں اور اس میں نہایت دوستی تھی۔ کہ ناگاہ کوہ ندا سے آواز آئی (یا اخی یا اخی) اس بات کے سُنتے ہی وہ بیچارہ متوجہ ہوا اور اس کے خویش و اقارب کو خبر پہنچی۔ کہ حاتم بلایا گیا۔ وہاں سب آکر جمع ہوئے اور اُسے گھیر لیا۔ تب حاتم کہنے لگا کہ یہ بھی اسی طرح جائے گا۔ افسوس ہے کہ مجھ کو اس کے ساتھ محبت ہوگئی تھی یہ بھی جُدا ہوتا ہے۔ میں اس کو ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ اس کا ساتھ دینا مجھ کو ضروری ہے جو ہونی ہو سو ہو۔ کیونکہ یہاں کے لوگوں سے کوہ ندا کا مفصل حال معلوم نہ ہوا۔ یہ بات دل میں ٹھیرا کر کمر ہمت باندھی۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کے پہاڑ کی طرف دوڑا۔ ہر چند کہتا تھا کہ بھائی یہ کیا احوال ہے۔ مجھے کون کھینچے لئے جا رہا ہے۔ وہ کچھ جواب نہ دیتا تھا۔ آخر کار جھنجلا کر بولا۔ اے بے مروّت یہ کیسی دوستی تھی۔ آخر ہم تو ایک مدت آپس میں رہے۔ تیری زبان کیوں بند ہوگئی۔ سچ کہہ تجھے کون لئے جاتا ہے وہ کچھ جواب نہ دیتا تھا۔ بلکہ حاتم کے ہاتھ سے اپنے تئیں چھوڑانے لگا۔ اور اتنا زور کیا کہ اس کے ہاتھ چھوٹ گئے اور حاتم زمین پر گر پڑا۔ تب وہ چلا۔ اور حاتم اس کے پیچھے چلا گیا۔ اور دونوں آگے پیچھے پہاڑ کے نیچے جا پہنچے۔ حاتم نے اُچھل کر دور سے اس کی کمر پکڑی۔ ہر چند اس نے چاہا کہ اس کو جُدا کرے لیکن جُدا نہ ہو سکا اسی طرح دونوں گرتے پڑتے پہاڑ کے اوپر جا پہنچے۔ جوں ہی قلعہ کے نزدیک گئے ایک کھڑکی دکھائی دی۔ دونوں لپٹے لپٹائے اس کے اندر چلے گئے۔ لوگوں کی نظروں سے غائب ہوئے۔ وہ ناچار وہاں سے حاتم کا افسوس کرتے ہوئے شہر میں آئے۔ اور حاکم کو خبر پہنچائی کہ مسافر بھی حاتم کے ساتھ اسی پہاڑ پر چلا گیا۔ اس بات کے سُنتے ہی حاکم غصے ہو کر کہنے لگا۔ کہ نادان آج تک کوئی بے بُلائے اس پہاڑ پر نہیں گیا

تم نے اس کو کیوں چھوڑا۔ اور کس واسطے جانے دیا۔ یہ پاپ اس غریب کا تمہاری گردن پر ہے۔ اُنہوں نے عرض کی۔ خداوند ہم نے اس کو بہت سمجھایا کہ وہاں نہ جا مگر ہمارا کہنا نہ مانتا۔ اور کہا کہ میرا یار جانی ہے میں ہرگز اس کو تنہا نہ چھوڑوں گا بلکہ جو مصیبت اس پر پڑے گی میں بھی اس میں شریک ہوں گا۔ غرض حاتم اور وہ جوان ایک میدان وسیع میں پہنچے۔ وہ ایک سبزہ زار نظر آیا۔ کہ نظر کام نہ کرتی تھی گویا فرش زمردیں چاروں طرف بچھا ہے۔ تھوڑی سی زمین اس میں سے خالی تھی۔ وہ جوان اس پر پاؤں رکھنے لگا۔ پاؤں رکھتے ہی چت گر پڑا۔ حاتم نے چاہا، کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھائے۔ اتنے میں اس کا مُنہ زرد ہوگیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں ہاتھ پاؤں سخت ہوگئے۔ اس کا یہ حال یہ دیکھ کر حاتم نے اپنے دل میں کہا یہ مر گیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ بے اختیار رونے لگا۔ اس عرصہ میں وہ زمین تڑق گئی۔ وہ جوان اس میں سما گیا اور وہ جگہ برابر ہوگئی۔ اس ماجرے کو دیکھ کر حاتم نے سجدۂ شکر ادا کیا، اور کہا دنیا فانی ہے۔ سب کو مرنا ہے۔ واقعی اب کوہ ندا کا حال کما حقہٗ معلوم ہوگیا۔ بس اب یہاں سے چلئے۔ یہ دُھن باندھ کر روانہ ہُوا۔ اور تمام دن پھرا۔ مگر اس کھڑکی اور قلعہ کا کھوج نہ پایا۔ خدا جانے کھڑکی کیا ہوئی۔ اور قلعہ کدھر گیا۔ سات روز تک حیران و سرگرداں بے آب و دانہ رہا۔ غرض جینے سے مایوس ہو کر دل میں کہنے لگا کہ اے حاتم تیری یہاں موت آئی ہے۔ جو تو بے بُلائے آیا۔ کیونکہ نہ وہ قلعہ نظر آتا ہے نہ وہ پہاڑ نہ وہ شہر۔ اتنے میں ایک دریا کے پاس جا پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ بڑے زور شور سے بہہ رہا ہے اور چھور نہیں ملتا۔ یہ نہایت متفکر ہُوا۔ اور کہنے لگا، کہ الٰہی اب اس سے کیوں کر پار ہوں۔ تیرے سوا کون ہے جو بیڑا پار کرے۔ اتنے ایک ناؤ نظر آئی کہ اِدھر ہی چلی آتی ہے۔ اس نے جانا کہ کوئی ملاح لئے چلا آتا ہے۔ جب کنارے آ لگی تو اس کو دیکھا کہ کوئی ملاح نہیں۔ متعجب ہو کر شکر خدا بجا لایا۔ سوار ہُوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک دسترخوان میں کچھ لپٹا ہُوا دھرا ہے۔ بھوکا تو تھا ہی فوراً ہاتھ بڑھا کر کھولا تو دو روٹیاں اور مچھلی کے کباب گرم تھے۔ چاہا کہ کھائے۔ ساتھ ہی دھیان آیا کہ شاید ملاح نے اپنے واسطے

رکھا ہو۔ اتنے میں ایک مچھلی نے دریا سے سر نکال کر کہا۔ اے حاتم! یہ تیرا حق ہے بے اندیشہ کھا۔ یہ کہہ کر غوطہ مار گئی۔ حاتم نے کھا کر پانی پیا اور شکر کیا۔ وہیں ایک آندھی ایسی چلی کہ تین دن میں کشتی کنارے پر جا لگی۔ حاتم اُترا، اور متوجہ شہر کا ہُوا۔ حاتم نے چاہا کہ اگر شہر ملے تو ان کی حقیقت لوگوں سے بیان کرے۔ حتیٰ کہ سات شبانہ روز چلتے چلتے گذر گئے۔ کہیں سُراغ نہ ملا۔ سرگرداں چلا جاتا تھا کہ پہاڑ نظر آیا۔ تین دن کے بعد اس کے نیچے جا پہنچا اور جس پتھر کو اُٹھا کر دیکھتا ہے اُس کے نیچے لہُو بہتا ہُوا پایا۔ فکر کرتے لگا کہ کس سے پوچھوں کیا ماجرا ہے۔ ناچار پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اور بارہ دن کے بعد اس پر جا پہنچا تو ایک میدان کف دست دکھائی دیا۔ کہ وہاں کی خاک اور جانور چرندے اور پرندے بیر بہوٹی کی طرح لال ہو رہے ہیں۔ حاتم بھوک پیاس بھول گیا اور قدم بڑھائے۔ چھ کوس تک چلا ہی گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ لہُو کا ایک دریا لہریں مار رہا ہے اور اس میں جیتے جانور ہیں ایسے سُرخ ہو رہے ہیں گویا لہُو سے بنے ہیں۔ گھبرایا کہ اس دریا سے کیونکر پار ہونگا۔ ناچار کنارے کنارے چلا کہ کہیں سے تو اُترنے کا قابو ملے گا۔ جب بھوک لگتی تو شکار کر کے کھاتا۔ جب پیاس لگتی تو مُہرہ مُنہ میں رکھ لیتا۔ ایک مہینہ اسی طرح گذر گیا۔ یکایک اس جگہ پہنچا جہاں دریائے خون کے سوا زمین تھی نہ درخت نہ چرند نہ پرند تھے۔ دل میں کہنے لگا اے حاتم ایک مہینہ تک تو نے یہ رنج سہے کہ پاؤں چلنے سے رہے۔ پر گھاٹ نظر نہ آیا۔ اگر دس برس تک یونہی پھرے گا، دریائے خون کے سوا کچھ نہ دیکھے گا خدا کے کارخانہ میں دم مارنا آسان نہیں ہے۔ اور جن جن چیزوں کو اس نے چھپایا ہے ان کا کھولنا آسان نہیں۔ اگر وہ فضل کرے تو یہاں سے صحیح سلامت منزلِ مقصود پر پہنچا دے۔ ورنہ کچھ تدبیر نہیں ہو سکتی۔ افسوس وہاں بیچارہ منیر شامی تیری راہ تک رہا ہے اور تو اس گرداب میں پڑا سسک رہا ہے۔ لیکن اس سے سخت حیرانی ہے کہ کوہ ندا کی خبر حسن بانو کو کیونکر ملے۔ جو اس کی خبر لانے کے لئے لوگوں کو نہ بھیجتی ہو گی۔ اور بیابان محنت میں ڈالتی ہے۔ یقین ہے کہ اکثر اس کی خبر لانے کو آئے ہوں گے۔ پر ناچار محروم پھر گئے ہوں گے۔ اتنے میں سوچ کر کہنے لگا کہ تو کچھ اپنے حظ و نفس کے واسطے یہ کام نہیں کرتا بلکہ ایک بندۂ خدا کے لئے

یہاں تک آیا ہے۔ اس کے کرم سے امید رکھ اس بلا سے نجات دیگا۔ البتہ وہ مراد کو پہنچے گا۔ اسی تفکر میں کوئی چیز دریا میں نمودار ہوئی۔ حاتم اس کی طرف بغور دیکھنے لگا۔ اتنے میں وہ نزدیک آئی۔ دیکھا تو ایک کشتی ہے۔ حاتم بسم اللہ کہہ کے سوار ہوا پھر ویسی ہی روٹیاں اور کباب بدستور پائے۔ بے تامل انہیں کھا گیا اور خدا کا شکر و حمد بجالایا۔ جب کشتی منجدھار میں پہنچی۔ زور سے ہوا چلنے لگی۔ اور لہریں مانند شعاع کے بلند ہونے لگیں۔ حاتم ڈرا اور خدا کو یاد کرنے لگا۔ آنکھیں بند کرکے ناؤ میں لیٹ گیا۔ قریب تھا کہ بے حواس ہو جائے اور خوف سے ڈوب جائے۔ غرض سات روز تک اس طرح گذرے۔ آٹھویں روز کشتی کنارے پر لگی۔ حاتم اترا اور کشتی الٹی پھر گئی۔ یہ کنارے کنارے چلنے لگا اور افسوس کرتا تھا کہ یہ راز نہ کھلا۔ کہ یہ کشتی کون لایا۔ اور کباب روٹی کون دھر گیا۔ کئی روز تک اٹھتے بیٹھتے چلا گیا کہ دور سے ایک چیز نمودار ہوئی۔ حاتم حیران ہوا کہ یہ کیا چیز ہے۔ آگے بڑھ کر کیا دیکھتا ہے کہ ایک دریا نہایت شفاف لہریں مار رہا ہے اور ایسا چمکتا ہے کہ کسی نے چاندی گلا کر بہادی ہے۔ حاتم تشنگی سے جاں بلب تھا۔ کنارہ پر آ بیٹھا۔ اور اس میں بایاں ہاتھ ڈالا۔ جس وقت پانی نکالا تو پانی نہ پایا۔ مگر ہاتھ چاندی کا ہو گیا۔ ہر چند اس کو داہنے ہاتھ سے صاف کیا۔ لیکن وہ اسی طرح پڑ رہ گیا۔ بلکہ بوجھ ہو گیا حاتم نے کہا۔ یہ عجیب دریا ہے۔ اگر غوطہ ماروں تو چاندی کا ہو جاؤں۔ پھر چلنا مشکل ہو جائے۔ حالت اضطراب میں چاروں طرف دیکھا کہ ناگہاں اسی طرح کشتی آئی یہ بسم اللہ کہہ کر چڑھ گیا۔ پھر ایک طباق گرما گرم حلوے کا نظر آیا۔ اس نے ہاتھ سے اپنی طرف کھینچ لیا اور خوب کھایا۔ پھر پاؤں پھیلا کر بآرام سو رہا۔ کئی دن کے بعد کشتی کنارے پر جا پہنچی۔ حاتم اتر کے آگے بڑھا۔ ہر وقت اپنا ہاتھ دیکھا کرتا تھا چار دن کے بعد ایک پہاڑ نمودار ہوا۔ اس نے جانا کہ یہ نزدیک ہے حالانکہ وہ ایک مہینہ کی راہ پر تھا۔ غرض شکار کرتا ہوا اور کھاتا ہوا چلا جاتا تھا۔ جب وہ تین دن کی راہ پر پہنچا تو سنگ ریزے رنگ برنگ کے اور طرح طرح کے جواہرات نظر پڑے۔ طمع دامنگیر ہوئی۔ تھوڑے سے جواہرات جیب میں ڈال لئے۔ تھوڑی دور چل کر اس سے زیادہ بیش بہا دیکھا۔ اس کو پھینک کر اس کو جیب میں ڈال لیا۔ تھوڑی

دُور جا کر خیال آیا کہ اگر یہ جواہر شہروں میں پہنچے تو اس کی قیمت کوئی نہ دے سکے گا
اسی خیال میں چلا گیا۔ آخر اس کے بوجھ سے تھک کر کسی جگہ بیٹھ گیا اور کئی لعل اور
زمرد اور الماس بیش قیمت جو سب سے بڑے تھے چُن لئے۔ باقی وہیں پھینک دیئے
اور پھر راہی ہوا۔ ایک چشمہ پر جا پہنچا۔ اُس کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ اپنے ہاتھ پاؤں
دھوئے۔ اتنے میں بائیں ہاتھ پر جو نظر پڑی اس کو جیسا تھا ویسا ہی پایا۔ مگر ناخن
چاندی کے رہے۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ اس دریا میں ہاتھ چاندی کا ہو گیا تھا۔ اس
چشمہ میں حالت اصلی پر آ گیا۔ اس میں کیا بھید ہے۔ اتنے میں رات ہو گئی۔ اسی جگہ بیٹھا
رہا۔ یکایک دو شخص اس چشمہ پر آ نکلے کہ اُن کے سر آدمی کے تھے اور پاؤں ہاتھی کے
اور ناخن شیر کے۔ رنگ نہایت سیاہ۔ حاتم دیکھ کر ڈرا۔ اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ یہ
کیا بلا ہے۔ اگر میں بھاگوں تو شرم دامنگیر ہے اور ٹھیروں تو ٹھیر نہیں سکتا۔ دیکھئے کہ
تقدیر میں کیا ہے۔ یکایک حاتم نے تیر و کمان اُٹھا کر ایک تیر مارا۔ ایک نے ان میں
سے پکڑ لیا۔ چاہتا تھا کہ وہ دوسرا تیر مارے۔ اُنہوں نے فریاد کی۔ اے حاتم طائی تو
اپنی جان کے ڈر سے ہمیں مارتا ہے۔ ہم خدا کے بندے ہیں کچھ تجھے ایذا دینے نہیں آئے
حاتم تیر و کمان ڈال کر بیٹھ گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ ان کو مجھ سے کیا کام ہے جو ادھر
آتے ہیں۔ تیر تو اُنہوں نے درمیان میں ہی پکڑ لیا۔ اگر دوسرا ماروں گا تو کاہے کو کارگر
ہوگا۔ اتنے میں وہ نزدیک آ کر کہنے لگے۔ اے حاتم تجھ کو شرم نہیں آتی جواہر کی
طمع کی۔ وہ بولا۔ میں نے کس کا جواہر لیا۔ اُنہوں نے کہا تو فلانے جنگل سے جواہر
لایا ہے۔ اب تک تیرے پاس موجود ہیں۔ یہ سُنکر حاتم نے جواب دیا کہ تیرا تو نہیں
لایا۔ وہ بولے کہ یہ اور خلقت کے واسطے اللہ نے رکھا ہے کہ وہ اپنے کام میں لائیں
حاتم نے کہا میں خدا کی صنعت دکھانے کو لایا ہوں۔ یہ سُنکر دونوں نے کہا۔ اگر
سلامت جانا چاہتا ہے تو اس جواہر سے ہاتھ اُٹھا۔ یہ سُنتے ہی حاتم نے سب
پھینک دیئے اور کہا۔ تم لے جاؤ۔ حیف ہے کہ میں ان کو بہت دُور سے لایا
ہوں۔ تم نے بڑا ظلم کیا کہ اس کو مجھ سے لے لیا۔ میں کوئی چُرا کر نہیں لایا۔ اُنہوں
نے کہا۔ یہ کیا چلن ہے کہ بے کہے اس قدر مال اُٹھا کر روانہ ہونا اور اپنے پاس رکھنا یہ
کب روا ہے بلکہ محنت کی گنہگاری دینی پڑتی ہے۔ حاتم یہ سُنکر سر جھکا کر چپکا

ہو رہا۔ وہ ایک الماس اور ایک زمرد اپنی اپنی قسم میں سے جو بیش بہا تھا اس کو دینے لگے اور کہا تجھے یہ ہی بہت ہے۔ اس نے لے لیا اور کہا۔ اے بندگان خدا مجھ کو راہ بتا دو جو میں کسی طرح ملک میں پہنچوں۔ وہ بولے۔ اے جوان غنیمت سمجھ جو تو صحیح و سلامت آیا اور جیتا و جاگتا چلا۔ کیونکہ اس حد سے آج تک کوئی جان سلامت نہیں لے گیا۔ اس قدر اندیشہ نہ کر کہ عمر بڑی ہے۔ اس کے آگے ایک جواہر کا دریا ملے گا۔ اس کے بعد دریائے آتش آئے گا۔ اگر اس سے صحیح و سلامت اُتر گیا تو مقرر اپنے ملک میں پہنچے گا۔ مگر کسی چیز کا لالچ نہ کیجیو۔ اسی میں تیری سلامتی ہے۔ خدا نخواستہ اگر کسی چیز پر دل دوڑائے گا تو اپنے کئے کی سزا پائے گا۔ یہ کہہ کر وہ پانی میں اُتر پڑے اور اس کی نظر سے چھپ گئے حاتم اُسی مقام پر تمام رات بیٹھا رہا۔ صبح کو تھوڑی دور چلا تھا کہ ایک دریا دکھائی دیا اس کو دیکھ کر نہایت شاد ہوا۔ اس واسطے کہ بہت پیاسا تھا۔ جب اس کے پاس پہنچا اور نگاہ کی تو ہزار ہا لعل موتی بیش قیمت پڑے ہیں۔ لیکن ہر ایک انڈے کے برابر تھا۔ ان کی چمک سے آنکھیں جھپکی جاتی تھیں اور قیمت کا ٹھکانا نہ تھا۔ حاتم نے لالچ میں آکر چاہا کہ دس بیس اُٹھالے کہ اتنے میں اُن دونوں کی نصیحت یاد آئی۔ ڈر گیا اور اس حرکت سے باز رہا۔ اور اس کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اس کا پانی دودھ اور شہد کی مانند ہے۔ پیاسا تو تھا ہی خوب پیٹ بھر کر پیا۔ غرض اس سے بخوبی اُتر گیا اور آگے بڑھا کہ دور سے ایک روشنی نظر آئی کہ گویا سونے کا ایک تختہ ہوا میں چمک رہا ہے۔ اسی طرف چلا۔ ایک مہینے کے بعد جا پہنچا کیا دیکھتا ہے کہ ایک پہاڑ آسمان سے لگا ہوا ہے اور جگمگا رہا ہے۔ یہ اس پر چڑھ گیا۔ وہاں ایک درخت سونے کا پھلا پھولا دیکھا متعجب ہوا۔ تین روز تک اس پر چلا گیا۔ ایک میدان نظر پڑا۔ اس کی زمین پر ہزار ہا درخت سونے کے چمک رہے تھے۔ حاتم دیکھ کر حیران ہوا۔ اور صانع کی صنعت دیکھنے لگا اور خدا کا شکر کرنے لگا۔ پھر تھوڑا میوہ توڑ کر کھایا۔ پھر آگے چل کر ایک حوض نظر پڑا۔ اور اس کا پانی مثل بلور کے صاف تھا۔ اس کے کنارے پر بیٹھا اور دل میں فکر کرنے لگا کہ یہ باغ کس کا ہے۔ کس سے پوچھئے۔ اتنے میں کئی پریاں پوشاک اور زیور سے

آراستہ جلوہ گر ہوئیں۔ اور حاتم کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوئیں۔ اِدھر حاتم ان کو دیکھ کر حیرت میں آیا۔ کہ الٰہی یہ کیا حسن ہے۔ اس وقت ملکہ زریں پوش یاد آئی۔ اور دل میں کہا۔ ذرا اُسے ملائیے۔ القصہ اُن سے کہا کہ تم کون ہو۔ اور یہاں کا بادشاہ کون ہے؟ اُنہوں نے کہا۔ یہ محل پری نوشس لب کا ہے۔ اتنے میں وہ آ پہنچی۔ حاتم اس کو دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اور وہ اس کے سرہانے آکر کھڑی ہوئی۔ کہنے لگی۔ ارے کوئی ہے۔ جلد آکر اس کے منہ پر گلاب چھڑک دو۔ وہیں ایک نازنین دوڑی گئی۔ اور گلاب پاش لے کر اس کے منہ پر چھڑکنے لگی۔ حاتم ہوش میں آیا۔ پھر پری نوش لب ایک تختِ مرصع پر جا بیٹھی۔ اور اس کو کرسی جواہر نگار پر بٹھا کر کہنے لگی۔ اے جوان سچ کہہ۔ کہاں سے آیا ہے۔ اور کس کام کے ارادہ پر یہاں تک پہنچا ہے۔ اور کدھر جائے گا۔ حاتم نے اپنا تمام احوال ابتدا سے انتہا تک اس کے سامنے بیان کر کے پوچھا کہ اس کا مالک کون ہے۔ اور اس پہاڑ کا کیا نام ہے؟ پری نوش لب نے کہا کہ اس پہاڑ کو کوہ ندیں کہتے ہیں۔ اور اس مکان کا مالک شاہ پال شاہ ہے اور اس کی بیٹی کا آسیا نام ہے۔ میں اس لڑکی کی ایک خواص ہوں۔ چنانچہ ساتواں روز میری باری کا ہے۔ اس روز میں حاضر ہوتی ہوں۔ اور اس مکان کا کوہ قاف سے تعلق ہے۔ اگرچہ دنیا کی حد میں ہے۔ اور یہ جو دُور سے دکھائی دیتا ہے اسی قلعہ کا حصہ ہے۔ غرض چار روز تک حاتم وہاں رہا۔ اور طعام ہائے خوشگوار سے متلذذ ہوا۔ پانچویں روز کہا کہ یہ جگہ تمہارے رہنے کے قابل نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں سے تشریف لے جاؤ۔ حاتم اس پری سے رخصت ہو کر پہاڑی پر چلا، اور دس روز کے بعد پہاڑی سے اُتر کر کسی جنگل میں جا پہنچا۔ وہاں سونے کا سا ایک دریا ۔۔۔ دکھائی دیا۔ کہ اس کا پانی گلے ہوئے سونے کی طرح لہریں لے رہا ہے۔ اور اس میں موجیں آسمان سے ٹکر کھا رہی ہیں۔ یہ دریائے فکر میں غرق ہو کر اس کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ کہ اس سے کیوں کر پار اُتریئے۔ اتنے میں ایک ناؤ طلائی دُور سے نظر آئی۔ اور فوراً کنارے پر پہنچی۔ حاتم شکر کر کے اس پر بیٹھ گیا۔ اور وہیں طباق حلوے سے بلب نظر آیا ۔۔۔ بھوکا تو تھا ہی کمال رغبت سے کھایا چاہتا تھا کہ دریا میں ہاتھ ڈال کر پانی پیئے۔ ذرا کہ یہاں ہاتھ سمجھنے

کانہ ہو جائے۔ کھینچ لیا۔ پھر ایک کٹورا بغل سے نکال کر بھرا۔ اور تھوڑا سا حلق میں ٹپکایا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے۔ کہ کٹورا اور چار دانت سونے کے ہو گئے۔ غرض چوتھے دن ایک کنارے پر پہنچا۔ حاتم نے اُتر کر دوگانہ شکریہ ادا کیا۔ اور آگے بڑھا۔ سات روز تک چلا گیا۔ وہ عجائبات دیکھے کہ جو نہ سُنے تھے۔ آٹھویں روز پتھروں کے میدان میں پہنچا۔ اور ہر ایک پتھر ایسا گرم تھا کہ گویا آگ سے ابھی نکلا ہے۔ مشکل سے چند قدم چلا۔ طاقت نہ رہی، بیٹھ گیا۔ گرمی کے سبب سے لب خشک ہو گئے بدن جل اُٹھا بے قرار ہو کر مہرہ مُنہ میں رکھ لیا۔ مگر کچھ فائدہ نہ دیکھا۔ نکال کر پھینک دیا۔ مثل ماہی بے آب بیتاب ہو کر بیہوش ہو گیا۔ زبان باہر نکل پڑی۔ قریب مرگ پہنچا۔ اتنے میں وہ دونوں شخص نظر آئے۔ بولا اے یارو آفرین ہے۔ کہ وقت پر پہنچے۔ اور بڑی مدد کی۔ کہو اب کس طرح جاؤں۔ یہ گرمی کس وجہ سے ہے۔ اُنہوں نے کہا اس سے آگے دریائے آتش ہے۔ یہ گرمی اس کے سبب سے ہے۔ اور راستہ یہ ہی ہے۔ چلا جا۔ خدا کی قدرت سے اپنے ملک کو پہنچ جائے گا۔ راہ بتانا ہمارا کام ہے۔ وہاں یہ ممکن ہے کہ تمہاری آگ ہلکی ہو جائے گی۔ اُس نے کہا۔ جو ہو سکے وہ بہتر ہے۔ احسان سے خالی نہیں۔ تب اُنہوں نے ایک مُہرہ نکال کر حاتم کو دیا۔ اور کہا۔ آگے دریائے آتشیں ہے۔ اگر اس کو مُنہ میں رکھے گا تو آگ تجھ پر کارگر نہ ہو گی۔ آرام سے چلا جائے گا۔ پر یہ یاد رہے کہ دریا کے پار ہوتے ہی یہ مُہرہ پھینک دینا۔ یہ کہہ کر حاتم کی نظر سے غائب ہو گئے۔ وہ رات کی رات وہیں رہا صبح کو اپنے منہ میں مُہرہ رکھ کر آگے چلا۔ تین دن کے بعد سامنے سے آگ کے شعلے معلوم ہونے لگے۔ یہ ڈرا اور عظمۃ اللہ کہہ کر آگے بڑھا۔ جب کنارے پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ شعلے لہریں مارتے ہوئے آسمان تک جاتے ہیں۔ اتنے میں ایک ناؤ بھی کنارے پر آ لگی۔ وہ دل میں خدا کی حمد کرنے لگا اور کہا کہ دیدہ دانستہ آپ کو آگ میں ڈالنا ہے۔ پر کیا کروں راہ یہی ہے۔ خدا آسان کرے گا۔ جو اس کی رضا ہے۔ اس پر راضی رہنا چاہیئے۔ تن بہ تقدیر کشتی پر جا بیٹھا اور مُنہ میں مہرہ رکھ لیا۔ اتنے میں ایک طباق کباب سے بھرا ہوا دیکھا۔ اس کو بے اختیار کھینچا اور پیٹ بھر کر کھایا۔ غرض ناؤ چلی جاتی تھی۔ یہ ڈر کے مارے کبھی آنکھیں نہ کھولتا

جو کبھی آنکھیں کھل جاتی تھیں تو جان نکلنے لگتی تھی۔ وہیں آنکھیں بند کر لیتا تھا۔ قصہ کوتاہ ناؤ منجدھار میں پہنچی۔ اور چکر کھانے لگی۔ حاتم کو یقین ہوا کہ اب ڈوبتی ہے خدا کی یاد میں مشغول ہوا۔ اور آنکھوں پر پٹی باندھ کر سر بزانو ہو گیا۔ کہ اب نہیں بچتا۔ بارے بفضل الٰہی تین دن کے بعد کشتی کنارے پر جا لگی۔ اُتر پڑا۔ آنکھیں جو کھول کر دیکھتا ہے۔ تو نہ وہ دریا ہے نہ وہ کشتی ہے۔ ایک سہانا جنگل نظر آتا ہے۔ مُہرہ منہ سے نکال لیا، اور آگے چلا۔ تھوڑی راہ طے کی تھی کہ سواد یمن سے کسی گاؤں کی طرف جا نکلا اور کھیت پر کھڑا ہو کے کسان سے کہنے لگا کہ نواح کس شہر کا ہے؟ اُس نے کچھ جواب نہ دیا، اور ٹکٹکی باندھ کر اُسے تکنے لگا۔ حاتم بولا۔ کہ اے عزیز تو بہرا ہے کہ نہیں سُنتا۔ اُس نے عرض کی کہ تیری صورت میں اپنے بادشاہ کی سی جانتا ہوں۔ حاتم یہ سُنکر کہنے لگا کہ تو کون ہے؟ اور کہاں جاتا ہے۔ وہ بولا۔ اے جوان یہ ملک یمن ہے۔ اور حاتم شہزادہ ہے۔ کہ اس کا باپ طے نام یہاں کا بادشاہ ہے۔ لیکن شہزادہ کو سات برس ہوئے کہ اس ملک سے نکل گیا ہے۔ ایک مرتبہ اس کی خبر ملکہ زریں پوشس سے پہنچی تھی۔ اس سے ہر شخص کو تسکین ہوئی تھی۔ اب تو اس کے ماں باپ اور اقربا کا بُرا حال ہے۔ کہ ہر ایک پر اپنی زندگی وبال ہے۔ خصوصاً ملکہ زریں پوشس کی تو جان پر آبنی ہے۔ دیکھئے اس کی ملاقات ہونے تک جیئے یا نہ جیئے۔ حاتم نے کہا، چند روز ہوئے تمہارا شہزادہ مجھے راہ میں ملا تھا وہ خیر و عافیت سے ہے۔ تو یمن میں جا کر سب کی خدمت میں دعا و سلام پہنچانا اور کہنا کہ حاتم شاہ آباد کی طرف گیا تھا اور یہ کہا۔ اے دہقان میں بہت سا پیاسا ہوں۔ تھوڑا سا پانی پلا دے۔ وہ جلدی سے ایک پیالہ دودھ کا اور ایک چھاچھ کا لے آیا۔ حاتم نے نہایت مزے سے پیا اور کہا کہ ہزار شکر ہے کہ مدت کے بعد میں نے اپنے ملک کو دیکھا۔ اور یہ نعمت کھائی۔ پھر اُٹھ کر روانہ ہوا۔ اور شاہ آباد کو چلا۔ تھوڑے دنوں میں وہاں جا پہنچا۔ اور حسن بانو کو اپنے آنے کی خبر دی۔ اس نے پردہ کے اندر بُلا لیا اور ایک سونے کی کرسی پر بٹھایا۔ کہا اے جوان صد آفرین ہے جو تو آیا۔ بارے کوہ ندا کی خبر کہہ

اور وہاں کے بھید سے مجھے آگاہ کر۔ حاتم نے سرے سے قصّہ شروع کیا اور آخر تک کہہ سُنایا۔ حسن بانو نے کہا۔ سچ کہتا ہے۔ کچھ نشان دکھلا۔ حاتم نے اپنے بائیں ہاتھ کے ناخن دکھلائے۔ اور کہا ایک روز کسی چشمہ آب زلال پر پہنچا، اور اس کو دھویا۔ یہ اصلی صورت پر آگیا۔ اور دوسری نشانی یہ ہے کہ چار دانت اور لیئے نرین کے پانی سے سونے کے ہوگئے ہیں۔ اور وہ تینوں قسمیں جواہر کی بھی دکھا دیں۔ تب حسن بانو نے بہت سی آؤ بھگت کی۔ اور کھانا پُر تکلف منگا کر کہا کہ کھاؤ۔ حاتم نے کہا۔ اس کو میرے ساتھ کرو۔ میں کاروانسرا میں جاکر منیر شامی کے ساتھ کھاؤں گا۔ وہاں سے اُٹھ کر کاروانسرا میں آیا، اور منیر شامی کے ہمراہ کھانا کھلایا۔ اور اپنی سرگذشت مفصل سُنائی۔ اس نے حاتم کی جوانمردی پر تعریف کی اور بہت سا عذر کیا۔ حاتم نے ایک رات دن آرام کر کے حمام کیا اور نئے کپڑے پہن کر حسن بانو کے پاس گیا۔ دربانوں نے خبر دی۔ اس نے اسی طور سے پردہ کر کے اندر بُلایا، اور کُرسی جواہر نگار پر بٹھایا۔ حاتم نے کہا صاحب چھٹا سوال کیا ہے؟ اس کو بھی کہو تاکہ میں پورا کروں۔ کہا کہ ایک موتی میرے پاس ہے۔ اس کے برابر کا دوسرا لادے۔ حاتم بولا۔ ذرا میں اُسے دیکھ لوں۔ اس نے منگوا کر اُسے دکھلا دیا۔ حاتم نے کہا میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو اس کے نمونے کا حوالہ کر۔ جس کے برابر کا تلاش کروں۔ حسن بانو نے ایک موتی چاندی کا اسی قدر بنوا کر حاتم کو دیا۔ اس کو لے کر مہمان سرا میں آیا۔ اور منیر شامی کو دکھا کر کہنے لگا کہ حسن بانو نے اب اتنا بڑا موتی مانگا ہے۔ میں نے اتنا بڑا موتی اپنی عُمر میں نہیں دیکھا۔ خدا جانے کس دریا میں اور کہاں پیدا ہوتا ہے۔ منیر شامی نے کہا بھائی جس جگہ ایسا موتی پیدا ہوتا ہے پہلے اس مقام کی تحقیق کرو۔ تب جاؤ۔ حاتم نے کہا پوچھنا کوئی ضروری نہیں۔ مجھ کو میرا خدا وہاں پہنچائے گا۔ جس نے اتنی مشکلیں آسان کی ہیں وہ اسے بھی آسان کرے گا۔ یقین ہے کہ اس دریا پر پہنچوں گا اور ایسا موتی لاؤں گا۔ منیر شامی نے اس بات پر بہت آفرین کی اور کہا چند روز اور آرام کر۔ مگر حاتم نے کہا۔ بھائی آخر یہ کام ہمارے تئیں کرنا ہے پھر دیر

لگانی کیا ضروری ہے۔ آخر منیر شامی سے رخصت ہو کر ویسے ہی موتی کی تلاش
میں روانہ ہوا۔ جب حاتم شاہ آباد سے پانچ کوس پر جا کر ایک پتھر پر سر زانو

جانا حاتم کا پاس بادشاہ یار سلیمانی کے واسطے لینے موتی برابر انڈے مرغابی کے

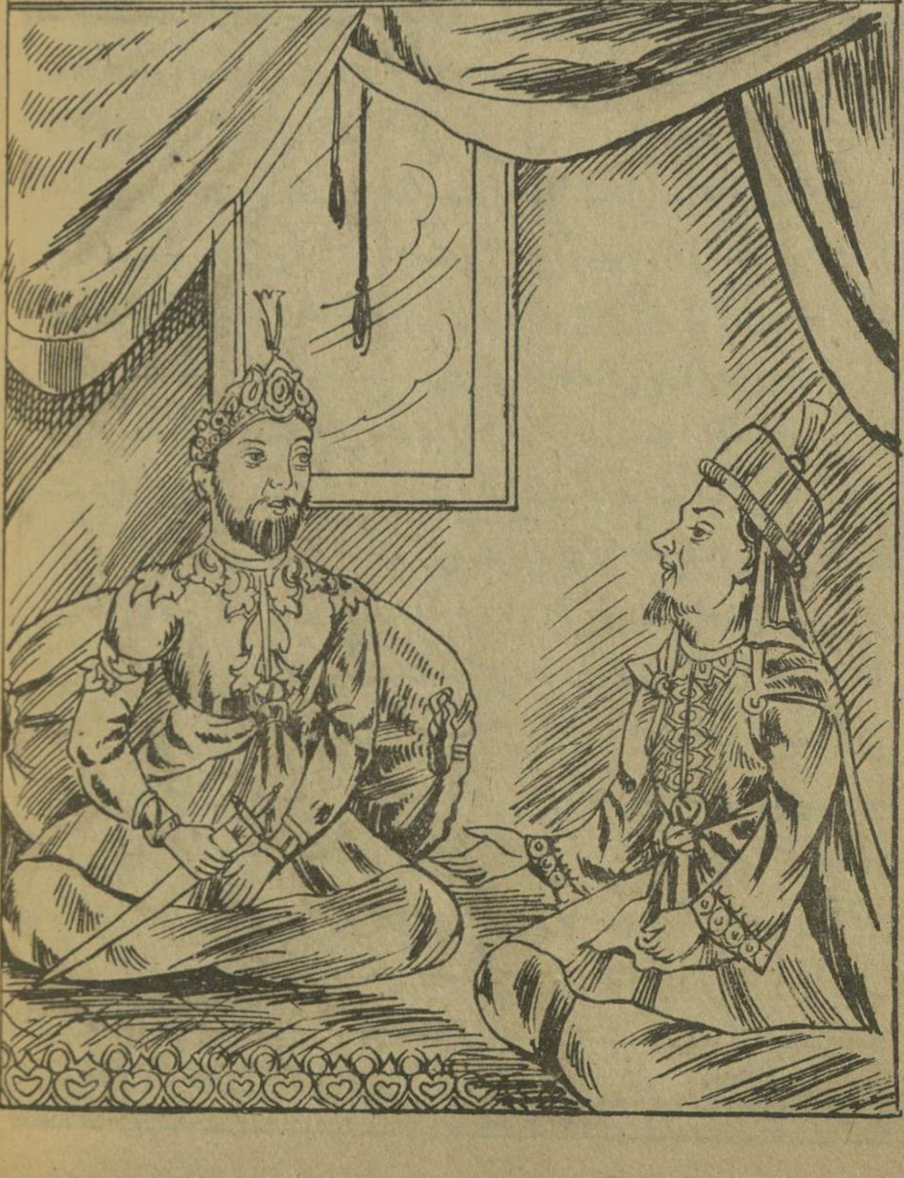

چھٹا سوال حاتم کے جاتے کا اور مرغابی کے انڈے برابر موتی لانے کا !!

بیٹھ گیا، اور دل میں متفکر ہوا کہ ایسا موتی کہاں سے ملے گا۔ مگر شام ہو گئی تھی کہ ایک جوڑا جانور ناطقہ ہفت رنگی کہ جس کے بسیرے کا مقام دریائے قہرمان تھا کے کنارے پر تھا۔ قدرتِ الٰہی سے وہاں ایک درخت پر آ بیٹھا۔ مادہ بولی کہ ہم کو یہاں کی آب و ہوا خوش نہیں آتی۔ اگرچہ یہاں ہمارے کھانے پینے کی چیزیں طرح طرح کی بہت ہیں۔ مگر یہاں سے اُڑ چلیں۔ نر نے کہا کہ میرا مقصد تھا کہ چند روز اس جنگل میں رہوں، پر تیرے کہنے سے اپنے وطن چلوں گا۔ خاطر جمع رکھ۔ مادہ نے ایک ساعت چپ ہو کر کہا۔ وہ شخص کون ہے جو اس جنگل میں سر جھکائے متفکر بیٹھا ہے۔ نر بولا۔ یہ حاتم یمن کا شہزادہ ہے۔ کیا کرے۔ حق بجانب ہے۔ جس قدر غمگین ہو بے جا نہیں۔ کیونکہ اس کو مرغابی کے انڈے برابر موتی کی تلاش ہے۔ اپنے لئے نہیں بلکہ خدا کے واسطے ہے چنانچہ منیر شامی شہزادہ حسن بانو پر عاشق ہے۔ اُس نے احوال اس سے کہا حاتم نے ترس کھا کر غربت اختیار کی۔ اور یہ مصیبت اپنے سر لی ہے چنانچہ اس کے پانچ سوال پورے کر چکا ہے۔ اب چھٹے سوال کی باری ہے۔ اور وہ ایسے موتی کا لانا ہے۔ یہ بے چارہ اس درخت کے نیچے اسی سوچ میں بیٹھا ہے کہ کدھر جاؤں۔ حقیقت میں بے دیکھے راہ کیوں کر چلے۔ اگر تو کہے تو اس کو بتا دوں۔ وہ بولی کہ اس سے بہتر کیا ہے جو انسان پر حیوان کا احسان ہو۔ وہ کہنے لگا کہ اگلے زمانہ میں کتنے پرندے تیس برس کے بعد دریا قہرمان کے کنارے پہنچے تھے ایک موتی شمس شاہ کے ہاتھ آ گیا۔ ہر چند کہ وہ اپنے پاس بھی مال و جواہر بہت سا رکھتا تھا بلکہ اس نے ایک شہر بھی بڑا بسایا تھا اب ویران پڑا ہے۔ اتفاقاً اسی کا خزانہ حسن بانو کے ہاتھ آیا ہے۔ وہ انڈا بھی

اس کا تھا۔ جو اس نے پایا۔ القصہ جب جمجاہ قہرمانی مر گیا اور اس کا ملک کسی اور نے لے لیا۔ اس کی جورو حاملہ تھی وہ موتی محل سے لے کر بھاگ گئی اور ایک جنگل میں جا پڑی۔ پہر دن تھا کہ ایک دریائے قہرمان کے کنارے جا نکلی۔ قضارا اس وقت مسعود سوداگر بھی کشتی پر سوار تھا۔ بیٹھا ہوا آ نکلا۔ اس عورت نے کشتی کو دیکھ کر غل مچایا کہ للہ مجھ کو بھی چڑھا کر لے چلو سوداگر نے رحم کھا کر بٹھا لیا۔ اور کل ماجرا دریافت کیا۔ اس نے تمام حقیقت بیان کی۔ مسعود سوداگر اس کو اپنی بیٹی بنا کر شہر میں لے گیا۔ تھوڑے دنوں میں اس نے لڑکا جنا اور اس کا نام برزخ رکھا جب وہ ہوشیار ہوا مسعود سوداگر مر گیا۔ اس کی سوداگری اس کے لڑکے کو ملی۔ اس نے ایک مدت اس مال و دولت سے لاکھوں سپاہی و نوکر رکھے۔ اور ہزاروں گاؤں اپنے قبضہ میں کئے۔ یکایک وہاں کا بادشاہ مر گیا۔ حضرت سلیمان بادشاہ ہوئے تب اُنہوں نے کوہ قاف کے تمام نواحی اور دریائے قلزم اور قہرمان اور دریائے زرین و آتشین بلکہ کوہ قاف سے تعلق رکھتا تھا۔ دیوؤں اور پریوں اور جادوگروں اور مردم آزاروں کو نہ رہنے دیا۔ چنانچہ وہ جزیرہ اور شہر انہیں دو قوموں سے آباد کیا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ موتی ہشام بری سرخ کلاہ کے ہاتھ لگا تھا۔ اب شاہ یار سلیمانی جو آدمی اور پری سے پیدا ہے اس نے لے لیا ہے بالفعل اس کی استقامت برزخ کے جزیرہ میں ہے۔ وہ ایک لڑکی نہایت حسین اور مہ جبین رکھتا ہے لیکن اس کا بیاہ اس شرط پر ٹھیرا ہے کہ جو اس موتی کی پیدائش کا حال ظاہر کرے گا میں اس لڑکی کو اس کے ساتھ بیاہ دوں گا۔ یہ شہرہ سُنکر بہت لوگ اس پریزاد کے پاس آئے پر کوئی اس موتی کی پیدائش سے آگاہ نہ تھا جو بیان کرتا۔ ہر ایک مایوس ہو کر پھر گیا۔ اور شاہ یار سلیمانی بڑا فاضل ہے۔ اس کے سوا اس وقت کی ہر ایک کتابیں اس کے ہاتھ لگیں ہیں۔ اس نے اس کو پڑھ کر موتی کی پیدائش کا حال دریافت کیا ہے۔ اور جانوروں کو حضرت سلیمان کے وقت سے حکم نہیں جو کہیں انڈے دیں۔ اِس لئے موتی کا پیدا ہونا موقوف ہے۔ بلکہ اس بات کے کہنے سے میں نے اس جوان کو خدا کا ترس اور ساری خبر پاکر مطلع کر دیا۔ بالضرور اسی

مراد کو پہنچے گا۔ پھر مادہ بولی کہ اس کی رسائی وہاں تک کیونکر ہوگی۔ اس لئے کہ وہ سرحد دیوؤں کے ملک کی ہے۔ علاوہ اس کے صدہا آفتیں راہ میں ہیں۔ نر بولا۔ کہ پہنچنا تو بشرطِ زندگی حیات قدرت سے دُور نہیں۔ لیکن اس کو لازم ہے کہ تھوڑے ہمارے لال پر پاس رکھے۔ اس لئے کہ جب کوہ قاف کی سرحد میں پہنچے گا تو ایک صحرائے عظیم ملے گا۔ کہ جس سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ بلکہ اس میں داخل ہوتے وقت ہمارے لال پر جلا کر پانی میں گھول کر بدن پر ملے۔ اور پھر بے دھڑک چلا جاوے۔ اس کی بو سے کوئی جانور گزند نہیں پہنچائے گا۔ اور دیو کی صورت ہو جائے گی۔ جب اس کو طے کر کے برزخ کے جنگل میں پہنچے گا سفید پر جلا کر پانی میں گھول کر بدن پر ملے۔ فوراً اپنی صورت اصلی پر آجائے گا وہاں کے لوگ اس کو پکڑ کے ماہ یار سلیمانی کے پاس لے جائیں گے۔ پھر اپنا مطلب اس سے کہے۔ اور وہ بھی چاہے گا کہ جو کوئی اس سے موتی کی کیفیت بیان کرے اس کو میں موتی سمیت اپنی بیٹی دوں گا۔ بہتر یہ ہے کہ اس ماجرے کو من میں یاد رکھے بھول نہ جاوے ممکن نہیں کہ ماہ یار سلیمانی اپنے قول سے پھرے کیونکہ وہ وعدہ کا بہت سچا ہے۔ مقرر اپنی بیٹی کو بیاہ دے گا۔ اس کے بعد مادہ نے کہا یہ پر ہمارے کیونکر پائے۔ نر نے اپنے پر پھٹ پھٹائے۔ کتنے ہی اس کے پر گر پڑے۔ حاتم نے سب کے سب چن لیے۔ نہایت خوش ہوا۔ مادہ بولی اے نر تو نے اسے کیونکر جانا کہ یہ شخص اس لئے آیا ہے۔ اور اتنے قصے تو نے کیونکر یاد رکھے ہیں۔ نر نے اس سے کہا کہ ہماری قوم میں جتنے نر ہیں تمام جہان کا احوال ابتدا سے انتہا تک جانتے ہیں اور مادہ بات چیت کے سوا کچھ نہیں جانتیں ہیں۔ اتنے میں کچھ جانور فریاد کرنے لگے۔ کہ کوئی بندہ خدا کا ہماری داد کو نہیں پہنچتا ہے۔ اس آواز کو سُنکر حاتم اپنے جی میں کہنے لگا۔ اے حاتم تو بھی بندہ خدا کا ہے پس تجھ کو لازم ہے کہ تو چل کر ان کا احوال پوچھ اور مدد کر۔ یہ سوچ کر اسی طرف اُٹھ کر قریب گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک لومڑی ہاتھ پاؤں زمین پر مارتی ہے اور چلاتی ہے۔ اس کو اس حال میں دیکھ کر حاتم نے نہایت دلسوزی سے پوچھا کہ تجھ کو بندگانِ خدا سے کس سنگ دل نے

ستایا ہے جو اس طرح بلبلاتی ہے۔ لومڑی نے کہا۔ اے جوان رحمت خدا کی تجھ پر اور تیری ہمّت پر اور دلاوری پر ہے۔ جو تو اس بُرے وقت میں میرے پاس آیا۔ اور احوال پوچھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک صیّاد میرے نر کو بچوں سمیت پکڑ کر لے گیا ہے۔ میں ان کی جُدائی میں روتی ہوں۔ پچھاڑیں کھاتی ہوں۔ بلکہ ہر ایک طرف فریاد کرتی ہوں۔ اس پر بھی میری آہ و زاری کوئی نہیں سنتا۔ مگر ایک تو آیا ہے۔ سو دیکھئے کیا ہو۔ کیونکہ تو انسان ہے اور میں حیوان ہوں۔ حاتم بولا یہ کیا کہتی ہے۔ ہماری قوم میں سب انسان ایک سے نہیں۔ کتنے موم دل اور کتنے سنگدل اور مردم آزار۔ اگرچہ میں بھی انسان ہوں۔ لیکن تو سچ کہہ تیرے نر کو کون لے گیا ہے۔ لومڑی بولی یہاں سے چھ سات کوس پر ایک گاؤں ہے۔ اس میں بھیلیان رہتا ہے۔ اس کمبخت کا یہ ہی کام ہے۔ پر یہ کچھ معلوم نہیں اکہ ہم غریبوں کے دُکھ دینے سے کیا فائدہ ہے۔ وہ ظالم خدا کے ظلم سے نہیں ڈرتا۔ حاتم نے کہا۔ ایذا دہندوں کو مردم آزادی کا اندیشہ ہے۔ اُنہوں نے اپنا پیشہ وہی اختیار کر لیا ہے۔ کہ تو مجھے راہ بتا دے تو میں تیرے خاوند کو تیرے بچوں سمیت چھڑا لاؤں۔ لومڑی نے کہا۔ اے جوان تیرے ساتھ میں چلوں۔ مبادا تو اس سے مل کر مجھے پکڑے تو میرا حال بھی اسی بندریا سا ہو گا حاتم نے کہا۔ اس کی داستان بیان کر۔ لومڑی بولی۔ ایک بندریا نے کسی جنگل میں جا کر ایک گڑھے میں بچے دیئے۔ اتفاقاً ایک صیّاد جا نکلا۔ بچے اس گڑھے میں اپنے باپ کے پاس بیٹھے تھے۔ صیّاد نے گھات سے پکڑا اور لے جا کر ایک دولتمند کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ ہر چند بندریا حیوانوں میں بڑی دانا اور ذوفنون تھی لیکن بُرے دن جو آگے آئے ہوشیاری کچھ کام نہ آئی پکڑی گئی۔ اس کی صورت یہ ہے۔ کہ بندریا اپنے شوہر اور بچوں کی جُدائی میں سر ٹکرا کر روتی پھرتی تھی ایک دن لاچار ہو کر زمیندار کے پاس فریاد کو گئی۔ اس نے ترس کھا کر کہا۔ اس کو کس نے ایذا دی ہے۔ کسی نے کہا کہ اِس کے خاوند کو مع بچوں سمیت فلانا بھیلیا پکڑ کر لے گیا ہے۔ اور فلانے جنگل میں رہتا ہے۔ زمیندار نے کہا۔ ابھی تو جا کر منع کر کہ جس کے نر کو

لومڑی کا تازہ لہُو اپنے بدن سے ملوں تو ابھی اچھا ہو جاؤں۔ اسواسطے میں تیرے پاس آیا ہوں کہ تو اکثر لومڑیوں اور گیدڑوں کا شکار کرتا ہے۔ اگر تیرے پاس لومڑی کے تین چار بچے ہوں تو مجھے دے اور ان کی قیمت جو چاہے سو لے۔ صیاد نے کہا۔ سات لومڑیاں میں نے پکڑی ہیں۔ تجھے جتنی درکار ہوں ان میں سے پسند کر لے۔ یہ کہہ کر ساتوں حاتم کے روبرو لے آیا۔ اس کو سات دینار دے کر ساتوں لے لیں۔ اور جنگل میں لا کر چھوڑ دیں۔ بچے چھوٹتے ہی اپنی ماں کے پہلو سے جا لگے۔ وہ ان کو پیار کر کے نر کا غیر حال دیکھ کر حاتم سے بولی کہ آج میرے مگر تاراج ڈلا جاتا ہے خاوند میرا بھوک پیاس سے مرا جاتا ہے۔ اگر آپ علاج کرنا چاہیں تو اغلب ہے کہ آدمی کا لہو اس کے مُنہ میں ٹپکانے سے ابھی توانا ہو جائے۔ حاتم بولا۔ مجھے آدمی سے کیا دشمنی ہے جو حیوان کے واسطے اسے ماروں۔ اگر تجھ کو آدمی کا لہو درکار ہے تو کہہ کس جگہ کا چاہتی ہے۔ ابھی حوالے کروں۔ اس نے کہا کہ کہیں کا ہو مگر گرم ہو۔ حاتم نے چاقو نکال کر بائیں ہاتھ کی فصد ہفت اندام کھولی اور کہا۔ لے روباہ جتنا لہو درکار ہو لے۔ وہ اپنے نر کو اس کے پاس لے گئی اور کہا جس قدر اس کے مُنہ میں ڈالو گے عین مہربانی ہے۔ حاتم نے اس کے کہنے کے موافق اپنا لہو پلایا کہ اس کا پیٹ بھر گیا۔ تب حاتم نے ہاتھ پر پٹی باندھی اور کہا۔ اے روباہ اب تو مجھ سے راضی ہوئی۔ لومڑی بچوں سمیت اس کے پاؤں پر گر پڑی۔ حاتم اس کو دلاسا دے کر آگے بڑھا۔ جب بھوک لگتی تھی تب جنگل کا میوہ کھا لیتا تھا۔ اور پیاس میں وہیں کے ندی نالہ کا پانی پی لیتا تھا۔ ایک مدّت کے بعد کسی جنگل میں پہنچا۔ آفتاب کی تپش اس قدر ہوئی کہ مارے پیاس کے بیتاب ہو گیا۔ ہر طرف پانی ڈھونڈنے لگا۔ ایک چشمہ برف سا نظر آیا۔ حاتم اشتیاق سے بے اختیار اس طرف دوڑا۔ جب نزدیک پہنچا تو کچھ نہ دیکھا۔ مگر ایک سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ حاتم چاہا کہ پھر جاوے۔ وہ بولا اے جوان مجھے کیوں پھر چلا۔ تو یہاں کس کام کے واسطے آیا۔ حاتم نے جو اس کو باتیں کرتے دیکھا۔ گھبرا کر کہنے لگا۔ اے بندۂ خدا میں شدّت سے پیاسا تھا۔ دُور سے تیرے رنگ کی سفیدی پانی کی طرح جو نظر آئی۔ ادھر چلا آیا ہوں۔ اب خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھ کر پھر چلا۔ سانپ

نے کہا۔ اے عزیز تجھ کو یہاں سب کچھ میسّر ہو جائے گا۔ خاطر جمع رکھ۔ القصہ سانپ روانہ ہوا۔ اور حاتم دل میں سوچتا تھا۔ ہر چند سانپ باتیں کرتا ہے پر اس کے ساتھ جانا خوب نہیں۔ کیونکہ موذی ہے۔ اتنے میں خیال آیا جو تقدیر میں ہے وہی ہوگا چلنا چاہیے۔ اس پر یہ بھی آہستہ آہستہ قدم رکھنے لگا۔ سانپ نے جو دیکھا کہ آنے میں استادگی کرتا ہے۔ کہا۔ اے مرد! خدا کے واسطے کچھ وسواس نہ کر پاؤں اٹھا۔ حاتم بے کھٹکے اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ غرض ایک گلزار جنت بہار میں پہنچا۔ وہاں کی فضا اس کے جی میں اچھی معلوم ہوئی۔ نہایت باغ باغ ہوا۔ کیونکہ اس طرح کا باغ کہیں نہ دیکھا تھا۔ پریوں کے ملک میں پھرا۔ اِدھر اُدھر کی سیر کرتا ہوا ایک مکان میں جانکلا۔ وہاں فرش شاہانہ سراسر بچھا تھا۔ اور حوض کے کنارے پر ایک مسند پرتکلف لگی ہوئی تھی۔ سانپ نے کہا ذرا توقف کرو۔ میں پھر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر حوض میں گر پڑا۔ ایک دم کے بعد کئی پریزاد سونے چاندی کے خوان زر و جواہر سے بھرے ہوئے سر پر رکھے اس حوض سے نکلے۔ حاتم نے پوچھا۔ تم کون ہو۔ انہوں نے عرض کی ہم اس کے خدمتگار ہیں جو تم کو ساتھ لایا ہے۔ یہ قبول کر۔ اس نے کہا۔ یہ جواہر میرے کس کام کے ہیں۔ اتنے میں کئی پریزاد اسی طرح خوان میوہ جات سے بھرے ہوئے لے کر نکلے۔ حاتم نے پوچھا۔ اس میں کیا ہے؟ انہوں نے دکھا کر کہا۔ آپ کے لئے لائے ہیں۔ حاتم نے کہا بہت اچھا۔ مہمان حاضر ہے۔ پر صاحب خانہ کہاں ہیں؟ سانپ ایک جوان حسین بنا ہوا حوض سے نکل آیا اور وہ مسند پر بیٹھا۔ حاتم پوچھنے لگا۔ اس نے کہا۔ بعد کھانا کھانے کے یہ بھید کھل جائے گا۔ پھر دستر خوان پر کھانا چنوا دیا۔ پھر ان پریزادوں نے اس کے ہاتھ دھلوائے۔ وہ کھانے میں مشغول ہوئے۔ پریزاد سب اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔ حاتم کھاتا جاتا تھا اور جی میں کہتا تھا کہ میں نے اس مزے کا کھانا کبھی نہیں کھایا۔ ہر چند شہر بشہر اور ملک بملک اور جنگل جنگل پھرا۔ لیکن اس مزے کا کھانا یہاں کھایا، یا پری نوش لب کے ساتھ کوہ ندا پر کھایا تھا۔ اغلب ہے کہ یہ قوم پریزاد سے ہو۔ جب خاصہ کر چکے خواص عطردان مرصع لے کر آئی۔ حاتم نے جو عطر ملا۔ اس کا دماغ مہک گیا۔ حیران ہوا کہ بارے خدا ایسی نعمتیں اور ایسی

خوشبوئیں تُو نے اس قوم کو عطا کی ہیں کہ انسان کو میسّر نہیں۔ بعدہٗ صاحب خانہ سے پوچھا۔ پہلے تمہاری سانپ کی شکل تھی۔ اب پھر پری کی سی ہو گئی۔ اس کا کیا سبب ہے۔ وہ بولا۔ اے جوان میں پری کی قوم سے ہوں۔ اور میرا نام شمس شاہ ہے۔ ایک دن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت میں اپنے باغ کی سیر کر رہا تھا یوں خیال آیا کہ لشکر لے کر ملک انسان پر چڑھ جاؤں اور ان کو قتل کر کے ملک چھین لوں۔ کیونکہ وہ ملک نہایت پاکیزہ ہے۔ اور آراستہ بھی ہے۔ یہ سوچ کر اہلکار سے کہا کہ تمام فوج تیار رہے صبح کو ایک مہم درپیش ہے۔ اتنے میں رات ہو گئی۔ فراغت کے بعد آرام کیا۔ صبح کو جو اٹھا آپ کو مع لشکر سانپ کی صورت پایا۔ تمام دن بیقراری سے گذرا۔ شام سے صبح تک جناب الٰہی میں توبہ کی۔ بارے خدا کے فضل سے میری تمام فوج صورت اصلی پر آ گئی۔ لیکن پر کسی کے نہ ہوئے۔ مَیں نے بہت سی گریہ وزاری کی۔ تب یہ آواز آئی کہ جو کوئی اپنے قول سے پھرتا ہے۔ اُس کا یہی حال ہوتا ہے۔ قصّہ کوتاہ ہر رات یہ ہی آواز آیا کرتی تھی۔ ایک رات مَیں نے بہت عجز و زاری کی۔ اور کہا کہ اب ایسا دھیان نہ لاؤں گا۔ الٰہی اب میرا گناہ بخش۔ حکم ہوا کہ تھوڑے دن صبر کر۔ مَیں نے پھر گریہ زاری کی اور عہد کیا کہ پھر ایسا خطرہ کبھی دل میں نہ لاؤں گا۔ تب یہ ندا آئی کہ ایک دن یمنی بیس برس کا اِدھر آئے گا تو اس کے دیکھتے ہی صورت اصلی پر آ جائے گا۔ چاہیئے کہ تو اس کی خدمت میں بدل مصروف رہنا کیونکہ جب وہ دعا کرے گا تب تو صورت اصلی پر آئے گا۔ ورنہ سانپ ہو جائے گا تین برس سے تیرا منتظر اس جنگل میں تھا۔ اب مَیں نے جانا کہ تو ہی ہے۔ اِس اُمید پر تیری خدمت دل و جان سے کی۔ تاکہ تو میرے حق میں دعا کرے۔ حاتم نے پوچھا۔ وہ قول کونسا تھا، جس سے پھر گیا؟ وہ بولا۔ ہماری قوم نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے اقرار کیا تھا کہ اگر تمہارے بعد ہم آدمی کو ایذا دیں یا ان کے ملک کا قصد کریں تو خدا کا قہر ہم پر پڑے۔ اس دن سے ہماری قوم نے کسی کو تکلیف نہیں دی۔ ایک دن میرے دل میں یہ خیال فاسد گذرا تھا جس کی یہ کچھ سزا پائی۔ اب تیرے سامنے صدق دل سے توبہ کرتا ہوں کہ پھر

ایسا خیال فاسد بار دیگر دل میں ہرگز نہ لاؤں گا۔ میرا حق گواہ ہے۔ حاتم نے اُٹھ کر غسل کیا اور کپڑے پاکیزہ پہنے اور پریزادوں کے حق میں دعا کی۔ اس کی دعا درگاہ الٰہی میں مستجاب ہوئی۔ حاتم اگرچہ قوم یہود میں تھا۔ پر خدا کو واحد جانتا تھا۔ چنانچہ مرنے کے وقت اس نے اپنے اقربا سے کہا تھا کہ ہماری قوم نے گمراہی میں راہ کاٹی ہے خبردار تھوڑے دنوں کے بعد پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں گے۔ یہ سخن میرا راست ہے۔ وہ لوگوں کی ہدایت چاہیں گے۔ تم اُن سے میرا اسلام کہیو۔ اور عرض کرنا کہ میرے حق میں دعا کریں۔ لوگوں نے کہا۔ ہم اُس وقت رہیں گے تو تیرا اسلام پہنچائیں گے یا ہماری تمہاری اولاد میں سے کوئی رہے گا۔ حاتم بولا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ کوئی میری اولاد سے ایمان لائے گا۔ اور میرا اسلام اُن سے پہنچائے گا۔ جب حضرت رسول کریم کا زمانہ آیا۔ حاتم کی اولاد میں سے ایک لڑکی بنی طے کی ساتھ قید آئی تھی۔ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ان میں سے ایمان نہ لاوے تو اس کی گردن مارو۔ اس لڑکی نے فریاد کی کہ اے مومنو میرا اسلام حضرت سے عرض کرو۔ اور کہو کہ ایک لڑکی اولاد حاتم میں سے اس گروہ میں ہے۔ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اسے چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ مردِ سخی کی اولاد سے ہے۔ لوگوں نے کہا کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے آزاد کیا۔ وہ لڑکی بولی۔ حاتم کے خاندان کی مروت سے بعید ہے کہ آپ کو چھڑا کر اور اپنی قوم کو ہلاکت میں ڈالے۔ بہتر ہے کہ جوان کا حال ہو۔ وہی میرا حال ہو۔ لوگوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ وہ اپنی قوم سے جُدا نہیں ہوتی۔ سرور کونین نے فرمایا کہ حاتم مرد سخی تھا۔ سب کو آزاد کیا۔ جب لڑکی نے اپنی قوم سمیت رہائی پائی۔ حاتم کی وصیت یاد آئی۔ اور کہا کہ مجھ کو حضور عالی میں لے چلو۔ جب وہاں پہنچی۔ آداب بجالائی۔ حاتم کا سلام عرض کیا۔ اور مسلمان ہوئی۔ بلکہ ساری قوم اس لڑکی کے ساتھ ایمان لائی۔ غرض کہ دعا کا قبول ہونا اس پریزاد کے حق میں اس سبب سے تھا کہ سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن اس کے حق میں رعایت کریں گے۔ آخرالامر سب پریزادوں کے پر نکل آئے۔ اور وہ بھی اپنی اصلی صورت پر قایم رہا۔ اس نے حاتم سے پوچھا

کہ صاحب آپ یہاں کس واسطے آئے ہیں۔ اور کہاں جائیں گے۔ حاتم نے کہا اب تو میں شاہ آباد سے آیا ہوں اور برزخ سوداگر کے جزیرے کو جاؤں گا۔ وہ چاندی کا موتی جو بطور نمونے کے لایا تھا دکھایا۔ یہ دیکھ کر شمس شاہ نے کہا۔ سچ ہے۔ اس کی جوڑی جو موتی اعلیٰ ہے اس جزیرے کے بادشاہ کے پاس ہے۔ لیکن اس نے شرط کی ہے جو کوئی اس کی پیدائش کا حال بیان کرے۔ اپنی بیٹی سمیت اس کے حوالے کروں۔ مگر تو وہاں کیونکہ پہنچ سکے گا کہ راستہ میں بہت سی آفتیں ہیں۔ حاتم نے کہا خدا نگہبان ہے۔ بادشاہ نے فرمایا خاطر جمع رکھ میں ایسے ایسے پریزاد کو تیرے ساتھ کروں گا کہ وہ تیرے مددگار رہیں گے۔ یہ کہہ کر پریزادوں کو ارشاد کیا کہ اے عزیزو! اس کی طفیل سے تم نے ایک بلائے عظیم سے نجات پائی ہے تم اس مہم میں اس کا ساتھ دو۔ اُنھوں نے کہا۔ ہم جان و دل سے حاضر ہیں۔ جو حضور سے حکم ہو گا بجائیں گے۔ بادشاہ نے کہا تم اس کو جزیرے برزخ میں پہنچا دو۔ اُنھوں نے تامل کیا۔ بعد توقف عرض کرنے لگے کہ اس جزیرے میں پہنچنا مشکل ہے کیونکہ ایسے ایسے دیو راستہ میں ہیں جو کہ ہمیں جیتا نہ چھوڑیں گے۔ اگر جہاں پناہ بھی اِدھر کا قصد کریں تو بھی لڑائی ہو گی۔ مگر اتنے لوگوں سے سرانجام نہ ہو گا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اس جوان کا احسان برباد نہ ہو۔ اس بات کو سُنکر پریزاد ہمت باندھ کر بولے۔ کہ اس جوان کو آپ کے اقبال سے ہم پہنچائیں گے۔ جو راہ میں خلل واقع ہو تو جہاں پناہ مدد کریں۔ بادشاہ نے اس بات کو قبول کیا۔ تب وہ ایک اڑن کھٹولا لائے۔ حاتم کو اس پر بٹھایا۔ چار پریزادوں نے پائے پکڑے۔ غرض اس صورت سے آسمان کی طرف روانہ ہوئے۔ تین دن رات چلے۔ چوتھے دن جس جگہ دیو رہتے تھے پریزادوں نے بھوک سے اُڑن کھٹولا اُتارا۔ اور آپس میں کہا کہ تین دن سے کچھ نہیں کھایا۔ بہتر ہے کہ کوئی گھڑی آرام کریں اور کچھ کھائیں پئیں۔ اس بات کو سُنکر حاتم نے بھی کہا مختار ہو۔ جو مناسب جانو کرو۔ پریزاد متفق ہو کر اِدھر اُدھر چلے گئے۔ ایک پریزاد حاتم کے پاس کھڑا رہا۔ اِتنے میں کئی دیو شکار کھیلتے ہوئے اِدھر آ نکلے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی زاد کھٹولے پر بیٹھا ہے۔ اور اس کے پاس پریزاد کھڑا ہے۔ وہ چار ہزار تو کھٹولے کے گرد ہو گئے۔ چھ سات ہزار غل مچانے

لگے کہ یہ آدم نزاد کہاں سے آیا ہے۔ وہ پریزاد دیوؤں کو دیکھکر ڈرا۔ چاہتا تھا کہ حاتم کو چھوڑ کر بھاگ جائے کہ چار دیو اس سے لڑنے لگے۔ دو تین کو اس نے مارا آخر پکڑا گیا۔ پھر وہ دیو پریزاد سمیت حاتم کو اپنے گھر لے آئے اور پوچھا کہ اس آدمی کو کہاں سے لایا ہے اور کہاں لئے جاتا ہے۔ اس نے کہا یہ جوان یمنی شمس شاہ کا ایک بڑا دوست ہے۔ اس کو نہ ستاؤ۔ نہیں تو خراب ہو گے۔ اُنہوں نے کہا کہ بادشاہ تو ایک مدت سے غائب ہے۔ اس کا حال کچھ معلوم نہیں۔ اب کہاں سے پیدا ہُوا۔ پریزاد نے تمام ماجرا بیان کیا۔ دیوؤں کے سرور نے سر ہنچا کیا۔ اور کہا کہ اس کو قید کرو کنویں میں۔ رات کے وقت کھانے کے بعد کھاؤں گا۔ اُنہوں نے وہی کیا چاروں پریزاد جو ان کو چھوڑ کر قوت کی فکر میں گئے تھے۔ اس درخت کے نیچے آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دو تین لاشیں دیوؤں کی پڑی ہیں۔ نہ حاتم ہے نہ وہ پریزاد۔ نہایت حیران و پریشان ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ یہ دیو کس پردے کے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ کوئی نہ کوئی ان کشتوں کو اٹھانے آئے گا۔ اتنے میں جو غور سے دیکھا تو ایک کو سسکتا پایا۔ اس کے منہ میں تھوڑا پانی چوایا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں تب اُنہوں نے پوچھا تیرا ٹھکانہ کہاں ہے۔ اس نے کہا مقرنس کے دیوؤں میں سے ہوں ایک پریزاد کے ہاتھ سے میرا یہ حال ہُوا ہے۔ پر اس کو بھی ایک آدمی سمیت دیو پکڑ کر اپنے ملک میں لے گئے۔ پریزاد اس دیو کو لے کر اُڑے۔ اور بادشاہ کی درگاہ میں داد چاہی۔ اس نے کہا کہ دیکھو ان پر کس نے ظلم کیا ہے۔ وہ جوان یمنی جس کے ساتھ وہ گئے تھے۔ وہ کہاں ہے۔ اُنہوں نے آداب بجالا کر عرض کی کہ جہاں پناہ ہم دو تین رات دن کے پیہم چلے جاتے تھے۔ نہایت بھوک پیاس سے ماندگی نے غلبہ کیا۔ اس سبب سے آدمی زاد کو ایک درخت کے نیچے بٹھایا۔ اور ایک پریزاد کو اس کے پاس چھوڑ کر قوت کی تلاش میں گئے۔ ایک آن کے بعد آکر جو دیکھا تو نہ پایا۔ مگر کئی دیو کشتہ دیکھے، حیران ہوئے کہ ان کا احوال کس سے پوچھیں۔ اتنے میں اس دیو کو جو دیکھا تو ادھ مویا پایا۔ اس کے منہ میں تھوڑا پانی چوایا۔ بارے یہ ہوشیار ہُوا، اُٹھ بیٹھا اس کے ساتھ والے ان کو پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے ہیں۔ ہم

بھی یہ دیکھ کر حضور میں لے آئے۔ آگے جو ارشاد ہو۔ بادشاہ نے فرمایا اس کو ہمارے روبرو لاؤ۔ وہ لے آئے۔ پھر ارشاد کیا کہ مقرنس اب تک جیتا ہے۔ ہمیں کیا بھول گیا۔ اس نے عرض کی۔ جہاں پناہ آپ ایک مدت سے غائب تھے۔ آج ان پریزادوں سے آپ کے ظاہر ہونے کا حال معلوم ہوا۔ لیکن مجھے اعتبار نہ تھا۔ اب جانا یہ سچے ہیں۔ بادشاہ نہایت ہی پُر غضب ہوا۔ اور تین ہزار پریزاد لے کر اس کے ملک میں دوڑا۔ اور کئی جاسوسوں سے کہا کہ مقرنس کی خبر لاؤ کہ وہ کہاں ہے۔ وہ سنتے ہی ایک دم کے بعد عرض کرنے لگے کہ فلاں جنگل میں شکار کھیلتا ہے۔ بادشاہ سر پر جا پہنچا۔ بہت سے دیوؤں کو مارا۔ آخر مقرنس کئی ہمراہیوں سمیت گرفتار ہو کر حضور میں آیا۔ بادشاہ نے فرمایا۔ اے کافر تو ہم کو بھول گیا۔ یہ نہ جانا کہ اس کے علاقہ مندوں کو پکڑ کر قید کروں گا تو بادشاہ کب جیتا چھوڑے گا۔ اس میں خیر ہے کہ اس آدمی کو جلد حاضر کر۔ وہ بولا کہ آدمی کو دیو کب چھوڑتا ہے۔ بادشاہ نے طیش کھا کر کہا اے روسیاہ حضرت سلیمان نے تم کو منع کیا ہے کہ آدمیوں کو نہ ستانا کیا یہ قول نہیں دیا تھا۔ کہ ہم ان کو ایذا نہ دیں گے اور نہ کھائیں گے۔ دیو نے کہا وہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ گئی۔ بادشاہ مارے غصہ کے کانپنے لگا۔ اور کہا جلد لکڑیوں کا انبار لگاؤ۔ اور اس کافر کو ہمراہیوں سمیت جلا دو۔ مقرنس نے جب دیکھا کہ اب کچھ بس نہیں چلتا اور یہ بغیر جلائے نہیں رہتا۔ کسی طرح بالفعل اس کے ہاتھ سے چھوٹیئے۔ پھر آگے سمجھ لیں گے۔ اسی سوچ میں تھا کہ بادشاہ نے کہا۔ اے ظالم اس آدمی کے ساتھ مجھے نہایت اُلفت ہے۔ جو اس کو صحیح و سلامت میرے حوالے کرے تو میرے تیرے درمیان کچھ کدورت نہیں۔ کسی طرح کا تو اپنے جی میں کچھ اندیشہ نہ کر ورنہ جان سے ماروں گا۔ مقرنس نے کہا حضرت سلیمان کی قسم کھا۔ تب اس نے حاتم کو پریزاد سمیت حاضر کر دیا۔ شمس بادشاہ نے کہا۔ ہمارے نزدیک اس ملعون مقرنس کو چھوڑنا مناسب نہیں۔ جلد اس کے تئیں انبار میں رکھ کر آگ لگا کر جلا دو۔ یہ سنتے ہی مقرنس کو دیوؤں

سمیت آگ میں جلا دیا۔ وہ پکارا کیوں صاحب تم نے قول کیا تھا۔ بادشاہ نے فرمایا
اے دغاباز ہرگاہ تو قول دے کر پھر گیا۔ خدا سے نہ ڈرا۔ مگر میں نے تجھ سے بدعہدی
کی تو کیا تعجب ہے۔ اس کے سوا تو فتنہ انگیز ہے۔ تیرا جلانا بہتر ہے۔ حاصل کلام
یہ کہ دیووں سمیت جلا دیا۔ اور چھوٹے بھائی کو وہاں متعین کر کے فرمایا کہ اس
ملک سے خبردار رہو۔ پھر حاتم سے پوچھا۔ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا۔
وہی جو میں نے پہلے کہا تھا۔ بار بار کہنے سے کیا فائدہ۔ جس طرح ہو سکے مجھ کو
جزیرہ میں جانا ہے۔ اور اس موتی کو لانا ہے۔ تب بادشاہ نے
اپنے لوگوں سے فرمایا۔ کہ اے عزیزو! تم میں سے دیرینہ سال ہو اس
کے ساتھ جائے اور وہاں پہنچا آئے۔ یہ سن کر چار پریزاد اسی عمر اور وضع
کے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ یہ خدمت ہمارے ذمہ ہے۔ اس بات کو سن
کر بادشاہ نے نہایت مہربانی فرمائی اور حاتم کے ساتھ رخصت کیا۔ وہ
سب اُڑن کھٹولا لے کر اُڑے۔ رات دن چلے جاتے تھے جب بہت
بھوکے پیاسے ہوتے تھے تو محفوظ جگہ کہیں دیکھ کر اُتر پڑتے تھے۔ کچھ کھا پی
لیتے تھے۔ اس صورت سے پندرہ روز تک پر مارے چلے گئے۔ سولھویں روز
ایک پہاڑ پر جا اُترے۔ جس کو شہزادہ مہر آور بن طوفان ایک پریزاد خوشرو
نے برزخ کی بیٹی پر عاشق ہو کر اپنا مسکن کیا تھا۔ اور اس کے فراق میں
دھاڑیں مار مار کر روتا تھا۔ اتفاقاً اس کی آواز سنتے ہی حاتم بے اختیار ہو کر
پوچھنے لگا۔ اے عزیز اس درد سے کیوں روتا ہے۔ اور اس جگہ اس حالت
اضطرابی میں گریہ وزاری کرنے کا کیا سبب ہے۔ کہ جس سے سننے والے کے
بھی ہوش و حواس باختہ ہوتے ہیں۔ اس نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا
کہ ایک آدمی نہایت حسین و خوبصورت کھڑا ہے۔ بولا، اے شخص تو یہاں
کہاں سے آیا۔ حاتم نے کہا۔ میں آدمی ہوں اور نہایت تکلیف اُٹھا کر مرغابی
کے انڈے کے برابر ایک موتی ڈھونڈتا ہوا آیا ہوں۔ کیونکہ میں نے تمام جہان میں
اس کی تلاش کی ہے پر کہیں موتی کا پتہ نہ چلا۔ آخر قدرت خدا سے مجھ کو معلوم ہوا
کہ موتی جزیرہ برزخ کے بادشاہ ماہرو پری شاہ کے پاس ہے۔ وہ اس

بات کو سُنکر ہنس پڑا۔ اور کہا یہ امر محال ہے۔ اس لئے کہ وہاں کا بادشاہ کچھ سوال رکھتا ہے۔ اور ہر ایک سے پوچھتا ہے۔ کوئی اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ بلکہ ہم عمدہ برا نہیں ہو سکتے اور تو آدم زاد ہے۔ حاتم نے کہا خدا قادر ہے۔ تو اپنی حقیقت کہہ۔ اس حال سے کیوں پڑا ہے۔ پریزاد نے کہا۔ میں اس جزیرہ کے بادشاہ کی بیٹی پر عاشق ہوں۔ اور میرا نام شہزادہ مہر آور بن طوفان ہے ایک دن میں مجلس میں بیٹھا تھا کہ کسی نے اس کے حسن کی تعریف کی۔ میں بیخود ہوگیا۔ آخر غلبہ عشق سے ماہرو پری شاہ کے پاس پہنچ کر شہزادی کی درخواست کی۔ اس نے موتی منگوا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ اور پوچھا کہ یہ موتی کس کو درکار ہے۔ میں نے پیدائش بیان کرنے سے لاعلمی ظاہر کی۔ اس نے کہا۔ اسے باہر نکلوا دو۔ اس وقت وہ آفتِ جان اور غارت گرِ ایمان کوٹھے پر جلوہ افروز ہوتی تھی۔ میری نگاہ اس پر جا پڑی۔ میں نیم بسمل تو آگے ہی تھا۔ پھر مر ہی گیا۔ جب میں نے دیکھا کہ تدبیر نہیں ہوسکتی۔ اس پہاڑ پر آکر گر پڑا۔ غیرت کے مارے اپنے ملک نہ گیا۔ اب تمام دن گریہ زاری اور شب کو اختر شماری میں کٹتی ہے۔ نہ جان جاتی ہے نہ جاناں سے ملاقات ہوتی ہے۔ حاتم نے سُنکر کہا۔ تو خاطر جمع رکھ اگر وہ موتی لوں گا تو موتی والی تجھے دوں گا۔ اے پریزاد میں اس موتی کی پیدائش سے آگاہ ہوں۔ تو دیکھے گا کہ تیرے سامنے کس طرح سے اس کا احوال بیان کرتا ہوں۔ پریزاد نے کہا۔ مجھے باور نہیں آتا۔ حاتم بولا۔ وہ گوہر صدف نہیں ہے۔ اور وہ جزیرہ بھی آگے آدمیوں سے آباد تھا۔ اور انہیں کے تصرّف میں تھا۔ پورا حال وہاں کہوں گا۔ میرے ساتھ چل۔ پریزاد یہ بات سُن کر اور حاتم کو کچھ سچا جان کر اُٹھ کر ساتھ ہو لیا۔ حاتم نے ان چاروں پریزاد سے پوچھا کہ تم میں اتنا زور ہے کہ ہم دونوں کو اس کھٹولے میں بٹھا کر لے چلو۔ وہ بولے اگر تم ایسے چار مہروں کے بھی ہوں لے جائیں مطلق نہ گھبرائیں۔ یہ سُنکر وہ دونوں کھٹولے پر جا بیٹھے۔ وہ پریزاد لے اُڑے۔ راہ میں مہا کال دیو کا باغ تھا۔ جو ان کا گذر ادھر سے ہوا۔ وہ بیٹھا سیر کر رہا تھا۔ اس کی نگاہ اس پر جا پڑی۔ کئی دیوؤں کو حکم دیا کہ دوڑو کھٹولے سمیت ان پریزادوں کو

میرے پاس لے آؤ۔ اُسی وقت مہا کال کے پاس لے آئے۔ اس نے پریزادوں سے پوچھا کہ آدمی کو کہاں سے لائے ہو۔ اور کہاں لئے جاتے ہو اُنہوں نے کہا۔ شمس شاہ کے ملک سے آتے ہیں۔ وہ بولا وہ تو ایک مدت سے خائب ہے۔ اور اس کا ملک سانپوں سے آباد ہے۔ پریزادوں نے کہا سچ ہے۔ لیکن اس آدمی کی دُعا سے وہ اپنی صورت اصلی پہ آگیا ہے۔ ہم سب بھی اپنے پروبال سے درست ہو گئے۔ دیو نے کہا۔ اب کہاں جاتے ہو؟ وہ بولے جزیرہ برزخ کو۔ پھر اس نے کہا۔ پریزاد کون ہے؟ مہرآور بولا۔ آپ ہی ہے۔ کیا تو مجھے بھول گیا۔ میں مہرآور بادشاہ طوفان کا بیٹا ہوں۔ اس نے کہا۔ اے شہزادے تجھ کو آدمی سے کیا کام ہے۔ یہ کہہ کر حاتم کو کھٹولے سے کھینچ لیا۔ مہرآور بولا۔ اے دیو حضرت سلیمان علیہ السلام سے جو قول کیا تھا وہ بھول گیا۔ اس نے جواب دیا۔ اب وہ کہاں ہیں جو ہم اس پر رہیں۔ میں اس کو نہ چھوڑوں گا۔ مُنہ میٹھا کروں گا۔ مہرآور نے جو دیکھا کہ دیو آدمی کو دیکھ کر بھول گیا۔ اس کو کچھ فریب دینا چاہیئے۔ بولا اے مہا کال اس آدمی کے کھانے سے کیا فائدہ میں تجھ کو آدمی دوں گا۔ جو میرے قول پر رہے گا۔ اور اس آدمی کو میرے حوالے کر۔ کیونکہ میرا کام اس کے سبب سے سرپرا ہو گا۔ دیو نے کہا۔ اے شہزادے میں تیرے خاندان سے توسل رکھتا ہوں۔ اس کو میرے پاس چھوڑ جا۔ اور جو تو کہتا ہے اسے کر دکھا تو میں اسے تیرے حوالے کروں۔ شہزادے نے سوچا کہ کچھ علاج نہیں ہو سکتا۔ ناچار ہو کر کہا کہ یہ آدمی میرا بڑا آشنا ہے۔ چاہیئے کہ تو اسے کسی جگہ بخوبی رکھ۔ اگر اس کو کچھ بھی ایذا پہنچے گی تو تجھ سے لوں گا۔ اس نے کہا جو مکان تجھے پسند ہو وہیں چھوڑ جا۔ الغرض اس نے ایک باغ کو پسند کر کے اس میں چھوڑا۔ اور اس سے کہا۔ کہ تو اپنے دیوؤں کو کہہ دے کہ اس کی نگہبانی بخوبی کریں۔ میں دو تین آدمی تیرے واسطے لینے جاتا ہوں۔ وہ بولا۔ بہت بہتر۔ آخر شہزادہ ان چالیس پریزادوں سمیت کسی جنگل میں آیا۔ اور ایک کونے میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگا۔ کہ اگر میں اپنے ملک میں جا کر فوجیں لاؤں تو دیر لگے گی۔

وعدہ ٹل جائے گا اور ملعون اسے مقرر ایذا پہنچائے گا۔ صلاح یہ ہے کہ گھات میں لگے رہیں۔ جب دیوؤں کو غافل پائیں اس کو لے کر ہوا ہو جائیں۔ اغلب ہے کہ صبح ہوتے ہی ساٹھ ستر کوس نکل جائیں گے۔ پھر ہمیں کون پائے گا۔ ان پریزادوں نے اس مصلحت کو پسند کیا اور گھات میں ایک طرف کو لگے رہے۔ جھکی دیو نے دل میں کہا۔ پریزاد آدمی کو چرا کر تھوڑے ہی لے جائیں گے اور نہ اس کے پر ہیں جو آپ سے اُڑ جائے گا۔ اس گمان میں ان میں سے کچھ شکار کے واسطے گئے اور کتنے چرندے پرندے مار کر لے آئے۔ آخر ان کو سب نے بھون کر کھایا اور شراب غفلت سے مست ہو کر آدھی رات گئی باغ کے دروازے میں قفل دے کر پاؤں پھیلا کر سو رہے۔ پھر یہ کوئی نہ سمجھا کہ مہر آور چار فرشتے لئے جان کی گھات میں ہو رہا ہے۔ القصہ دیوؤں کو غافل پا کر حاتم کے کھٹولے سمیت لے کر آسمان کی طرف روانہ ہوئے۔ اور سورج کے نکلتے نکلتے باغ سے سو کوس پرے نکل گئے۔ جب دن چڑھا ایک محفوظ جگہ دیکھ کر اُتر پڑے۔ کچھ ناشتہ کر کے سو رہے۔ دیوؤں کو اس بات کی خبر نہ تھی کہ کون لے گیا ہے۔ خاطر جمع سے بیٹھے چوکی پہرا دیا کئے۔ اور وہ پریزاد حاتم کو لے کر رات دن چلا کئے۔ جہاں محفوظ جگہ نظر پڑتی وہاں دم لیتے۔ جب وعدہ گذر گیا۔ تب مہا کال نے کہا۔ وہ پریزاد جس آدمی کو چھوڑ گئے ہیں لے آؤ۔ جوں ہی دیو باغ میں گئے تو اس کو نہ پایا۔ مہا کال کو خبر دی وہ غصے ہو کر باغ میں آیا۔ دیوؤں سے جھنجلا کر کہا۔ اے نمک حرامو! مقرر تم ہی نے اس کو کھایا ہے۔ دیکھو کیا مزہ چکھاتا ہوں۔ یہ کہہ کر دیوؤں کو قید کیا اور خوب مارا۔ اُنھوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی قسم کھا کر عرض کی کہ ہم نے اُسے ہاتھ بھی نہیں لگایا کھانا تو ایک طرف۔ مہا کال نے کہا جھوٹے ہو مجھے باور نہیں۔ اُدھر جب وہ پریزاد حاتم سمیت دریائے قہرمان پر پہنچے۔ اتفاقاً مہا کال کا ایک دیو بھی اس کے جزیرہ میں گیا تھا۔ ان کو پہچان کر چاہتا تھا کہ حاتم کو پکڑ کر ہوا پر اُڑا لے جائے۔ کہ شہزادہ مہر آور نے ایک تلوار ایسے زور سے ماری کہ دیو کا بازو الگ ہو گیا۔ اس نے کہا کہ میں

ابھی اس پردہ کے دیوؤں کو خبر کرتا ہوں۔ کہ کئی پریزاد ایک آدمی کو لئے جاتے ہیں۔ دیکھو کیسا بدلہ لیتا ہوں۔ مہرآور نے یہ سنکر کہا۔ تو کس پردہ کا رہنے والا ہے۔ وہ بولا مہاکال کے دیوؤں میں سے ہوں۔ شہزادہ نے فرمایا۔ جا اپنے مہاکال سے کہہ۔ میں آدمی لئے جاتا ہوں خبردار رہ۔ اگر ادھر سے پھروں گا تو تیرے شہر کو تاخت و تاراج کروں گا۔ یہ سُنکر دیو ہوا ہو گیا۔ پھر پریزاد بدستور لے اُڑے۔ اتنے میں ایک جنگل کے قریب جا پہنچے۔ اور حاتم سے کہا کہ ہماری حد تمام ہوئی۔ آگے جا نہیں سکتے۔ ہم کو رخصت کرو۔ مہرآور بولا۔ اے جوان میں تیرا ساتھ ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ حاتم نے کھٹولے سے اُتر کر چاروں کو رخصت کیا۔ اور کہا مجھے یہ منظور نہیں جو میرے باعث ایذا پہنچے۔ مگر اتنا دریافت کرتا ہوں کہ اس جنگل سے گذر کیونکر ہوگا۔ اس نے کہا آگے تو پریزاد بھی اس طرف نہ جا سکتے تھے۔ کیونکہ دیو اس کو ستاتے تھے۔ بلکہ جان کے خواہاں ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک دن پریزاد جمع ہو کر دیوؤں سے لڑے۔ طرفین سے ہزاروں مارے گئے۔ مردم آزار ایذا دہندہ لوگ بہت ہیں۔ حاتم نے کہا۔ اگر میں دیو بن کر اس جنگل سے چلوں تو تو راہ کیونکر طے کرے گا۔ مہرآور بولا۔ میں تمام دن ہوا پر اُڑوں گا۔ رات کو جہاں تو اُترے گا میں بھی اُتر پڑوں گا۔ تب حاتم نے لال پری جانور کا نکال کر جلایا۔ اور پانی میں اس کی راکھ گھول کر بدن پر ملی وہیں دیو کی صورت ہو گیا۔ جنگل کے چرندے پرندے بھاگنے لگے۔ غرض تمام دن چلتا شام کو رہ جاتا۔ وہیں مہرآور بھی آملتا۔ ایک دن مہرآور نے پوچھا۔ اے حاتم یہ کس جانور کے پر ہیں؟ اس نے کہا جس نے اس موتی کے پیدا ہونے کی حقیقت بتائی تھی، ان کے ہیں۔ اے مہرآور جب میں شاہ آباد سے نکلا تھا۔ نہایت متفکر ہوا تھا۔ غرض ایک درخت کے نیچے ٹھہر کر سر بزانو بیٹھ گیا کہ ایک جوڑا خوشرنگ جانور کا اس درخت پر آبیٹھا۔ مادہ نے پہلے تو اس جنگل کی آب و ہوا کو اپنے نر کے سامنے بُرا کہا۔ پھر دریائے قہرمان کا ماجرا بیان کر کے میرا احوال پوچھا کہ یہ کون ہے۔ اس کے نر نے میری سرگذشت اور موتیوں کی پیدائش کی صورت اور ان کے ناپید ہونے

کی صورت جس کے یہ انڈے ہیں بیان کی اور کہا کہ میں مفصل حال ماہ یار سلیمان کے روبرو کہوں گا تو سن لیجئو۔ الحاصل سارا ماجرا اس نے اس لئے نہ کہا کہ مبادا آگے چلا جاوے۔ میں اپنا کام کرنے میں محروم رہ جاؤں۔ غرض مہرآور کے اتنے احوال سے تسلی ہوگئی کہ میرا کام بھی اس کی بدولت ہوگا۔ اس کے بعد حاتم تو آگے چلا۔ اور مہر آور آسمان کی طرف اُڑا۔ غرض رات کو تو ایک ہو جاتے اور دن کو اپنے اپنے طور پر راہ طے کرتے۔ ایک رات کا ذکر ہے دونوں خوش فضا جگہ میں سو رہے تھے۔ کہ ملوک ساز کے دیو کا ایک دیو آ پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ ایک دیو ایک پریزاد پاس پاس سوتے ہیں۔ اس نے جاکر اور دیوؤں سے خبر کی۔ جب وہ آئے۔ دیکھ کر آپس میں کہنے لگے۔ کہ ان کو اپنے بادشاہ کے پاس لے جانا چاہیئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ کیا ضرورت ہے۔ ہمارے مجرم نہیں ہیں۔ اُنہوں نے کچھ تقصیر نہیں کی ہے۔ یہ کسی پیروی میں کسی کام کو جاتے ہیں۔ رات کا وقت دیکھ کر سو رہے ہیں۔ لیکن پریزاد فی الحقیقت جاگتا تھا۔ اس نے ان کی باتیں سُنیں۔ دیو نے کہا۔ اُنکو جگا کر پوچھئے۔ شاید برزخ کے پردے کے ہوں۔ ایک دیو نے کہا اگر وہیں کے ہیں تو ہمیں کیا۔ دوسرے نے کہا۔ بادشاہ ملوک کہتا تھا کہ بہت دنوں سے پردہ برزخ کی خبر نہیں۔ مگر مجھے اس کا ڈر نہیں ہے جو ایسی بات کہتا ہے اگر کوئی جاکر یہ بات بادشاہ سے کہہ دے کہ اس طرح سے ایک دیو اور ایک پریزاد سوتے تھے اور بادشاہ تم سے کہے کہ تم نے حضور میں کیوں خبر نہیں پہنچائی۔ اس وقت کیا حال ہوگا۔ آخر دونوں کو جگایا۔ حاتم نے کہا۔ ایک آدمی برزخ کے جزیرہ کو جاتا ہے۔ اس کی خاطر سے شمس بادشاہ نے مقرنس کو تو جلادیا اور اس کا ملک چھین لیا۔ ہم اس کی تلاش کرکے بادشاہ کے پاس لے جائیں گے۔ دیوؤں نے پھر پوچھا کہ پریزاد کس پردہ کا ہے حاتم نے کہا۔ پردہ طوفان کا ہے یہی خبر لئے جاتا ہے کہ شمس بادشاہ پیدا ہوا اور مقرنس کو مار کر اس نے اس کا ملک لے لیا ہے۔ یہ سُنکر بولے۔ تم آرام کرو۔ ہم اُسے ڈھونڈنے جاتے ہیں۔ غرض اسے راستہ بتاکر آپ راہ لی۔ بعد تین روز کے دریائے قہرمان پر پہنچے۔ مہر آور نے

کہا۔ دریائے قہرمان یہی ہے۔ حاتم نے دیکھا اس کا ادھر کا کنارہ نظر نہیں آتا۔ موجیں آسمان کو پہنچ رہی ہیں۔ اور آبی جانور کنارے پر لوٹ رہے ہیں۔ اور ہزاروں پرندے رنگ رنگ کے پہاڑوں اور ٹاپوں پر کلیلیں کر رہے ہیں۔ یہ قدرت الٰہی کا اور بھی قائل ہوا۔ پھر گھبرا کر مہر آور سے کہنے لگا کہ بھائی ایسے دریا کے پار کیوں کر ہوں گے۔ مہر آور بولا۔ سچ ہے تیز پرندے کی بھی مجال نہیں کہ سات روز میں اس کے کنارے پر پہنچے۔ چنانچہ پریزاد ہو کر بھی نہیں اُڑ سکتا۔ حاتم نے کہا۔ کچھ ہو ہمیں برزخ کے جزیرہ میں جانا ہے۔ مہر آور بولا کہ یہاں سے کئی کوس کے فاصلہ پر ایک میدان ہے۔ اگر چند روز ٹھیرو تو اُترنے کی تجویز کروں۔ حاتم نے کہا اچھا۔ اور وہاں کی بادشاہت شمسان بادشاہ کرتا ہے۔ اس کے عمدہ دریائی گھوڑے تیز رفتار ہیں۔ حاتم اور مہر آور ایک ہفتہ کے بعد وہاں پہنچے۔ اور بادشاہ سے ملے۔ بادشاہ نے ان کے آنے کی کیفیت دریافت کی۔ مہر آور نے کہا۔ مجھ کو گھوڑے کی ضرورت ہے اگر مرحمت فرمائیں تو عین توجہ ہے۔ پھر وہ بولا کہ تم کہاں سے آتے ہو۔ کہا پردۂ طوفان سے۔ بادشاہ بولا۔ میں تجھے پہچانتا ہوں۔ اغلب ہے کہ مہر آور طوفان کا شہزادہ ہے۔ تنہا آنے کا کیا سبب ہے۔ اس نے کہا سچ کہتے ہو۔ لیکن میں ایک بلا میں گرفتار ہوں۔ اس لئے میں جریدہ ہوں۔ آنجی مدد کرو۔ تمہارا احسان تمام عمر نہ بھولوں گا۔ شمسان اُٹھ کر بغلگیر ہوا۔ اور اپنے طویلے میں لے آیا۔ اور کہا سب کے سب گھوڑے حاضر ہیں۔ قصہ مختصر دو گھوڑے چالاک اُڑنے والے مہر آور کے حوالے کئے۔ شہزادہ گھوڑوں سمیت طرفۃ العین میں آپہنچا۔ اور کہا اُٹھ جلد سوار ہو۔ حاتم وہیں ایک گھوڑے پر سوار ہو بیٹھا۔ دوسرے پر مہر آور سوار ہو کر کہنے لگا۔ خبردار اس کی باگ نہ چھوڑنا۔ اُٹھائے رکھنا۔ حاتم بولا۔ میں خبردار ہوں۔ الغرض دونوں کڑکا کر ہوا ہو گئے۔ کئی دن کے بعد بھوک پیاس کی شدت ہوئی۔ پریزاد نے کہا۔ میرے پاس تھوڑا سا میوہ ہے۔ اور ایک صراحی پانی کی موجود ہے۔ چاہیئے کہ کھا پی لیں۔ حاتم

نے دو چار دانہ میوے کے کھائے۔ اور پانی پیا۔ قدرے توانائی آئی۔ پھر سنبھل بیٹھا۔ چند روز کے بعد کنارہ نظر آیا۔ کہا بھائی باگ ڈال دو۔ گھوڑے زمین پر اُتر پڑے۔ حاتم نے کہا۔ اے مہر آور ہم نے سُنا ہے کہ جزیرہ برزخ درمیان میں ہے۔ وہ بولا یہ جزیرہ نہ سمجھیں کہ دریا سے پار ہو گئے یہ بھی ٹاپو ہے۔ کئی جزیرے اس میں آباد ہیں۔ حاتم نے کہا وہ شہر یہاں سے کچھ دور ہوگا۔ وہ بولا۔ دس روز کی راہ پر۔ اس نے کہا۔ توقف کیا ہے۔ مہر آور نے کہا ایک بات کہوں مانو تو۔ وہ بولا۔ بسر وچشم فرمایئے تب مہر آور نے کہا کہ میرا ملک یہاں سے نزدیک ہے۔ چاہتا ہوں کہ لشکر لے آؤں۔ تاکہ ہم تم کرو فر سے شہر میں داخل ہوں۔ حاتم نے کہا۔ اے عزیز ہم کچھ ماہ یار سلیمانی سے لڑنے نہیں آئے۔ جو لشکر درکار ہو۔ وہ بولا یہ مطلب نہیں۔ بلکہ اسواسطے کہ غربت میں پہنچیں گے تو کس کو پروا ہے۔ جو ہماری خبر گیری کرے گا۔ اور جو اس ٹھاٹھ سے جائیں گے تو ہمارے پہنچنے سے پہلے اس کا احوال معلوم ہوگا۔ تم گھبرانا نہیں۔ میں ایک پہر میں آ پہنچتا ہوں۔ اس نے کہا میں تنہا ہوں۔ وہ بولا کیا مضائقہ کوئی یہاں ایذا دہندہ نام کو نہیں۔ حاتم نے کہا خدا حافظ۔ مہر آور ہوا ہو گیا۔ جب حاتم کی نظر سے غائب ہو گیا حاتم نے سفید پر نکالا اور جلا کر اس کی راکھ پانی میں گھول کر اپنے بدن پر مل لی۔ جیسا تھا ویسا ہو گیا۔ پھر تیر و کمان لے کر اٹھا اور بارہ سنگا کا شکار کر لایا۔ اسے صاف کر کے اچھے اچھے گوشت کے پارچے سیخوں پر چڑھائے۔ اور بھون کر کھانے لگا اور پانی پی کر خدا کا شکر کیا۔ اور اسی طرح کئی دن گذرے۔ اثنا راہ میں ایک باغ کا دروازہ دکھائی دیا۔ اس کے اندر چلا گیا۔ اور اس کی سیر سے نہایت مسرور ہوا۔ بلکہ وہیں رہنا اختیار کیا۔ گھوڑا ابھی ایسا وفادار تھا کہ دن بھر جنگل میں چر کر رات کو باغ میں آجاتا۔ اسی طرح ایک اٹھوارہ گذر گیا۔ اور شہزادہ مہر آور جب اپنے جزیرہ میں پہنچا۔ پریزاد پہچان کر پاؤں پر گر پڑے۔ شہزادہ سب کو تسلی دیتا تھا۔ اور کتنے گلے سے لگا کر ماں باپ کے پاس لے گئے۔ آداب بجا لا کر قدمبوس ہوا۔ اُنہوں نے

چھاتی سے لگایا اور احوال پوچھا کہ تو لشکر سمیت جزیرۂ برزخ کو گیا تھا۔ پھر لشکر سے جدا ہو کر کس گوشہ میں چھپا تھا کہ فوج ڈھونڈتے ڈھونڈتے تتر بتر ہو گئی۔ پھر لشکر حیران ہو کر واپس آیا۔ عرض کی غلام نے جو آپ کا کہنا نہ مانا ایک مدت پریشانی اٹھائی برسوں آہ وزاری میں کاٹے۔ سچ تو یہ ہے کہ اپنے تن کی بھی خبر نہ تھی۔ خدا کسی کافر کی بھی حالت نہ کرے۔ بلکہ کسی بندہ کو یہ دکھ نہ دکھلائے۔ لیکن طالع مبارک تھے کہ ایک آدمی زاد حاتم نام شہزادۂ یمن موتی کی تلاش میں جو مرغابی کے انڈے برابر ہے آنکلا تھا فلانے جنگل میں مجھ سے ملا۔ میں نے اپنا احوال اس سے بیان کیا۔ اس نے مجھے اقرار دیا کہ جس دم موتی میرے ہاتھ لگے گا ماہ یار سلیمانی کی بیٹی تیرے حوالے کردونگا۔ اس بات کو سنکر اس کی ماں ہنس پڑی اور کہا کہ اب تک بچپن مزاج سے دور نہیں ہوا۔ پریزاد تو اسکو بتا نہیں سکتے آدمی کو کیا معلوم۔ اور وہ کب ماہ یار سلیمانی سے عہدہ برآ ہوگا۔ شہزادہ نے کہا۔ وہ آدمی شہزادہ یمن ہے۔ عقل و ہنر سے جن و پری سے زیادہ ہے۔ پرندے کے جوڑے نے اسکو اس موتی کی بشارت دی ہے۔ جو کچھ ماہ یار سلیمانی کی زبانی سنا تھا میرے سامنے کہہ دیا۔ مجھ کو یقین ہوا کہ وہ ٹھیک جانتا ہے۔ انہوں نے پوچھا تیرے آنے کا کیا سبب ہے۔ اس نے التماس کیا کہ غلام کا یہ ارادہ ہے کہ لاؤ لشکر لے کر بادشاہ کی طرح شہر میں داخل ہوں۔ بادشاہ نے سنتے ہی کئی ہزار پریزاد سواری کے اسباب سمیت ہمراہ کر دیئے۔ اس گھڑی شہزادہ روانہ ہوا، اور وعدہ کے روز آپہنچا۔ لشکر کو دریا کے کنارے پر چھوڑ کر حاتم کے مکان پر آیا۔ نہ پایا۔ جی میں سمجھا کہ حاتم تو وعدہ خلافی کی جو پہلے ہی سے چلا گیا۔ مگر حاتم کے گھوڑے کو چرتا دیکھ کر پہچان گیا کہ وہی گھوڑا ہے پریزادوں سے کہا اس باغ میں جاکر اس کو ڈھونڈو۔ بعد تلاش کے کسی پریزاد کی نظر جا پڑی کہ ایک جوان درخت کے نیچے بیٹھا ہے اور الٹے پاؤں پھرا، اور شہزادہ سے یہ احوال عرض کیا کہ میں ایک آدمی کو وہاں بیٹھے دیکھ آیا ہوں۔ شاید وہی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پاؤں اٹھائے وہیں چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ حاتم سر جھکائے ہوئے بیٹھا ہے۔ پکار کر کہا۔ اے بھائی کس فکر میں ہے۔ حاتم نے جو دیکھا کہ مہر آور ہے اٹھ کر گلے سے لپٹ گیا۔ پھر وہ دونوں باغ سے باہر آئے۔ حاتم نے دیکھا کہ ایک لشکر عظیم اترا ہوا ہے۔ اور ایک بارگاہ شاہانہ کھڑی ہے۔ پوچھا کہ یہ بارگاہ اور لشکر شاہانہ کس کا ہے؟ مہر آور

نے کہا۔ آپ ہی کا ہے۔ پھر وہ ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا اور تخت مرصع پر بٹھایا۔ اور خاصہ یاد فرمایا۔ حاتم نے ایک مدت کے بعد انواع و اقسام کے کھانے دیکھ کر برغبت تمام نوش جان کئے۔ پھر طائفوں کو یاد کیا۔ ناچ ہونے لگا صبح کو کوچ کیا۔ یہ خبر برزخ بادشاہ کو پہنچی کہ پریزادوں کا لشکر بیشمار آپہنچا اور ان کے آنے کا مطلب معلوم نہیں اس نے غصے ہو کر ایک سردار کے ساتھ کئی ہزار پریزاد روانہ فرمائے کہ جلد جاکر ان کی راہ بند کر آگے نہ بڑھنے پائیں۔ وہ لشکر سر راہ اُتر پڑا۔ کئی دن میں جب وہاں پہنچے دیکھا کہ ایک لشکر عظیم الشان راہ روکے پڑا ہے۔ اتنے میں خبر پہنچی کہ ماہ یار سلیمانی نے تم سے لڑنے کو پہلے سے فوج بھیجی ہے۔ شہزادہ نے ایک مرد معقول کو اس سردار کے پاس بھیجا کہ ہم لڑنے کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں۔ بلکہ ہمیں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی آرزو ہے۔ یہ سُنکر شہزادہ مہر کو کہلا بھیجا کہ فراغت سے یہاں ڈیرا کرو۔ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں بخوبی ملاقات ہو گی۔ مہر آور نے بادشاہ کو عرضی بھیجی۔ بادشاہ نے فرمایا۔ اگر یہی ارادہ ہے تو کسی پُر تکلف جگہ میں اُتر آؤ۔ مہر آور مع مصاحب شہر میں داخل ہوئے۔ اور لشکر قریب شہر باغ میں اُترا۔ پھر ماہ یار سلیمانی نے ایک امیر کو مہر آور کے پاس بھیجا کہ دریافت کرو کہ آپ کیونکر تشریف لائے ہیں۔ اس نے کہا شہزادہ یمن کو آپکی قدمبوسی کی نہایت آرزو ہے۔ چنانچہ اس کو لئے آیا ہوں۔ آپ بھی اس سے کمال محظوظ ہونگے۔ یہ سُنکر بادشاہ نے پہلے مہمانی بھیجی۔ دوسرے روز حاتم کو بلوایا اور ایک کُرسی جڑاؤ پر بٹھایا۔ پھر مہربانی سے پوچھا کہ یہاں کس ارادہ سے آنا ہوا۔ حاتم نے کہا خدائے مسبب الاسباب نے مجھے پہنچایا۔ یہ کہہ کر بعینہ جو حسن بانو نے موتی کا نمونہ دیا تھا۔ دکھلایا اور کہا کہ اس کا ثانی اگر عنایت ہو تو عین الطاف ہے۔ ماہ یار سلیمانی نے کہا کہ اس کا دوسرا تو نہ ملے گا۔ حاتم نے کہا۔ آپ ہی کی سرکار سے مرحمت ہو گا۔ بادشاہ نے کہا اگر تو میری ایک شرط بجا لائے تو موتی کیا بیٹی بھی حاضر ہے۔ حاتم نے کہا مجھ کو صرف موتی درکار ہے۔ صاحبزادی کے آپ مختار ہیں شہزادہ مہر آور کو بلوائیے۔ اس نے وہیں بلوایا اور گلے لگا کر ایک کرسی پر بٹھایا۔ حاتم نے پخت و پز کر کے اس موتی کی پیدائش کا حال کہنا شروع کیا۔ ماہ یار سلیمانی

سر نیچا کئے سُنا کئے۔ غرض جو کچھ اس نے اس پرندے سے سُنا تھا۔ تمام و کمال کہہ سُنایا۔ بادشاہ تحسین و آفرین کرنے لگا اور محل میں جاکر موتی لے آیا۔ پھر ارشاد کیا کہ بادشاہزادی کو دُلہن بنائیں۔ بیاہ کی تیاری کریں۔ حاتم موتی کو دیکھ کر خوش ہُوا۔ اس کے بعد بہت سے گھوڑے ہاتھی جڑاؤ ساز و یراق سے سجوا کر منگائے۔ اور شاہزادی کو بنا سنوار کرکے چند سہیلیاں خوش پوشاک بہت سے غلام چست و چالاک سمیت مجلس میں بلوایا۔ حاتم کی نگاہ جو اس پر پڑی کہا کہ یہ میری بہن ہے یہ شہزادہ مہر آور کے لایق ہے۔ لازم ہے کہ اپنی رسوم کے موافق شادی کی تیاری کرو اور موتی مجھے دو۔ دو دن تک ماہ یار سلیمانی نے مجلس نشاط کا حکم دیا۔ اور لڑکی کو اپنے دستور کے موافق مہر آور کے ساتھ بیاہ دیا۔ الحمد اللہ کہ عاشق و معشوق اپنی مراد کو پہنچے۔ ایک مہینہ کے بعد شہزادی سمیت بادشاہ سے رخصت ہو کر چند روز میں اسی دریا پر آئے۔ حاتم نے کہا۔ یہاں سے بھائی تم اپنے ملک کو سدھارو، میں اپنے شہر کو جاتا ہوں۔ مہر آور بولا۔ بھائی مروّت سے بعید ہے جو ایسی خطرناک جگہ میں تجھے تنہا چھوڑوں۔ میرا ارادہ ہے کہ باشان و شوکت ہم تم شمس بادشاہ سے ملاقات کریں۔ پھر اپنے لشکر کو فرمایا کہ جلد سر انجام تیاری کریں۔ اور زنانہ سواریوں سمیت پار اُتریں۔ یہ کہہ کر بدستور دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چند روز میں دریائے قہرمان کے پار اُترے اور ایک جنگل میں جانکلے۔ دیوؤں کو خبر ہوئی کہ پرندوں کا لشکر آپہنچا ہے وہ بھی جمع ہو کر سر راہ آپڑے۔ مہر آور نے ایک دیو سے کہا۔ کہ اے عزیز ہم تم دونوں حضرت سلیمان علیہ السّلام کے خانہ زاد ہیں۔ ہمارا قصد تم سے بگاڑ کا نہیں ہے۔ شمس شاہ کی زیارت کو جاتے ہیں کہ اس نے بعد مدت کے غضب خدا سے نجات پائی ہے۔ اُنہوں نے کہلا بھیجا کہ ہمارا بھی ارادہ لڑنے کا نہیں ہے۔ صرف ملاقات کو آتے ہیں۔ غرض ان کے اور اپنے سرداروں کو بلا کر ملاقات کی اور حاتم کو ایک کونے میں چھپا رکھا۔ پھر ان کو وداع کرتے وقت اقسام اقسام کی غذا اور رنگ برنگ کے کھانے شراب پلا کر رخصت کیا اور آپ بھی روانہ ہُوا۔ چند روز میں دیوؤں کی سرحد سے نکلا اور شمس بادشاہ کو خبر پہنچی کہ حاتم اور مہر آور میری ملاقات کو آتے ہیں۔ یہ سُنکر مع لشکر

استقبال کو چلا۔ اثنا راہ میں باہم ملاقات ہوئی۔خوش ہو کر بغلگیر ہوئے۔ حاتم نے تمام ماجرا اپنا اور مہر آور کا سُنایا۔ یہ سُنکر شمس شاہ نے کہا کہ اے مہر آور یہ احسان تمہارا مجھ پر ہے جو اس جوان کو صحیح و سلامت مجھ تک پہنچایا۔ شب و روز اس کے لئے غمگین رہتا تھا۔ بلکہ زندگی تلخ تھی۔ الحمد اللہ کہ یہ زندہ و سلامت آملا۔ پھر مہر آور کو لشکر سمیت ایک باغ میں اُتارا۔ چالیس روز تک حقوق مہمان نوازی بجا لایا۔ اکتالیسویں روز مہر آور نے حاتم سے کہا کہ اے شہزادۂ یمن تو نے مشقت سفر کی بہت اُٹھائی ہے اب بھی تیرا ملک دُور ہے۔ خاطر جمع رکھ کہ ایک دم میں تجھے تیرے شہر میں پہنچائے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر کئی پریزادوں سے کہا کہ ابھی شہزادہ حاتم کو اُڑن کھٹولے پر بٹھا کر یمن میں پہنچا دو۔ پریزادوں نے اسی دم اس کو اُڑن کھٹولے پر بٹھا کر شاہ آباد کا راستہ لیا رات دن چلے گئے۔ جب ماندے ہوتے دلچسپ جگہ اُترتے۔ قدرے دم لے کر پھر اُڑتے۔ بعد ایک ماہ کے نواح شہر میں پہنچے۔ حاتم نے اپنی رسید لکھ کر پریزادوں کو دی۔ اور رخصت کر کے آپ شہر میں داخل ہوا۔ حسن بانو کو خبر پہنچی کہ وہ جوان صحیح و سلامت پھر آیا۔ اس نے بدستور پردہ کر کے اندر بلایا اور ایک طلائی کرسی پر بٹھایا۔ حاتم نے بیٹھتے ہی موتی بٹوے سے نکال کر سب کو دکھلایا اور سرگذشت ماضی سُنائی۔ وہ کمال شادمانی سے حاتم کی ہمت کی ثناگو وصفت خواہاں ہوئی۔ حاتم بھی مرطن مہمان سرا میں آیا اور منیر شامی سے تمام ماجرا کہہ سُنایا۔ یہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہنے لگا کہ بھائی خوش رہو۔ خاطر جمع رکھو۔ وصال یار نزدیک ہے۔ ایک سوال رہ گیا ہے انشاء اللہ اس کو بھی پورا کروں گا۔

جانا حاتم کا حمام بادگرد میں اور نہلانا حجام کا حوض میں پھر گرفتار ہونا طلسمات میں اور توڑنا طلسم کا تیر لگا کر طوطے کا اور لانا الماس کا

منیر شامی یہ سُنکر بے اختیار حاتم کے پاؤں پر گر پڑا۔ حاتم نے اُسے اُٹھا کر گلے لگایا۔ غرض سات روز تک دونوں باہم رہے۔ جب حاتم نے دیکھا بدن کی

ماندگی بالکل دفع ہوگئی۔ آٹھویں دن پوشاک بدل کر حسن بانو کے دروازہ پر آیا۔
چوبداروں نے خبر کی۔ اس نے بدستور اندر بلایا۔ کرسی مرصع پر بٹھایا۔

حاتم نے اب ساتواں سوال پوچھا۔ حسن نے کہا۔ حمام بادگرد کی خبر لاؤ۔ کیونکہ حمام کو گردش سے کیا کام۔ میں نے سُنا ہے کہ چکی کی طرح پھرتا ہے۔ پھر اس میں لوگ کیونکہ نہاتے ہیں۔ لازم ہے کہ اس کا اور اس کی بنیاد کا احوال تحقیق کر کے آؤ۔ حاتم نے کہا اتنا بھی جانتی ہو کہ کدھر ہے۔ حسن بانو بولی کہ دکھن اور پچھم کے کونے میں سُنا ہے۔ مگر اس کی پیدائش کا حال معلوم نہیں۔ اور یہ بھی نہیں معلوم کہ کس پردہ میں ہے۔ یہ بات سُنکر حسن بانو سے رخصت ہوا۔ اور مہمانسرائے میں آیا۔ منیر شامی کی بہت سی دلداری کی کہ انشاء اللہ تعالےٰ اب کا سفر کر آؤں تو تیری معشوقہ تجھ سے ملاؤں۔ یہ کہہ کر منیر شامی سے رخصت ہوا۔

ساتواں سوال حمام بادگرد کی خبر لانے کا اور منیر شامی و حسن بانو کے بیاہ ہے جانے کا

جب حاتم شہر سے نکلا۔ جنگل کی راہ لی۔ چند روز کے بعد ایک بڑے شہر میں جا پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک کنوئیں کے گرد مجمع مزدوروں کا فراہم ہے۔ ایک شخص سے حاتم نے پوچھا یہ انبوہ کیسا ہے۔ کسی نے کہا۔ اے عزیز یہاں کے حاکم کا بیٹا دیوانہ ہوکر کنوئیں میں جا پڑا۔ آج تیسرا دن ہے کہ وہ کنوئیں میں جا پڑا ہے اور وسیلہ کرتے ہیں پر اسکی لاش نہیں نکلتی۔ خدا جانے کیا بلا ہے۔ اور کوئی اپنی جان کے خطرہ سے نیچے نہیں اُترتا کہ مبادا اژدہا ہو۔ اور نگل جائے۔ اور اسکی ماں گریباں چاک خانماں آوارہ ایسی پھوٹ پھوٹ کر روتی ہے کہ پرندہ بھی فریاد کرنے لگا۔ بلکہ بہتیروں کے جگر پانی ہوکر بہہ گئے۔ یہ دیکھ کر حاتم کا دل بھر آیا۔ اور اس کو تسلی دے کر کہنے لگا کہ مرضی الٰہی سے چارہ نہیں۔ صابر و شاکر رہنا چاہیئے۔ اس نے کہا سچ کہتا ہے لیکن جو اسکی لاش بھی ہاتھ آتی تو دفن کرکے اس کی قبر سے دل بیتاب کو تھوڑی بہت تسلی دیتے۔ اور صبر کرتے۔ کیونکہ مرے کی نشانی بھی بہت ہے چنانچہ

ہر ایک کی منت کرتے ہیں اور ہزاروں روپے دینے کو موجود ہیں۔ لیکن کوئی میرے حال تباہ پر رحم نہیں کھاتا اور کنوویں میں نہیں اُترتا۔ آج یہ ارادہ ہے کہ آپکو اس کنوویں میں ڈال دوں اور اسکی لاش تلاش کرکے نکالوں۔ یہ سُنکر حاتم بولا کہ خاطر جمع رکھو میں تمہارے بیٹے کی لاش کو ڈھونڈھ لاتا ہوں تم میرے آنے تک یہیں منتظر رہنا۔ اُنہوں نے کہا اے جوان جانے کا کیا ذکر ہے ہم ابھی بود و باش بھی نہیں کریں گے۔ حاتم بولا ایک ماہ تک میرا انتظار دیکھنا اگر آیا تو آیا ورنہ اپنے کاروبار میں مشغول ہونا۔ یہ کہہ کر کنوویں میں کود پڑا اور غوطے کھاتا ہوا یہاں تک پہنچا کہ پاؤں تہ کو لگے۔ آنکھیں کھولدیں نہ کنواں نظر آیا نہ پانی۔ مگر ایک میدان وسیع روشن دکھائی دیا۔ آگے چل کر باغ لطیف نظر آیا بے تامل اندر چلا گیا۔ ہر قسم کے پھول میوہ دار درخت دیکھے۔ اور باغ خوشبو سے مہک رہا تھا کہ دماغ معطر ہو گیا۔ جی میں آیا کہ ایسی خوشبو کہاں سے آئی۔ اس کے امتحان کے لیئے ہر ایک تختہ کی سیر کر رہا تھا کہ ایک جماعت پریزادوں کی نظر آئی۔ ایک جوان خوبصورت بیٹھا ہوا نظر آیا۔ حاتم تھوڑی دور بڑھ کر گنجان درختوں میں چھپ رہا۔ اور تماشہ دیکھنے لگا۔ اسی اثنا میں پریوں کی نظر اس پر جا پڑی یکا یک چیخیں مار کر کہا۔ ہے ہے یہ آدمی زاد کون ہے۔ پھر جا کر ملکہ کی خدمت میں عرض کی۔ کہ ایک شخص آدمی کی قوم سے فلانے درختوں میں جا چھپا ہے۔ یہ سنتے ہی پریزادنے جوان سے کہا تمہارا بھائی بندا اور بھی آ پہنچا ہے۔ اگر کہو تو تمہارے پاس لے آئیں اور مہمانداری کی شرط بجا لائیں۔ وہ بولا۔ بہت بہتر۔ مجھے بھی اپنے ہمجنس کا کمال خیال تھا۔ الحمدللہ خدا نے بھیجدیا۔ اس پری نے دو مصاحبوں سے کہا کہ تم اس کو یہاں شائستہ لے آؤ۔ وہ جا کر اُسے لے آئیں۔ جب قریب تخت کے پہنچا وہ جوان اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اپنے پاس بٹھالیا مہمانداری کی رسمیں بجالائے احوال پوچھنے لگے تم کون ہو کیا نام ہے کہاں سے آئے ہو۔ حاتم بولا میں یمن کا رہنے والا ہوں۔ شاہ آباد سے آیا ہوں۔ حمام بادگرد کی خبر کو جاتا ہوں۔ میرا نام حاتم ہے۔ اثناء سفر میں کنوویں پر آنکلا۔ بہت سے لوگوں کو روتے دیکھا۔ اے جوان تیرے ماں باپ کی حالت بہت دگرگوں اور متغیر ہو گئی۔ بے اختیار ان کے پاس جا کر پوچھا کہ تم اس طرح کیوں بلبلاتے ہو کہ سننے والوں کی چھاتیاں پھٹی

جاتی ہیں۔ وہ آہ بھر کر بولے کہ اس کنوئیں میں ہمارا یوسف گم ہو گیا ہے۔ اس سے ہمارے جی ڈوبے جاتے ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جو خدا کے واسطے اس میں جا کر اسکی لاش نکال للئے۔ جب میں نے یہ کلمہ سُنا بے اختیار آپ کو اس کنوئیں میں جا کر گرا دیا۔ یہاں تک آ پہنچا۔ اب میں نہیں جانتا کہ ان کا بیٹا تو ہے یا کوئی اور پر ایک آدمی کو دیکھتا ہوں۔ یہ سُن کر اس جوان نے کہا اے بھائی جو شخص اپنی بی بی سمیت تھا میں اس کا بیٹا ہوں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میں اس کنوئیں پر آ نکلا۔ یہ رشکِ زلیخا مجھے نظر آ گئی۔ فوراً اس کے جلوہ پر بے داموں بک گیا۔ اور اس کی چاہ میں باؤلا بن کر وہیں بیٹھ رہا۔ یہ پری وش بھی ہر روز اپنی جھلک دکھا ہی جاتی تھی۔ لیکن مجھے اس دیکھا بھالی سے تسلّی نہ ہوتی۔ آخر اس کے سلسلہ محبت کی کشش نے کھینچ لیا۔ اور مجھ کو اس چاہ عمیق میں گرا دیا۔ پھر بادِ صبا کی طرح اس گل خوبی کی جستجو میں گرتا پڑتا یہاں تک آیا۔ بارے اس نے میری خستہ حالی کو دیکھ کر نہایت مہربانی فرمائی اور مجھ تشنۂ آب وصال کو اپنے جام وصال سے سیراب کیا۔ حاتم نے کہا حیف ہے تو رنگ رلیاں اُڑا رہا ہے۔ اور وہاں تیرے ماں باپ کا حال تباہ ہو رہا ہے۔ یہی انصاف ہے۔ وہ بولا۔ اب مجھے اس کے بغیر جینا محال ہے۔ اگر یہ رخصت دے تو جاؤں۔ حاتم نے کہا ذرا صبر کر۔ میں تیرا احوال عرض کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر پری کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ اے سراپا ناز دردمندوں کی دمساز، مہربانی سے دُور ہے کہ اس کے ماں باپ آتش دوری سے جلتے ہیں اور سوز مفارقت سے شمع کی طرح گھلتے ہیں۔ بہتر ہے کہ جوان کو دو تین دن کی رخصت دو۔ کیونکہ جا کر اُن کی چھاتی سے لگے اور دل ٹھنڈا کرے وہ مسکرا کر بولی۔ میں نے منع کیا ہے چلا جائے۔ یہ آپ ہی مبتلا ہو کر یہاں آیا ہے۔ یہ سُنکر حاتم اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور جوان سے کہا کہ چل، پری نے پروانگی دی ہے۔ وہ بولا۔ یہ اجازت نہیں بلکہ کنایہ ہے۔ میری رضامندی یہ ہی ہے کہ مجھ سے اس طرح قول کرے کہ تو خاطر جمع رکھ اور اپنے گھر جا۔ میں تیرے پاس ہفتہ میں دو تین بار رات کو آ جایا کروں گی۔ اور تجھے اپنے دل سے نہ بھلاؤں گی۔ یہ سُنکر حاتم نے سر نیچا کر لیا۔ اور کہا خدا کے واسطے اس پر مہربانی

فرماکر جو یہ کہتا ہے اُسے قبول کر۔ پری معاً تیور چڑھاکر بولی کہ ہماری قوم کی یہ چال نہیں۔ یہ پھیکے چوچلے مجھے نہیں بھاتے۔ اتنی گرمی نہ کیجیئے۔ حاتم نے کہا اگر معشوق اس گرفتار کے حال پر رحم کھائے تو میں کچھ عرض کروں۔ کیونکہ میں نے فلانے پرے کی پریوں سے سُنا ہے اور ملاقات کی ہے۔ اور ان کے لطف و احسان عاشقوں کے حال پر ایسے دیکھے ہیں۔ تم کہتی ہو کہ ہماری قوم سے اس طرح سلوک کوئی نہیں۔ میں کیونکر مانوں کہ آدم بے وفا اور جفا کار ہیں۔ پریزاد عالم دوستی میں وفادار اور فرمانبردار ہیں۔ یہ سُنکر پری نے منہ پھیر لیا اور کہا یہ جھوٹا لپٹتا ہے۔ مجھے دل سے نہیں چاہتا۔ یہ تیری بناوٹ ہے۔ جوان بولا جو کچھ تم فرماتی ہو۔ سچ ہے۔ اس فہمیدگی کے صدقے جائیے۔ میں نے گھر بار تمہاری خاطر چھوڑا۔ جان سے ہاتھ دھوکر آپ کو اس کنوئیں میں گرایا۔ صدمہ اُٹھاکر یہاں تک پہنچایا ہے۔ اس پر بھی میں چاہنے والا نہ ٹھیرا۔ بہت۔ ہوئے تم نہ واقف میر حال سے۔ نہ میں صدقے رہا جان اور مال سے۔ یہ سُنکر پری بولی۔ ایسی باتیں بہت سُنی ہیں۔ کیا واہی تباہی بک رہا ہے۔ جب جانونگی تو مجھے چاہتا ہے۔ جو کچھ کہوں وہی بجالائے۔ وہ بیچارا اُٹھ کھڑا ہوا کہ دیر کیوں کرتی ہو۔ جو منظور ہے جلد فرماؤ۔ اس نے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ کڑھاؤ میں گھی بھر کر چولھے پر چڑھاؤ۔ جب وہ کڑکڑائے مجھے خبر کرنا۔ اُنھوں نے وہی کیا۔ جسوقت کھولنے لگا اسوقت جوان کا ہاتھ پکڑ کے کہا کیوں جی تم ہمیں چاہتے ہو تو اس میں کود پڑو۔ جوان بے تامل خوشی خوشی اس کڑھاؤ میں جانا چاہتا تھا کہ آپ کو اس میں گرادے۔ پری دیوانوں کی طرح دوڑی اور بیتاب ہو کر اس کے گلے میں لپٹ گئی کہ تو عاشق صادق ہے۔ غرض اسی طرح عیش و عشرت اور مہمانداری میں ایک مہینہ گذر گیا۔ اور وہاں کنوئیں پر جو لوگ بیٹھے تھے دِن گن رہے تھے اور کہتے تھے آخری روز وہ جوان نہ نکلا تو اپنے اپنے گھر چلے جائیں گے۔ الغرض اکتیسویں دن حاتم نے اُٹھ کر اس جوان سے کہا۔ مجھے کام ضروری ہے اب نہیں رہ سکتا۔ جو تم نے کہا ہے وہ وفا کرو۔ پری بول اُٹھی بہت بہتر حاتم نے کہا بشرطیکہ تم وعدہ منظور کرو۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو درمیان دو تب باور ہو۔ پری نے قسم کھا کر کہا کہ میں اپنے قول سے ہرگز نہ پھروں گی۔

تم خاطر جمع رکھو پھر اپنی پریوں سے کہا۔ ان دونوں جوانوں کو کنوئیں پر پہنچا دو اُنھوں نے ایک ہی جست میں دونوں کو کنوئیں پر بٹھا دیا۔ سب لوگ دیکھ کر حیرت میں آ گئے۔ ماں باپ دیکھ کر حاتم کے قدموں پر گر پڑے۔ خوشی خوشی اپنے شہر میں داخل ہوئے۔ نہایت تکلف سے حاتم کو مہمان رکھا۔ اور پری بھی وعدہ پر آنے لگی۔ بلکہ یہ ہی معمول رکھا۔ حاتم نے اس کی راستی اور دوستی دیکھ کر اپنے جی میں کہا۔ سبحان اللہ اس قول پر کہ صورت بھی اچھی ہے اور سیرت بھی۔ یہ کہہ کر رخصت ہُوا۔ ایک مدت کے بعد ایک بستی نظر آئی۔ اس کی شہر پناہ کے باہر ایک پیر مرد کھڑا ہُوا تھا۔ حاتم نے اس سے کہا۔ السلام علیکم اے جوان مرحبا۔ اُس نے کہا۔ وعلیکم السلام اے مرد باصفا۔ اس سے اس نے کہا۔ اے مسافر آج کے روز میرے گھر میں رہ۔ اور میرے نمک میں شریک ہو، تو عین مہربانی ہے۔ حاتم بولا۔ نیکی کا کیا پوچھنا۔ اسی دم وہ مرد پیر مجھ کو اپنے گھر لے آیا۔ باتیں شائستہ کرتا رہا۔ ضیافت کھانے کے بعد پیر مرد نے پوچھا۔ اے جوان تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا حاتم نام ہے، اور یمن کا رہنے والا ہوں۔ حمام باد گرد کی خبر کو جاتا ہوں۔ اس نے سر نیچا کر لیا، اور پھر کہا اے عزیز وہ کون ہے جو تیرا دشمن ہے۔ جس نے تجھے اس جگہ بھیجا ہے اور مشکل تو یہ ہے کہ تجھے اس کا نشان معلوم نہیں۔ دوسرے وہاں جو گیا پھر نہ پھرا جو کوئی وہاں جانے کا قصد کرے اپنی جان سے ہاتھ دھوئے۔ غسل میت جیتے جی بجالائے کیونکہ اس کا راستہ اول منزل سے کم نہیں اور راستہ میں حائل شہر قطان کا بادشاہ ہے۔ اس کی سرحد پر چوکی بیٹھی ہے۔ جو کوئی اس جگہ کی خواہش کرے پہلے اس کو میرے پاس لے آؤ معلوم نہیں۔ اسکو روبرو بلانے کی کیا وجہ ہے مار ڈالتا ہے یا اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ یہ سُنکر حاتم نے کہا کہ حسن بانو سوداگر بچی پر منیر شامی عاشق ہوا ہے۔ اپنا خانماں برباد کر کے اس شہر کے کاروانسرا میں بیٹھ رہا ہے۔ اس کے واسطے یہ رنج اپنے اوپر گوارا کر کے کئی برس سے اس کے کام میں عند اللہ پھرتا ہوں۔ اس سوداگر بچی کے چھ سوال خدا کے فضل و کرم سے پورے کر چکا ہوں۔ اب ساتواں سوال حمام بادگرد کی خبر ہے سو لینے جاتا ہوں۔ دیکھو کیا قسمت دکھاتی ہے۔ پیر مرد بولا۔ آفرین تجھ پہ اور رحمت تیرے باپ

اور ہاں پر۔ جو بیگانے کے واسطے عیش و عشرت چھوڑ کر محنت اختیار کی۔ مصیبت سہی لیکن صلاح یہ ہے کہ اب اس خیال محال کو دل سے دُور کرو۔ اور یہیں سے پھر جاؤ اس سے کہو وہ طلسمات ہے۔ کوئی نہیں جانتا اور اس کا پتہ نہیں ملتا۔ یہ بات سنکر حاتم بولا۔ استغفراللہ جھوٹ اس سے کیونکہ بولوں۔ یہ بات کس طرح بناؤں۔ یہ انصاف نہیں کہ وہ عاشق بیچارہ مدت مدید سے انتظار کے سبب جان بلب ہے۔ فقط اُمید وصال پر دم اس کا بھرتا ہے۔ قریب ہے کہ شربت وصال اپنی معشوقہ کے ہاتھ سے پیئے۔ اپنی حیات کو تازہ کرے۔ حیف ہے کہ میں اس کام میں پہلو تہی کروں۔ پس خدا کو کیا جواب دوں گا۔ کیونکہ جو کوئی عنداللہ کمر باندھتا ہے جھوٹ نہیں بولتا ہے۔ اور جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا ہے وہ بے حصول مطلب نہیں پھرتا۔ اس جہاندیدہ نے کہا۔ اے جوان اپنی جوانی پر رحم کھا۔ زنہار اس طرف نہ جا۔ اگر میرا کہنا نہ مانے گا تو پشیمان ہوگا۔ جیسے مینڈک نے ایک دن پشیمانی کھینچی تھی۔ حاتم نے کہا۔ اس کی حقیقت کیونکر ہے۔ پیرمرد نے کہا۔ اطراف شام میں ایک دریا تھا۔ اس میں بہت سے مینڈک رہتے تھے۔ ان میں سے کسی مینڈک نے اپنی قوم سے کہا کہ جی تو یوں چاہتا ہے کہ یہاں سے سفر کریں۔ دریا میں جاکر رہیں۔ کیونکہ مسافری میں بہت سے فائدے ہیں فقیر غنی ہوجاتے ہیں۔ اور مفلس مالدار۔ وطن میں کسی کو دولت حاصل نہیں ہوتی۔ بے ہاتھ پاؤں ہلائے نعمت ہاتھ نہیں آتی۔ یہ سُنکر اس قوم نے کہا۔ اے نادان تیرا یہ خیال باطل ہے۔ جو تیرے دل میں آیا ہے۔ اس سے ہرگز راحت نہ پائے گا مفت میں رنج اُٹھائے گا۔ آخر اپنے کئے کو پچھتائے گا۔ اس نے نہ مانا۔ اپنے بھائی بندوں کو فرزندوں سمیت وہاں سے نکال کر اور ایک دریا کی طرف چلا۔ ہر چند کہ اپنی جانور کو خشکی پر چلنا دشوار ہے۔ اس پر بھی اُچھلتا کودتا خوشی خوشی چلا جاتا تھا۔ قضائے کار راہ میں ایک چشمہ مل گیا۔ اس میں ایک سانپ تھا۔ اس نے وہاں کے سب مینڈک کھالئے تھے۔ چند روز سے کچھ غذا نہ پائی تھی۔ بھوک سے جھنجلا رہا تھا۔ دیکھتے ہی بے اختیار لپکا۔ ایک ایک کو چُن کر کھا گیا۔ کسی طرح سے وہ آپ بھاگ کر دریائے قدیم میں جا پڑا۔ وہ بیچارہ بال بچوں کے غم میں سر جھکائے اور اپنے کئے کو پچھتا رہا ہے ہر چند وہ لعنت ملامت کرتے تھے۔ مگر جواب دینا تو درکنار دم نہ مارتا تھا۔ غرض جو

کوئی بزرگوں کا کہنا نہیں مانتا۔ اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ پس اے جوان بہیں سے پھر جا گرمی نہ کر۔ حمام بادگرد میں نہ پہنچے گا۔ تیرا مغز خراب ہوگیا ہے، علاج کر۔ یہ سُنکر حاتم نے جواب دیا۔ اے مردِ بزرگ! جو تو کہتا ہے بہتر ہے۔ لیکن جو بات خدا کے واسطے ہو اس سے مُنہ پھیرنا خوب نہیں۔ کیونکہ دیانت اور تقوےٰ سے نہایت دُور ہے۔ لیکن کرم خدا سے اُمیدوار ہوں کہ اس جوان کی مراد میرے ہاتھ سے بر آئے۔ خدا کے واسطے اگر تو شہر قطان کی راہ جانتا ہے تو مجھے بتا دے۔ اس مردِ دیرینہ نے کہا۔ اے مسافر داہنی طرف کا راستہ یہاں سے اختیار کر۔ آگے بہت سے قصبے ملیں گے ان کے بعد ایک پہاڑ نظر آئے گا۔ اس کے نیچے ہزاروں بلائیں آفتیں ہیں۔ اگر ان سے بچ کر نکلے گا تو ایک صحرائے عظیم ملے گا۔ وہاں خدا کی قدرت نظر آئے گی۔ تھوڑی دُور جا کر دو راہ ملیں گے۔ بائیں طرف کو جائیو کہ وہ راہ پاکیزہ پرفضا ہے۔ بخوبی شہر قطان پہنچے گا۔ اگرچہ داہنی طرف کی راہ نزدیک ہے مگر اس میں خطرے اور بہت سی آفتیں ہیں حاتم بولا کہ بے زندگی کوئی جی نہیں سکتا اور بے اجل کوئی مر نہیں سکتا۔ پھر قریب کا راستہ چھوڑ کر راہ بعید کیوں اختیار کروں۔ پیر مرد نے کہا تو نے نہیں سُنا ؎

راہِ راست برو اگرچہ دُور است   زن بیوہ مکن اگرچہ حور است

گو کہ مرتا نہیں کوئی بے موت   ولیک منہ میں اژدہے کے نہ جا

دیکھ میرے کہنے پر عمل کر ورنہ خراب ہوگا۔ حاتم رخصت ہو کر روانہ ہوا۔ چند روز کے بعد ایک شہر نظر آیا اور نقاروں کی آواز بکثرت سُنی۔ جی میں کہنے لگا آج شہر میں کسی کے گھر شادی ہے۔ لوگ شہر کے جمع ہیں۔ سراپچے کھڑے ہیں اور تنبو ڈیرے ایستادہ ہیں فرش سُتھرا پاکیزہ صاف بچھا ہے۔ جابجا لوگ بیٹھے ہیں۔ ہر مجمع کے قریب نقارے بج رہے ہیں اور مجلس میں راگ ناچ ہو رہے ہیں اور چولھوں پر دیگیں کھڑک رہی ہیں کھانے پک رہے ہیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر پوچھنے لگا۔ اے یارو کہو آج شہر میں کیا شادی ہے۔ وہ بولے کہ اس شہر میں یہ رسم ہے۔ برسویں دن ہر ایک امیر و غریب بلکہ بادشاہ وزیر بھی اپنی اپنی لڑکیوں کو جو بالغ ہیں۔ ان کو دُلہن بنا کر عطر اور خوشبو میں بسا کر خیموں میں بٹھا دیتے ہیں۔ پھر جنگل کی طرف سے ایک بڑا سانپ آتا ہے اور ایک جوان کی شکل بن کر ہر ایک خیمے میں جا کر ان سبھوں کو دیکھتا

ہے جو پسند آتی ہے اُس کو لے جاتا ہے۔ ہم وحشت سے بے حیائی کے نقاب مُنہ پر
ڈال کر مجبوراً شادی رچاتے ہیں۔ دیکھئے کس کی لڑکی پسند کرے۔ ہر ایک کو یہی ڈھڑکا
ہے۔ آج نقارے بجتے دیکھے ہیں۔ کل چھاتی پیٹتے دیکھو گے۔ ایک دن کی شادی اور سات
دن کا غم ہم کو ہر سال سے شام کے وقت مقرر آئے گا کسی نہ کسی کے سر پر آفت لائیگا
یہ ماجرا سُن کر حاتم نے اپنے جی میں کہا کہ یہ کام جن کا ہے۔ فی الحقیقت یہ سانپ نہیں۔
پھر ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے عزیزو تم پر بڑی بلا آتی ہے۔ اُنھوں نے کہا کیا کریں
اس میں کچھ چارہ نہیں۔ جو خدا چاہے سو کرے۔ مثل مشہور ہے۔ سنگ آمد سخت آمد۔ ایسا
ہم نے کسی کو نہیں دیکھا جو اللہ کے واسطے اس کو دُور کرے۔ حاتم نے کہا۔ میں اس
آفت کو اسی رات میں دفع کرتا ہوں۔ تم مجھ کو اپنے سردار کے پاس لے چلو۔ وہ سنتے
ہی ہاتھوں ہاتھ لے گئے۔ بادشاہ نے کہا کیا بات ہے؟ حاتم نے کہا یہ جن ہے اس
نے کہا۔ اے جوان مرد! اگر یہ تیرے ہاتھ سے مارا جائے گا تو ہم سپاہ و رعیت
سمیت تیری اطاعت کریں گے۔ حاتم نے کہا میں جو کام کرتا ہوں خدا کے واسطے کرتا
ہوں۔ جو قدم آگے بڑھاتا ہوں مولیٰ کی راہ میں دھرتا ہوں ہوں۔ اگر یہ کام کروں
گا تو کسی پر احسان نہیں۔ جو کچھ میں تم سے کہوں سو قبول کرو۔ بادشاہ نے فرمایا
بسروچشم۔ کہا جس وقت وہ آئے اور جب لڑکی کو لے چلے اُس وقت اُس سے
کہیو۔ کہ صاحب تم لے جانے میں مختار ہو۔ مگر اتنی بات تو تم ہماری سنو کہ ہمارا
ایک بڑا سردار زادہ مدت کے بعد آیا ہے۔ اب ہم سب کے سب اس کے تابع
ہیں۔ اس کے بے کہے اس لڑکی کو تمہارے ساتھ نہیں کر سکتے۔ اگر تمہارے ساتھ
کریں تو عین خطا ہے۔ کیونکہ تم غصّے ہوئے تو ایک برس میں ہمارے ملک کو خراب
کرو گے۔ جو وہ غصّے ہو گا تو ایک پل میں۔ القصہ بادشاہ نے تمام دن حاتم کو اپنی بارگاہ
میں بٹھا رکھا۔ جب شام ہوئی تو ایک سانپ کی آمد آمد کا غل ہوا۔ لوگوں نے کہا
اے جوان وہ موذی آیا ہے۔ اس نے بادشاہ سے عرض کی کہ میں بھی دیکھوں
پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور دیکھا کہ اژدہا آسمان سے سر لگائے چلا آتا ہے۔ اس
کی درازی ٹھکانا نہیں۔ دیو بھی اس کا سامنا نہیں کر سکتا۔ آدمی کا
کیا مقدور ہے۔ جو آنکھ اُٹھا کر دیکھے۔ پتھر اور درخت جو اس کی چھاتی

کے نیچے آتا ہے وہ پس کر سُرمہ ہو جاتا ہے۔ حاتم نے جو یہ حالت دیکھی پناہ پکڑی جب وہ نزدیک آیا اپنی دُم ایسی سخت کر کے ہلائی کہ سب آدمی سر جھکائے زمین پر گر پڑے۔ پھر وہ چاروں طرف نگاہ کر کے زمین پر لوٹ کر ایک خوبصورت آدمی بن گیا۔ تب اُنہوں نے اُٹھ کر ادب سے سلام کیا اور بادشاہ اس کے آگے جا کر اپنے خیمہ میں لے گیا۔ اور ایک تخت جواہر نگار پر بیٹھایا۔ وہ ایک دم بیٹھ کر اُٹھا اور کہا کہ اپنی اپنی لڑکیاں ہمیں دکھاؤ۔ بادشاہ نے کہا بہت بہتر۔ اس نے بارگاہ سے نکل کر سب سرداروں اور غریبوں کی لڑکیاں دیکھیں۔ لیکن کسی کو پسند نہ کیا۔ صرف بادشاہ کے خیمہ میں جہاں شہزادی بیٹھی تھی۔ اس کو منظور کر کے سوال کیا کہ اس کی خواہش ہے۔ یہ بات سُنکر بادشاہ نے کہا کہ ہمارا ایک بڑا اینڈ رگ چند روز سے نکل گیا تھا۔ بالفعل آتا ہے۔ اب بے حکم اس کے کچھ نہیں کر سکتے کہ ایک آن میں ستیاناس کرے گا۔ صلاح یہ ہے کہ آپ اس کو بلوائیں۔ وہ جو کچھ کہے گا سو ہم کریں گے۔ اس نے کہا۔ اب تک وہ کہاں تھا۔ آج کیونکر آیا۔ اچھا بلواؤ۔ یہ تو وہاں قنات کے پیچھے چھپ رہا تھا۔ بلاتے ہی اس کے روبرو کھڑا ہوا۔ دیو نے کہا۔ اے جوان میں ایک مدت سے اس شہر میں آتا ہوں پر تُو کبھی مجھ کو نظر نہیں آیا۔ اب کہاں سے آگیا۔ سچ کہہ تو کون ہے اور کس واسطے ہمارے فرمانبرداروں کو گمراہ کرتا ہے۔ شاید اس ملک کو خراب کر لے گا۔ حاتم نے کہا۔ جب تک میں شہر میں نہ تھا۔ اُنہوں نے تیرا کہا کیا۔ اب اس ملک کا مالک میں آگیا ہوں۔ جو کچھ ہمارے باپ دادا کی رسمیں بجالاتا ہے اس کو بیٹی دیتا ہوں جن نے پوچھا وہ کیا رسم ہے۔ بیان کرو۔ حاتم نے کہا میرے پاس ایک مُہرہ ہے۔ اس کو گھس کر پلاتا ہوں۔ وہ بولا۔ یہ رسم ہے تو لے آ۔ میں پی لوں گا۔ حاتم نے مُہرہ جیب سے نکال کر تھوڑے پانی میں گھس کر پلایا۔ جن نہ جانتا تھا کہ اس کا پینا میرے حق میں سم قاتل ہو گا۔ ایک قلم قلم جنی فراموش کیا۔ اس پر ڈھٹائی سے کہنے لگا کہ اب کوئی اور رسم ہو تو اس کو بھی بجالانے پر مستعد ہوں۔ حاتم بولا دوسری رسم یہ ہے کہ ایک دیگ میں تم اُترو۔ ہم اس کا منہ بند کریں تم پھر اس کے باہر نکل آؤ۔ تب خوشی سے تمہارے ساتھ لڑکی کو کر دیں

اور جو اس میں سے نکل سکو تو ہزار لال اور دو ہزار الماس اور موتی جو مرغابی کے انڈے برابر ہوں جو پریوں کے ملک میں ہے گنہگاری دو۔ وہ کہنے لگا جلد لاؤ۔ وہ دیگ کہاں ہے۔ حاتم نے ایک بڑی دیگ منگوا کر اس کے آگے رکھی۔ اور کہا بسم اللہ، وہ فوراً اس میں اُتر پڑا۔ حاتم نے اس کے مُنہ میں ڈھکنا ڈھانک کر مضبوط باندھ کر اسم اعظم پڑھنا شروع کیا۔ اور اس سے کہا کہ اب باہر نکل اسم اعظم کی برکت سے اس کا ڈھکنا پہاڑ کے وزن سے زیادہ بھاری ہو گیا۔ کتنا ہی اس نے زور کیا۔ لیکن نکل نہ سکا۔ تب حاتم نے لوگوں سے کہا۔ کہ اب اس کے آس پاس نیچے اوپر لکڑیاں رکھ کر آگ بھڑکاؤ۔ اُنہوں نے وہیں اس کے کہنے پر عمل کیا۔ جن پکارا کہ "میں جلا۔ میں جلا"۔ لیکن کسی نے اس کی فریاد نہ سُنی۔ آخر جل کر خاک و سیاہ ہو گیا۔ پھر حاتم نے سب لوگوں سے کہا کہ تھوڑی سی زمین کھدوا کر اس کو گڑوا دو۔ اور تم اپنے اپنے گھروں میں جا کر چین کرو۔ خدا نے اس بلا کو تمہارے سر سے دُور کیا۔ نہیں تو خدا جانے تمہارا کیا حال ہوتا۔ اور وہ بے وفا کیا سلوک کرتا۔ بادشاہ نے یہ حال دیکھ کر حاتم کی بہت تعریف کی۔ باشندے شہر کے سب پاؤں پر گر پڑے۔ پھر بادشاہ نے بہت سی اشرفیاں، روپے اور کئی کشتیاں ملبوس و جواہر کی منگوا کر اس کے سامنے رکھیں۔ اس نے کہا۔ مجھے درکار نہیں۔ خدا نے سب کچھ دیا ہے۔ تو اُن کو فقیروں کے حوالے کر۔ جو خدا کی خوشی ہو۔ اور تمہیں اس کا اجر ملے۔ کیونکہ جو شخص خدا کی راہ میں سر دیتا ہے وہ مزدوری نہیں لیتا۔ شہریار نے اُسی گھڑی فقیروں محتاجوں کو بُلوا کر اس مال کو تقسیم کیا۔ حاتم کو تین روز تک مہمان رکھا۔ وہ چوتھے روز رخصت ہو کر آگے بڑھا۔ چند روز کے بعد اس پہاڑ کے نیچے جا پہنچا جس کا ذکر اس پیر مرد نے کیا تھا۔ اس پر چڑھا۔ جب اس سے گذر گیا تب ایک بڑا جنگل دکھائی دیا۔ اس میں عجائبات دیکھے قسم قسم کے میوے کھاتا ہوا کئی روز تک چلا گیا۔ جب اس سے نکلا۔ ایک دوراہا نظر آیا۔ اور کھڑا ہو کر اپنے جی میں سوچنے لگا کہ اس پیر مرد نے کہا تھا۔ داہنی طرف راہ میں بہت سی آفتیں ہیں۔ تو ادھر سے نہ جائیو۔ اس وقت اس کے

کہنے پر عمل کیا چاہیئے۔ اور بائیں طرف کا راستہ لیجیئے۔ اس خیال سے بائیں طرف کی راہ کو روانہ ہوا۔ تھوڑی دور جا کر اس نے سمجھا کہ اس راہ سے جانا کچھ حاصل نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ وہ راستہ پاک ہو جائے گا۔ اور جو للّٰہ مارا بھی جائے گا تو بھی داخل ثواب ہوگا۔ یہ بات ٹھیرا کر اس راستہ سے پھرا اور داہنی طرف چلا کہ ببول کا ایک جنگل کانٹوں سے بھرا ہوا دکھائی دیا۔ توکل بخدا اس میں جا پہنچا۔ اور قدم اُٹھائے۔ پر بہزار خرابی تھوڑی راہ طے کی۔ آخر درختوں کے کانٹوں سے کپڑے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے اور زمین کے کانٹوں سے تلوے چھد گئے۔ پاؤں سوج گئے۔ تب بے دم ہو کر کہنے لگا کہ وہ بزرگ سچ کہتا تھا۔ مجھ کمبخت نے اس کا کہنا نہ مانا۔ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا۔ اندیشہ یہ ہے کہ اس کے آگے مبادا کوئی اور جنگل پُرخطر نہ ہو۔ وہاں پناہ کی صورت کیوں کر ہوگی۔ غرض بہزار خرابی وہ چند روز میں اس جنگل سے گزرا۔ اور چھپکلیوں کے جنگل میں پہنچا۔ چھپکلیاں آدمی کی بُو پاکر فوراً دوڑیں۔ اتنے میں ایک بڈھا نورانی صورت داہنے ہاتھ کی طرف سے نمودار ہوا۔ اور کہنے لگا۔ اے جوان تو نے بزرگوار کا کہنا نہ مانا آخر پشیمان ہوا۔ حاتم بولا میں نے بُرا کیا۔ تب اس بزرگ نے فرمایا کہ خرس کی بیٹی کا مُہرہ نکال کر زمین پر ڈال اور قدرت کا تماشا دیکھ اور آپ غائب ہوگیا۔ مہرہ زمین پر ڈالتے ہی زرد ہو گئی۔ چھپکلیاں جو دوڑی آتی تھیں۔ آپس میں لڑ مریں اور تین گھڑی کے عرصہ میں تمام ہو گئیں۔ حاتم نے یہ احوال دیکھ کر متعجب ہو کر کہا۔ الٰہی ان میں کیا دشمنی ہو گئی۔ جو ایک ایک کو مار کر مر مٹیں۔ یقین ہے کہ اس مہرہ کا یہ اثر ہے خدا کا شکر کرنا چاہیئے جس نے اس وقت میں ایسے ولی کو بھیجا اس نے مجھ کو یہ بھید بتایا اور بلیات سے بچایا۔ ورنہ مجھ کو تکا بوٹی بوٹی کر ڈالتیں۔ پھر غور کر کے دیکھا تو ایک بھی ان سے جیتا نہ پایا۔ اور وہ کیا کہ مہرہ کو اٹھا لیجیئے ذہن میں دھیان آیا۔ شائد اس کے اُٹھانے سے وہ جی اُٹھیں، اور مجھے کھا جائیں۔ تو جان کی جان جائے۔ اور محنت کی محنت برباد ہو جائے جلدی نہ کیا چاہیئے۔ یہاں تک صبر کیا۔ کہ ان کا گوشت پوست گل گیا۔ ہڈی پسلی نظر نہ آئی۔ تب حاتم اپنا مہرہ اُٹھا کر آگے چلا۔ تھوڑے دنوں کے بعد

ایک جنگل اژدہات کا ملا۔ وہاں کا ہر ایک ریزہ اس کے پاؤں کی کفش چھید کر پشت پا سے گذر جاتا تھا۔ زخم پڑ جاتے تھے۔ یہ کپڑے پھاڑ کر جوتیوں کے اندر رکھ لیتا تھا۔ آخر کار اس کے پاؤں چھلنی ہو گئے۔ تب اپنے دل میں کہنے لگا کہ اے حاتم تیرے برابر جہان میں کوئی بیوقوف نہ ہو گا۔ کیونکہ اُس بزرگ نے منع کیا تھا کہ داہنا راستہ بہت بُرا ہے۔ ادھر سے نہ جانا۔ اور خدا نے گوش و چشم آدمی کو اسی واسطے دیئے ہیں کہ بھلے بُرے کو دیکھے سُنے۔ سنبھل کر چلے۔ سوچ کر قدم دھرے۔ تو بھلا چنگا ہو کر اس کو چھوڑ کر بائیں طرف کیوں نہ گیا۔ پھر یہ کیا بدبختی ہے۔ جو اس کو چھوڑ کر داہنی طرف گیا۔ خیر اب پچھتانے سے کیا فائدہ۔ جو تجھ پر پڑے گوارا کر۔ جس طرح چلائے چل۔ خدا نباہنے والا ہے۔ آخر کار بہزار محنت و مشقت اس جنگل کو طے کیا۔ الحمدللہ کہہ کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ وہاں جوتیاں اُتار کر جو دیکھیں، تو تمام پاؤں چھلنی ہو گئے تھے۔ اژدہات کے ریزے ہر ایک سوراخ میں نظر آتے ہیں۔ نکالنے لگا۔ جب نکال چکا پاؤں پر کپڑا لپیٹ کر جوتیاں پہنکر لنگڑاتا چلا اور اپنے جی میں خوش تھا کہ میں نے سب بلاؤں سے نجات پائی۔ مگر یہ نہ جانتا تھا کہ ایک آفت عظیم اور درپیش ہے۔ چند قدم اس جنگل میں چلا تھا جو وہاں کے بچھو آدمی کی بو پا کر دوڑے۔ چند ان میں سے بلی کے برابر تھے۔ اور کتنے لومڑی کے برابر تھے۔ آنکھیں ان کی گیدڑ کی سی۔ پاؤں مُرغ کے سے۔ گردنیں بلی کی سی صورت حاتم کی نگاہ ان پر پڑی۔ سہم کر کانپنے لگا۔ اور ایسا گھبرایا کہ سُرت جانے کی نہ رہی۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اِدھر اُدھر تکنے لگا۔ وہی پیر مرد مددگار پھر آپہنچا۔ ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا کہ خاطر جمع رکھ ہراساں نہ ہو۔ استقلال کو ہاتھ سے نہ دے۔ حاتم نے کہا اے مرد خدا کیا کروں۔ مجھ کو طاقت نہیں۔ پیر مرد نے کہا کہ مہرے کو زمین پر ڈال دے اور تماشہ دیکھ۔ حاتم نے ویسا ہی کیا اور کھڑا رہا۔ کیا دیکھا کہ آپس میں لڑ کر تین روز کے اندر وہ سب بچھو ہلاک ہو گئے۔ چوتھے روز مہرے کو اُٹھا کر شکر کا دوگانہ ادا کر کے روانہ ہوا۔ چند روز کے بعد ایک شہر عظیم الشان دکھائی دیا۔ یہ اس میں داخل ہوا۔ لوگوں نے اسے اجنبی دیکھا۔ پاس آکر پوچھا۔ اے جوان تو کس راہ سے آیا ہے حاتم

نے کہا۔ داہنی طرف سے۔ وہ حیران ہو کر کہنے لگا کہ جیتا کیونکر بچا۔ چھپکلیوں اور ببول کے کانٹوں کی مصیبت۔ اژدہات کے جنگل اور بچھوؤں کی آفت تجھ پر نہیں پڑی حاتم بولا۔ عزیز بلاؤں میں مبتلا ہوا تھا لیکن مدد الٰہی سے اس راہ میں اژدہات کے ریزوں اور ببول کے کانٹوں کے سوا کوئی گزند باقی نہیں۔ سوداگر جو وہاں اُترے تھے اس بات کو سُنکر مستعد ہوئے کہ اب اسی راہ سے آیا جایا کریں گے شہر بھی آباد ہو جائے گا۔ آخر کار وہ لاد باندھ کر چلے گئے۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی۔ کہ کاروان ایک مسافر کے کہنے سے معلوم ہوا کہ جس راہ سے اژدہات اور ببول کا جنگل ملتا ہے اس رستے سے چلے گئے۔ حکم کیا کہ بہت سے ہرکارے ان کے پیچھے جائیں۔ ان کا حال دریافت کریں اور حاتم کو بُلا کر پاس رکھا۔ اور کہا کہ اے مسافر راہ حادثہ اور مسافرت کے صدمے بہت اُٹھائے۔ چند روز یہاں دم لے۔ پھر جہاں چاہے وہاں جائیو۔ مطلب یہ تھا کہ اگر سچا ہے تو فبہا ورنہ سولی دوں گا۔ اس ارادہ پر چند روز اس کو رکھا اور نگہبان کئے کہ کہیں نہ جائے۔ اور وہ لوگ جو راستہ کی خبر لینے گئے تھے۔ اُس قافلے کے پیچھے لگ گئے۔ جابجا اس کے اُترنے کے نشان پائے آفت کہیں نہ دیکھی۔ جب چھپکلیوں کے جنگل صحیح و سلامت گذر گئے، وہ پھر چند روز کے بعد اپنے شہر میں آئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہو کیا خبر لائے۔ اُنہوں نے عرض کی کہ جو کچھ اس مسافر نے کہا۔ سچ ہے۔ واقعی اس راہ میں کوئی آفت نہیں ہے۔ تب شہریار نے ہر ایک کو اشتہار بھجوائے کہ فلانی راہ آفتوں سے پاک ہو چکی ہے جس کا جی چاہے آئے جائے۔ اور حاتم سے بہت سی معذرت اور منت کی اور کہا۔ اے جوان مجھ سے خطا ہوئی۔ معاف کر۔ پھر بہت سا نقد و جواہر اس کے آگے رکھا۔ حاتم بولا کچھ آپ کا قصور بظاہر معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ جس روز سے میں تمہارے شہر میں آیا ہوں بآرام تمام رہا ہوں۔ یہ کیا سبب ہے جو معذرت کرتے ہو؟ فرمایا تم نہیں جانتے تھے کہ میں بظاہر سلوک کرتا تھا فی الحقیقت نگہبان تمہارے لئے معین کئے تھے کہ جب تک اس جنگل کے راہ کی خبر نہ آئے تم جانے نہ پاؤ گے۔ اگر جھوٹ ہوتا تو شہر کے باہر تم کو سولی دیتے۔ حاتم نے عرض کی یہ عین انصاف ہے۔ تم عبث عذر کرتے ہو میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ بھلے آدمیوں کا دستور نہیں ہے۔ تمہاری اس بات

سے آزردہ ہوتا ہوں۔ کیونکہ عادلوں کو یونہی چاہیئے۔ خدا تم کو اپنی پناہ میں رکھے
تمہارا ملک ہمیشہ تمہارے قبضے میں رہے۔ اور جو مجھے عنایت ہوا ہے میرے کس
کام کا ہے۔ کیونکہ میں بار برداری نہیں رکھتا۔ بادشاہ نے فرمایا خاطر جمع رکھو میں
بار برداری اور محافظ تمہارے وطن تک پہنچانے کے لئے ہمراہ کروں گا۔ حاتم نے
کہا مجھے ایک ضروری کام درپیش ہے۔ جب تک اسے نہ کرلوں گا۔ وطن کی طرف
منہ نہ کروں گا۔ شہریار نے پوچھا وہ کونسا کام ہے۔ اگر ہم کو معلوم ہو تو ہم بھی شریک
ہوں۔ حاتم بولا۔ یہ حضرت کا الطاف ہے۔ لیکن میں خالق کے سوا کسی سے مدد نہیں چاہتا
مگر ایک رہبر ساتھ دیجئے جو شہر قطان کا راستہ بتا دیوے۔ یہ بھی احسان سے خالی نہیں
بادشاہ نے فرمایا تم کو اس شہر میں کیا کام ہے۔ کہا میں نے سنا ہے کہ حمام بادگرد
اسی سرزمین میں ہے۔ اس کے دیکھنے کا نہایت مشتاق ہوں۔ بادشاہ نے ارشاد
کیا اے جوان اس خیال کو دل سے اٹھا کہ جو اس طرف گیا ہے جیتا نہیں پھرا۔ آپ کو
کیوں ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ وہ بولا جو ہوتی ہو سو ہو۔ مجھے جانا اور وہاں کی خبر لانا منظور
ہے۔ غرض ہر چند بادشاہ نے منع کیا مگر اس نے نہ مانا۔ ناچار دو آدمی ساتھ کر دیئے
کہ اسکو شہر قطان کی راہ پہنچا دو۔ حاتم رخصت ہو کر شہر سے نکلا۔ چند روز کے بعد
ایک مقام پر پہنچ کر رہبروں نے عرض کی کہ ہماری حد تمام ہو چکی یہ سرحد شہر قطان کی ہے
ہمیں رخصت دو حاتم نے وداع کر کے آگے کا راستہ لیا۔ جب وہاں پہنچا اس نواح کے گرد
جو لوگ رہتے تھے کہنے لگے اے جوان کس راہ سے آیا ہے۔ اس نے کہا فلانی طرف سے
اگرچہ اس میں آفتیں ہیں لیکن خدائے کریم نے اس راہ کو اپنے کرم سے پاک کر کے صحیح وسلامت
یہاں تک پہنچایا ہے۔ یہ بات سنکر سب کے سب خوش ہوئے۔ حاتم شہر قطان میں داخل ہوا۔ اور
کاروانسرا میں اترا۔ ایکدانہ موتی بیش قیمت اور دو لعل گراں بہا کہ ان کا ثانی سرکار عالی میں نہ تھا
ایک ڈبیہ میں رکھ کر بادشاہ کے در دولت پر لے گیا۔ چوبداروں نے اپنے داروغہ سے کہا کہ
ایک مسافر کہیں سے آیا ہے۔ اس نے حضور میں آکر کہا۔ اسکو ارشاد ہوا کہ اس کا حال تحقیق کر کے
لے آئے۔ چوبداروں نے حاتم سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو۔ کیا نام ہے۔ اس نے کہا
میں سوداگر ہوں۔ شاہ آباد سے آیا ہوں۔ ملازمت کا امیدوار ہوں۔ یہ مضمون داروغہ کی
وساطت سے حضور پرنور میں پہنچا۔ کہ ایک جوان طرحدار، خوش گفتار، سوداگر پیشہ شاہ آباد

سے آیا ہے۔ قدمبوسی کی آرزو رکھتا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بُلا لو۔ وہ جا کر حاتم کو حضور میں لے آئے۔ وہ مجرا گاہ میں کھڑا ہو کر آداب سے مجرا بجا لایا اور تعریف کر کے آگے بڑھا اور وہ جواہر نذر دیا۔ بادشاہ اُسے دیکھ کر کمال خوش ہوا۔ احوال دریافت کیا۔ اس نے عرض کی کہ میں ایک عرصہ سے سوداگری کرتا تھا۔ اب میں نے دنیا کو ہیچ سمجھ کر تجارت چھوڑ دی سلاطینوں کی ملاقات ترک کی۔ اب سیاحی اختیار کی۔ اس شہر میں حضرت کے اوصاف حمیدہ سُنتے بے اختیار دوڑ آیا۔ بادشاہ نے اس گفتگو کو سُنکر نہایت نوازش فرمائی اور کہا اے جوان چند روز اس ملک میں رہ اور اپنی صحبت سے مسرور کر۔ ہماری یہی تمنا ہے۔ حاتم نے یہ بات سُنکر کہا اگرچہ ہم لوگوں کو دو چار روز بھی ایک جگہ رہنا دشوار ہے۔ لیکن تجھ ایسے بادشاہ صاحب انصاف دوست کی خدمت میں رہنا سب طرح سے بہتر ہے میں نے دل و جان سے منظور کیا۔ بادشاہ نے کہا تم کہاں اُترے ہو۔ اس نے عرض کی۔ کہ کاروانسرا میں۔ یہ سُنکر دیوان خاص کے نام حکم بھیجا کہ ایک مکان مختصر پاکیزہ آراستہ کرو۔ اور بکاول سے کہہ دو کہ دونوں وقت سات سات خوان خاصہ کے بے تکلف بھیجا کرے اور کتنے خدمتگار بھی کاروبار کے لئے معین کرو۔ یہ کہہ کر حاتم کی طرف متوجہ ہوا۔ کہ اے جوان ہماری خوشی یہی ہے وہاں سے آجا اور یہاں رہنا اختیار کر۔ ہماری مجلس کی رونق بڑھا اور اپنا کلام شیریں سُنا۔ غرضیکہ حاتم وہیں آ رہا۔ بادشاہ سے صحبت رہی۔ چھ ماہ گذر گئے۔ آخر حارث اس پر ایسا مبتلا ہوا جو ایک دن نہ دیکھتا تو اُسے چین نہ پڑتا۔ ناچار بلوا لیتا۔ اور اکثر اپنے ندیموں سے اسکی تعریف کرتا۔ اگر یہ شخص میرے ملک میں اپنی بود و باش اختیار کرے تو اوقات بخوبی کٹے۔ وہ سُنکر کہنے لگا کہ حضرت بجا فرماتے ہیں۔ یہ مرد ایسا ہی خوش کلام ہے۔ اس کا رہنا مناسب ہے ایک دن جو حاتم نے حارث شاہ کو خوش و خرم دیکھا کئی لعل و زمرد و الماس بیش قیمت پھر نذر گذارے۔ بادشاہ نے فرمایا اے جوان بار بار کیوں شرمندہ کرتا ہے تو خدمت میں حاضر ہے کچھ فرمائش نہیں کرتا۔ حاتم نے کہا شاہ کی عمر دراز ہو اور ملک و سلطنت ہمیشہ قائم رہے۔ میری آرزوئیں سب بھر چکیں مگر ایک باقی ہے سو وہ تا دم مرگ نہ جائے گی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ آرزو ایسی کیا ہے۔ اگر تو رغبت کرے تو اپنی بیٹی بھی حوالے کر دوں ملک تو کیا چیز ہے۔ حاتم نے کہا آپ کی بیٹی کو میں بہن جانتا ہوں۔ یہ دھیان میرے دل میں نہیں

ہے۔ مگر ایک تمنا ہے۔ پر اس سوچ میں ہوں کہ مبادا قبول نہ ہو اور میں کہہ کر لوگوں میں شرمندہ ہوں۔ بادشاہ نے ارشاد کیا۔ اے عزیز میں لطف کا ممنون اور احسان مند ہوں۔ اگر تخت و سلطنت بھی چاہے تو ابھی بخشوں۔ بیگم کے سوائے جو چاہے سو تیرا ہے۔ حاتم نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ وہ بجائے میری والدہ کے ہیں۔ اور تخت آپ کو مبارک ہو۔ میری غرض اور ہی ہے۔ تب تو حارث نے کہا۔ خدا کے واسطے کہیں۔ جلد کہیں۔ اس نے کہا بشرطیکہ آپ قول دیں تو عرض کروں۔ بادشاہ نے عہد کیا۔ تب حاتم نے التماس کیا۔ حمام بادگرد کے دیکھنے کی آرزو ہے۔ جو ارشاد ہو تو اس کی سیر کروں۔ بادشاہ نے سنتے ہی سر نیچا تو ہوا۔ حاتم نے کہا۔ پیر و مرشد آپ اس قدر کیوں متفکر ہیں۔ ہر طرح سے آپ کا فرمانبردار ہوں جو آپ کی مرضی ہو بجا لاؤں شہریار نے سر اٹھا کر فرمایا۔ اے عزیز کیونکر متفکر نہ ہوں۔ مجھے کئی طرح کے اندیشہ ہیں۔ پہلے تو میں نے قسم کھائی ہے کسی کو حمام بادگرد کی طرف نہ جانے دوں گا۔ تجھ کو وہاں جانے کی پروانگی دوں تو عہد شکنی ہوتی ہے۔ دوسرے حیف ہے کہ تجھ جیسا جوان خوبصورت نیک سیرت اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ تیسرے یہ جیسا کہ تو ہے ایسا آج تک میرے پاس نہیں آیا۔ چوتھے یہ کہ اگر تجھ کو رخصت دوں تو درد جدائی کیونکر سہوں۔ پانچویں یہ کہ اگر اجازت نہ دوں تو قول سے جھوٹا ہوتا ہوں۔ حاتم نے کہا۔ انشاء اللہ تعالےٰ پھر آپ کی خدمت میں جلد حاضر ہوں گا۔ کسی طرح کا اندیشہ خاطر مبارک میں نہ لائیے۔ بے وسواس مجھے اجازت دیجئے۔ کیونکہ اس امر میں تا بمقدور دستبردار ہوں گا۔ اس واسطے کہ منیر شامی شہزادہ حسن بانو پر جو برزخ سوداگر کی بیٹی ہے عاشق ہوا ہے۔ وہ سات سوال رکھتی ہے۔ شہزادہ عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ میں نے اس پر رحم کیا۔ اور یہ سب کام اپنے ذمہ لئے۔ بلکہ عہد کیا کہ میں ان کو بے پورا کئے نہ رہونگا چنانچہ چھ سوالوں کا جواب دے چکا ہوں۔ ایک ساتواں سوال باقی ہے۔ جناب الٰہی سے توقع رکھتا ہوں کہ وہاں جا پہنچوں۔ اور حمام بادگرد کی خبر حسن بانو سے جا کر کہوں اور اس کا بیاہ اسی شاہزادے سے کرا دوں۔ کہ مدت کے بعد عاشق و معشوق اپنی مراد کو پہنچیں۔ اس بات کو سُنکر بادشاہ نے کہا۔ اے جوان آفرین تیری ہمت پر اور تیرے ماں باپ پر کہ تُو نے غیروں کے واسطے اپنے آپ کو رنج اور مصیبت میں ڈالا ہے

اور یہاں تک کہ اپنا مرنا گوارا کیا۔ اس لئے کہ اُدھر کا گیا ہوا پھر نہیں آتا۔ بہت سے شہزادے اور سوداگر بچے وہاں جا کر سلامت نہ پھرے۔ اغلب ہے کہ ان کو بھی اسی نے بھیجا ہے۔ مگر یہ تو کہو کہ تو کس شہر کا رہنے والا ہے اور تیرا کیا نام ہے۔ اس نے کہا میرا وطن یمن ہے اور نام حاتم بن طے ہے۔ یہ سنتے ہی حارث شاہ اُٹھا اور بغلگیر ہوا۔ اور اپنے برابر اس کو بٹھالیا اور کہنے لگا کہ نشان آبادی بادشاہت تیری پیشانی سے ظاہر ہے۔ اور نیک نامی مشہور ہے۔ بلکہ زیادہ ہوگی۔ یہاں تک کہ تیرا نام نام المثل ہو جائے گا۔ اور جو کوئی ایسا پیدا ہوگا تیرا ثانی کہلائے گا۔ یہ کہہ کر اپنے وزیر سے فرمایا، کہ سامان ارک حمام بادگرد کے دربان کو شقہ لکھ کر حوالے کرو۔ اس کے بعد حاتم کو گلے لگایا۔ اور آہ سرد دل پُر درد سے کھینچ کر کہنے لگا۔ اللہ حافظ جس وقت حاتم آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ بادشاہ تخت سے غم زدوں کی طرح محل میں گیا۔ اور حاتم شہر سے نکل کر جنگل کی طرف چلا۔ ہمراہیوں سے قال مقال کرتا چلا جاتا تھا۔ پندرہ روز کے بعد حمام نظر آیا۔ حاتم نے ان سے پوچھا کہ یہ کونسا پہاڑ دکھائی دیتا ہے۔ اُنہوں نے عرض کی یہ ہی حمام بادگرد کا دروازہ ہے۔ دیکھنے میں نزدیک معلوم ہوتا ہے مگر سات روز کا راستہ باقی ہے یہ کہہ کر آگے بڑھا۔ ساتویں روز دروازے کے متصل جا پہنچا۔ وہاں ایک پہاڑ کے دامن میں داخل ہوا۔ اس کے ہمراہیوں کے اکثر خویش و اقارب تھے باہم ملے اور پوچھنے لگے کہ تمہارا آنا کیونکر ہوا؟ اُنہوں نے کہا اسی یمنی جوان کے ساتھ بادشاہ نے بھیجا ہے۔ اور نامہ بھی دربانوں کے واسطے لکھا ہے۔ القصہ حاتم سامان ارک کے خیمے میں آیا۔ صاحب سلامت کی۔ شقہ حوالے کیا۔ وہ اُٹھ کر بغلگیر ہوا، اور نامہ سر پہ رکھ لیا۔ بادشاہ کی مُہر دیکھ کر بوسہ دیا۔ کھولا اور پڑھا۔ تو اس میں اس طرح پہ لکھا ہوا تھا۔ کہ اس جوان یمنی کے ساتھ ہم نے عہد کیا ہوا ہے۔ اس لئے بھیجا ہے کہ اس کو سمجھا بجھا کر کسی طور سے اُلٹا پھیر دے تو ہم خوش ہوں گے اور جو نہ مانے تو ناچار حمام میں بھجوا دینا۔ لیکن تا بمقدور اس کے پھیرنے میں سعی کرنا۔ وہ پڑھ کر اُٹھ کھڑا ہوا، اور حاتم کو بتعظیم تمام کرسی پہ بٹھایا اور مہمانداری کی شرطیں بجا لایا۔ قصہ کوتاہ چند روز حسب الحکم سمجھایا۔ پتھر کو جونک نہ لگی۔ چنانچہ اس نے نصیحتوں کے جواب میں یوں کہا کہ تم اس خیال سے ہاتھ اُٹھاؤ جبکہ میں نے بادشاہ کا کہنا نہ مانا تو تمہاری کب سُنتا

ہوں۔ مجھے تصدیعہ نہ دو۔ بہتر ہے کہ جلد رخصت کرو۔ سامان ارک نے جو دیکھا کہ میری نصیحت مطلق اثر نہیں کرتی۔ ناچار بادشاہ کو عرضی لکھی کہ یہ جوان اپنی ہٹ نہیں چھوڑتا اور نصیحت کسی کی نہیں مانتا۔ اب جو حکم ہو بجا لاؤں۔ بادشاہ کو جب وہ عرضی پہنچی پڑھ کر سر دُھنا اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ آخر بمجبوری لکھ بھیجا کہ اگر وہ راضی نہیں ہوتا تو مزاحمت نہ کرو جانے دو۔ شاید اس کی عمر تمام ہو چکی۔ حمام کا بہانہ ہے وہاں تو سامان ارک جواب کا منتظر تھا اور حاتم کو اپنے جانے کی پڑ رہی تھی۔ غرض ادھر سے تقاضا تھا۔ ادھر امروز فردا میں اسی حیص بیص میں فرمان بادشاہی آپہنچا کہ اسکو نہ روکو جانے دو۔ اس پر بھی سامان ارک نے نصیحت کے طور پر کہا۔ اے عزیز اب بھی کچھ نہیں گیا۔ اگر زندگی عزیز ہے تو باز آ نہیں تو پشیمانی اُٹھائے گا بلکہ جان سے جائے گا۔ حاتم نے کہا کہ اس مبالغہ آمیز گفتگو سے خدا کے واسطے مجھے معذور رکھو کہیں جانے دے۔ تب سامان ارک لاچار ہوکر حاتم کو حمام بادگرد کے دروازے پر لے گیا۔ وہاں جا کر کھڑا ہوا۔ کھڑے ہو کر بہت سمجھایا۔ پر سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ حاتم نے ایسا دروازہ تمام عمر نہ دیکھا تھا۔ جو آنکھ اُٹھا کر غور کیا تو خط عبرانی سے اس پر لکھا ہوا پایا کہ یہ طلسمات گیومرث کے وقت بنا ہے۔ اس کا نشان مدتوں رہے گا۔ جو کوئی اس طلسمات میں جائیگا جیتا نہ نکلے گا۔ وہیں بھوکا پیاسا سرگرداں رہے گا۔ اگر اس کی زندگی ہے تو ایک باغ میں رہے۔ وہاں جا کر اپنی حیات کے دن پورے کرے گا۔ پھر باہر نہ نکل سکے گا۔ جب اس نوشتہ کو دیکھا اور دل میں خیال کیا کہ جو کچھ حقیقت تھی دروازے پر لکھی دیکھی۔ اندر جانا کیا ضرور ہے۔ چاہتا تھا کہ وہاں سے اُلٹا پھرے۔ وہیں یہ خیال آیا کہ حسن بانو اندر کا حال پوچھے گی تو کیا جواب دوں گا۔ اب جو ہو سو ہو اندر چل۔ پھر لوگوں کو رخصت کیا اور اندر گیا۔ دس بارہ قدم چل کر پیچھے دیکھا تو آدمیوں کو نہ پایا اور نہ دروازہ ہی نظر آیا۔ مگر ایک جنگل لق و دق موجود تھا اور کچھ نہ دکھائی دیا۔ متفکر ہوا کہ ابھی دس بارہ قدم سے زیادہ چلنے کی نوبت نہیں پہنچی کہ دروازہ نظر سے غائب ہوا۔ بلکہ اس کے آثار بھی دکھائی نہیں دیتے۔ کس طرح اسکو ڈھونڈھیے۔ باہر نکلیے۔ غرض تمام دن اسی تلاش میں پھرا۔ اور دروازہ نہ ملا۔ تب کہنے لگا کہ حمام کا بہانہ ہی تھا کہ پاؤں رکھتے ہی اجل کے ہاتھ میں پڑ گیا۔ اب جان دیے چھٹکارا نہیں۔ غرض وا ہنے بائیں نکل

کر اضطراب سے ادھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ چند روز کے بعد ایک سمت کا راستہ لیا۔ تھوڑی دُور گیا تھا کہ ایک آدمی پر نظر پڑی۔ اس طرف روانہ ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ آپ ادھر آتا ہے۔ جب نزدیک پہنچا۔ تب اسی صورت طلسمی نے سلام کیا۔ اور آئینہ بغل سے نکال کر حاتم کے ہاتھ میں دیا۔ حاتم نے لے کر اپنا مُنہ دیکھا۔ اور پوچھا کہ تو حجام ہے جو آئینہ دکھاتا ہے۔ اس نے کہا البتہ۔ حاتم نے پوچھا کہ حمام کو چھوڑ کر کدھر جاتا ہے۔ وہ بولا میں اسی طرح جس شخص کو آتے دیکھتا ہوں اُسے لے جا کر حمام میں نہلاتا ہوں اور اُمیدوار ہوں کہ آپ بھی چل کر حمام کریں تو آپ کی بدولت کچھ مل کر رہے گا۔ حاتم نے کہا بہت بہتر۔ میرے بدن پر بھی سفر کی گرد سے میل جم رہا ہے۔ چاہتا ہوں کہ اسے چھڑاؤں۔ مگر تو اکیلا ہے۔ اس نے عرض کی آدمی تو بہت ہیں۔ مگر آج غلام کی باری ہے۔ الغرض آگے آگے حاتم اور پیچھے پیچھے حجام چلے آتے تھے۔ دو تین کوس چلے تھے کہ ایک گنبد نظر آیا۔ جب نزدیک آیا تو حجام حمام کے اندر گیا اور حاتم کو بُلایا وہ جوں ہی داخل ہوا دروازہ بند ہو گیا۔ آخر کار حجام اسے حوض پر لے گیا۔ کہنے لگا۔ آپ اس میں اُتریں تو میں بدن پر پانی ڈالوں اور میل چھڑاؤں۔ حاتم نے کہا۔ میں کپڑے اُتاروں مگر بے لنگی۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ تب حجام نے ایک لنگی پاکیزہ بہت تحفہ حوالے کی۔ حاتم اس کو باندھ کر کپڑے اُتارنے لگا اور اُتار کر رکھ دیئے اور حوض میں اُتر پڑا۔ اور پھر حجام نے ایک بڑا طاس گرم پانی سے بھر کر اس کے ہاتھ میں دیا۔ اس نے سر پر ڈال لیا۔ اس نے پھر بھر کر دیا اس نے اُسے بھی اپنے اوپر اُلٹ لیا۔ تیسری مرتبہ جوں ہی سر پر ڈالا۔ وہیں ایک تڑاکا اُٹھا کہ حمام میں اندھیرا ہو گیا۔ ایک ساعت کے بعد تاریکی جاتی رہی۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ نہ حجام ہے نہ حمام نہ حوض نہ تماشا ہوا گنبد ہے اس کا تمام صحن پانی سے بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک دم نہ گذرا تھا کہ پانی پنڈلیوں تک آ گیا۔ حاتم عاجز ہو گیا۔ ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اور وہ بڑھ کر گھٹنوں سے بھی اونچا ہو گیا۔ تب وہ گھبرایا۔ کہ الٰہی یہ پانی تو ہر دم بڑھتا جاتا ہے۔ نکلنے کی صورت نظر نہیں آتی۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ اسی

میں ڈوب کر مروں گا۔ یکایک مضطرب ہو کر دروازے کی طرف گیا۔ چاروں طرف سر ٹکرایا۔ راستہ نہ پایا۔ اتنے میں پانی ڈبڈباؤ ہوگیا۔ یہ تیراک تھا تیرنے لگا اور جی میں کہنے لگا کہ حمام سے جو آدمی نہیں نکل سکتے اس کا یہی سبب ہے کہ تیرتے تیرتے تھک کر ڈوب جاتے ہیں۔ اب میں بھی ہاتھ پاؤں مارتے مارتے تھک جاؤں گا۔ باہر نکلنا تو معلوم نہ ہوا۔ اسی دن کے لئے حارث بادشاہ منع کرتا تھا۔ الغرض حاتم اسی سوچ میں تھا کہ پانی اس قدر بلند ہوا کہ اس کا سر گنبد میں جا لگا۔ یہ نہایت ماندہ ہوا۔ ہاتھ پاؤں شل ہو گئے قریب تھا کہ ایک دفعہ ہی بیٹھ جائے۔ وہیں ایک زنجیر لٹکتی ہوئی دکھائی دی۔ حاتم نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے زنجیر پکڑ لی۔ کہ بھلا ایک ساعت تو دم لوں۔ کہ پھر ویسی ہی آواز آئی کہ گنبد کے باہر ہوگیا۔ اور اپنے آپ کو ایک جنگل میں کھڑا ہوا دیکھا۔ ہر طرف دیکھنے لگا۔ میدان کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اور جی میں خوش ہوا کہ بارے اس طوفان سے نجات پائی۔ اور طلسمات سے رہائی پائی۔ آگے بڑھا۔ غرض ایک عمارت عالیشان چمکتی ہوئی نظر آئی۔ آبادی کی اُمید پر اسی طرف چلا۔ جب نزدیک پہنچا ایک خوش قطع پُر فضا باغ دیکھا۔ دل میں سوچنے لگا کہ اس بہار کا باغ یہاں کس نے بنایا ہے۔ البتہ اس کے قریب کسی طرف بستی ہوگی۔ جب متصل پہنچا دروازہ کھلا پایا۔ اندر چلا گیا۔ آخرکار لاچار ہو کر ایک مکان کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں طرح طرح کے درخت میوہ دار دیکھے۔ بھوکا تو تھا ہی، میوے توڑ توڑ کر کھانے لگا۔ جتنا کھاتا تھا پیٹ نہ بھرتا تھا۔ غرض سو من کے قریب کھایا پر سیر نہ ہوا۔ لیکن جب کھاتے کھاتے تھک گیا۔ پھر سیر کرتا ہوا اور تماشہ دیکھتا ہوا ایک بارہ دری کے قریب جا پہنچا۔ اس کے متصل بہت سے آدمی پتھروں کے ننگے کھڑے تھے۔ مگر ایک ایک لنگ بندھے تھے سو وہ بھی پتھر کے۔ حاتم حیرت میں آگیا کہ کیا بھید ہے۔ اس کا عقدہ کیونکر کھلے۔ اس فکر میں تھا کہ طوطی نے آواز دی۔ اے جوان کیوں کھڑا ہے۔ مگر جان سے ہاتھ دھوئے ہے۔ حاتم نے سر اُٹھایا تو

ایک طوطی پنجرے میں بند ہے اور یہ عبارت ایوان پر لکھی پائی۔ اے بندہ خدا اس حمام بادگرد سے جان سلامت نہ لے جائے گا کہ طلسمات کیومرث شاہ بادشاہ کا ہے۔ ایک دن کیومرث شاہ بادشاہ شکار کھیلتا ہوا اس جگہ آنکلا تھا۔ اتفاقاً اس نے ایک الماس پڑا دیکھا۔ اُٹھا لیا۔ پھر اس کا وزن کرایا تو تین سو مثقال تھا۔ حیران ہو کر حکیموں سے پوچھا کہ اس کا ثانی مل سکے گا یا نہیں۔ اُنہوں نے عرض کی کہ آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر اب تک نہ ایسا الماس دیکھا ہے نہ سُنا۔ تب اس نے کہا کہ لازم ہے اس کو ایسی جگہ رکھوں کہ کسی کے ہاتھ نہ لگے۔ یہ ٹھیرا کر حمام بادگرد کا طلسمات بنایا۔ اور اسی طوطی کو وہ الماس نگلوایا۔ اور پنجرے میں رکھ کر یہاں لٹکا دیا۔ اور کرسی جواہر نگار پر تیر و کمان اس واسطے رکھ دیا ہے کہ جو کوئی اس طوطی کے طلسم میں وارد ہو۔ اور باہر نکلنے کا قصد کرے تو یہ تیر و کمان اُٹھائے اور اس طوطی کے سر میں ایک تیر لگا۔ اگر لگا تو طلسم سے باہر ہوا۔ اور نجات پائی۔ ورنہ خود پتھر کا ہو جائے گا۔ حاتم نے اس کو پڑھ کر بتوں کی طرف دیکھا۔ کہ جہاں کے تہاں کھڑے ہیں۔ حاتم متردد ہوا کہ اگر اس طلسم سے رہائی نہ ہوئی تو اسی گردانی میں رہے گا۔ بہتر یہ ہے کہ جینے سے ہاتھ اُٹھا اور پتھر کا ہو جا۔ سب فکروں سے چھوٹے گا۔ بسم اللہ کہہ کر تیر و کمان اُٹھا کر ایک تیر اسے لگایا۔ طوطی پھڑک کر چھت سے جا لگی۔ تیر نے خطا کی۔ حاتم گھٹنوں تک پتھر کا ہو گیا۔ طوطی کہنے لگی۔ اے جوان یہاں سے جا یہ مکان تیرے لایق نہیں ہے۔ حاتم وہاں سے کود کر مع تیر و کمان سو قدم پر پیچھے جا پڑا۔ اور اس کے پاؤں ایسے بھاری ہو گئے کہ اُٹھا نہ سکا۔ اپنی حالت پر آنسو بھر لایا۔ اور دل میں کہنے لگا۔ یہ کیا بات ہے۔ کس خرابی اور خستگی سے ایک مدت میں یہاں پہنچا۔ اب ایڑیاں رگڑ کر مرنا کیا انصاف ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ ایک تیر اور لگا کر انھیں بتوں میں شامل ہو جا۔ یہ سوچ کر دوسرا تیر پھر مارا۔ اس نے بھی خطا کی۔ اور حاتم ناف

تک پتھر ہو گیا۔ اس وقت طوطی نے یہ بات کہی۔ اے جوان پیچھے سرک یہ جگہ تیرے قابل نہیں ہے۔ حاتم نے وہاں سے ہمت کی اور دو سو قدم پر اُچھل کر بتوں کے قریب پہنچ گیا اور بھی اپنی حالت کو دیکھ کر زار زار رونے لگا۔ اور کہنے لگا کہ مجھ سا نامراد کو نہیں ہے۔ جو میرا تیر اُلٹا کام کرتا ہے۔ پھر ایک آہ سرد دل پُر درد سے کھینچی اور کہا اے حاتم اپنی مرگ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا چاہیئے۔ بہتر یہ ہے کہ آنکھوں پر پٹی باندھ اور یہ تیر جو بساط میں رکھا ہے۔ توکل بخدا اس کو بھی لگا دے۔ کیونکہ ایسا جینا مرنے سے بہتر ہے۔ دفعتہً طوطی کو پکڑ لیا اور آنکھوں پر پٹی باندھ اللہ اکبر کہہ کر وہ تیر مارا وہیں طوطی کی روح پرواز کر گئی۔ اندھیرا ہو گیا۔ سوجھنے سے رہ گیا۔ شور و غوغہ ایسا بلند ہوا کہ حاتم بیہوش ہو کر گر پڑا۔ یہ وہم ہوا۔ کہ میں بھی پتھر ہو کر بُت بن گیا۔ ایک ساعت کے بعد آندھی رفع ہو گئی۔ ابر جاتا رہا۔ شور و غوغا موقوف ہو گیا۔ سورج نکل آیا۔ حاتم نے جو آنکھیں کھولیں تو آپ کو بُتوں کے برابر پڑے دیکھا۔ جب ہوش آیا اور حواس بجا ہوئے تو دیکھا کہ نہ وہ حمام ہے۔ نہ وہ باغ نہ وہ کرسی۔ نہ وہ پنجرا نہ وہ طوطی۔ مگر ایک الماس زمین پر پڑا ہوا تارا سا چمک رہا ہے۔ حاتم نے وہ دوڑ کر اُٹھا لیا۔ اور سجدہ شکر ادا کیا۔ وہ سب کے سب آدمی حاتم کو دیکھ کر کہنے لگے اے جوان! تو اس جگہ کیونکر سلامت رہا۔ وہ باغ کدھر گیا۔ حمام کیا ہوا حاتم نے سب سرگذشت کہی۔ وہ دوڑ کر اس کے پاؤں پر گر پڑے۔ اور کہنے لگے۔ ہم آج سے تیرے غلام ہو چکے۔ یہ طوق بندگی جیتے جی ہمارے گلے سے نہ نکلے گا۔ اِس بات کو سُنکر حاتم نے ان کی بہت سی تسلّی و خاطر داری کی۔ اور اپنے ساتھ لے کر شہر قطان کا راستہ لیا۔ مگر یہ نہ جانتا تھا کہ میں کدھر جاتا ہوں۔ اور شہر قطان کا راستہ کدھر ہے۔ لیکن ہادی حقیقی اس کو راہ راست پر لئے جاتا تھا تھوڑی سی دور جا کر کیا دیکھتا ہے کہ وہی راستہ نظر آتا ہے کہ جس راہ سے داخل ہوا تھا۔ وہ جوں ہی اس سے باہر نکلا۔ سامان ارک کا لشکر

دکھائی دیا۔ ادھر متوجہ ہوا۔ اور اس سے جا ملا۔ وہ اس کے دیکھتے ہی نہایت تپاک سے بغل گیر ہوا۔ اور کرسی زریں پر بٹھایا۔ بآئین شائستہ ضیافت کی۔ عطر و پان کی رسم کے بعد حاتم نے تمام وہاں کا حال بیان کیا اور وہاں چار روز رہا۔ پھر وہاں کے لوگ ساتھ ہوئے۔ شہر قطان کی طرف روانہ ہوئے۔ چند روز کے بعد شہر قطان میں داخل ہوا۔ حارث شاہ سے ملاقات کی۔ بادشاہ نے اس پر الطاف و نوازش فرمائی اپنے برابر تخت پر بٹھایا۔ حال پوچھا۔ اس نے وہاں کا ماجرا مفصل عرض کیا۔ اور الماس بادشاہ کے روبرو رکھ دیا۔ کہ حضور کی نذر ہے۔ لیکن اتنا چاہتا ہوں کہ ایک مرتبہ حسن بانو کو دکھا دوں۔ پھر خدمت میں بھیج دوں گا۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا۔ اور فرمایا۔ بارک اللہ۔ حاتم نے عرض کی یہ بیچارے جو میرے ساتھ آئے ہیں۔ پتھر کے ہو گئے تھے۔ اکثر ان میں سے شہزادے اور سوداگر ہیں۔ بالفعل اسباب و سواری کے محتاج ہیں۔ امیدوار ہوں کہ ایک ایک گھوڑا۔ اور اسباب اور خرچ راہ ہر ایک کو عنایت ہو جو اپنے اپنے وطن کو پہنچیں۔ حضرت کو دعا دیں گے۔ حارث شاہ اس کے کہنے کے موافق کیا۔ پھر حاتم بھی رخصت ہوا۔ تب بادشاہ نے بہت سا مال و اسباب اور سر انجام اس کے ساتھ کر کے نہایت عظمت و شان سے روانہ کیا۔ حاتم کئی مہینہ کے عرصہ میں بڑے ٹھاٹھ سے شاہ آباد میں داخل ہوا۔ لوگوں نے اس کو پہچان کر حسن بانو کو اطلاع کی۔ کہ حاتم واپس آگیا۔ حسن بانو نے چوبداروں کو دوڑایا۔ غرض حسن بانو نے حاتم کو اندر بلایا۔ احوال پوچھا۔ اس نے تمام ہی کیفیت بیان کی۔ وہ سنتے ہی ٹھنڈی ہو گئی۔ پھر الماس بھی نکال کر دیا۔ تب حسن بانو نے سر نیچا کر لیا۔ مارے شرمندگی کے چپ رہ گئی۔ حاتم نے کہا۔ میں اپنا وعدہ پورا کر چکا ہوں۔ اب تو بھی وعدہ وفا کر۔ اس نے آہستگی و نرمی سے التماس کیا کہ میں تیری ہو چکی ہوں جو چاہے سو کر۔ جس کو چاہے اس کو بخش یا اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے تو رکھ۔ تو مختار ہے۔ اس بات کو سنکر حاتم

نے کہا جو کچھ تو نے کہا میں نے کیا۔ جو میں کہوں سو تو کر۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ میں نے یہ محنت و مشقت اپنے واسطے نہیں کھینچی۔ بلکہ عنداللہ منیر شامی شہزادے کے لئے اُٹھائی۔ لازم ہے کہ تو اسے قبول کر۔ کیونکہ وہ مدت سے تیرے فراق میں رو رہا ہے۔ اور تیری جدائی کے درد سے جان کھو رہا ہے۔ اپنے بیمار عاشق کو شربت وصال ہی پلانا بھلا ہے۔ اس میں قصور کرنا عنداللہ و عندالناس بُرا ہے۔ حسن بانو بولی۔ اب تم میرے باپ کی جگہ ہو جو میرے حق میں مناسب جانو سو کرو۔ اگر وہ میرے شوہر ہونے کے لایق ہو تو مجھے کچھ عذر نہیں۔ یہ سُنتے ہی حاتم نے منیر شامی شہزادہ کو کہلا بھیجا کہ تم پوشاک بدل کر۔ سج سجا کر نہایت زرق برق میرے پاس آؤ۔ شہزادہ بڑے ٹھاٹھ سے شاداں و فرحاں آیا۔ حاتم نے اُس کو بھی ایک جڑاؤ کرسی پہ اپنے پاس بٹھایا۔ حسن بانو نے جو پردے سے جھانک کر دیکھا تو ہزار جان سے عاشق ہو گئی۔ اور نیچی نظر کئے شرم سے اٹھ کر دوسرے مکان میں چلی گئی۔ حاتم بھی منیر شامی کو لئے کاروانسرا میں آیا۔ رات کی رات وہاں رہا۔ صبح کو حسن بانو نے ایک مکان نہایت عالیشان خالی کروا دیا اس میں منیر شامی سمیت حاتم داخل ہوا۔ نوبت رکھوا دی۔ بیاہ کی تیاری شروع ہوئی۔ مجلس نشاط جمائی۔ دن کے بعد سپاحق بادشاہوں کے طور پر بھجوائی۔ دوسرے دن اُدھر سے مہندی بھی اسی ٹھاٹھ سے آئی۔ صبح کو بیاہ کی تیاری ہونے لگی۔ مکانوں کے فرش بدلے۔ براتیوں نے کپڑے جھمجھاکے پہنے۔ اور طائفے بھی بہت سے بلوائے۔ دو رستہ روشنی کی چادریں بھی جا بجا قرینے سے ایستادہ کروائیں۔ لاکھوں ستاروں کے گرد آئے۔ آدھی رات گئی نہایت تجمل سے منیر شامی بیاہنے کو چڑھا۔ ابیات

وہ دولہا کا گھوڑے پہ ہونا سوار — وہ موتی کا سہرا جواہر نگار
ٹھہر کر وہ گھوڑے کا چلنا سنبھل — ہُما کی وہ دونوں طرف مورچھل
وہ فانوسیں آگے زمرد نگار — کہ ہو سبز مینا بھی جن پر نثار
ہزاروں تماشے کے تختے رواں — اور اہل نشاط ان پہ جلوہ کناں

وہ شہنائیوں کی سہانی دُھنیں جنہیں گوش زہرہ مفصل سُنیں

پھلجھڑیوں سے ہر کوچہ میں جابجا پھولوں کا انبار تھا۔ اناروں کی کثرت سے بازار گلنار تھا۔ صابون کی روشنی سے چودھویں رات کی چاندنی رات تھی۔ ستاروں کی چمک سے دن سے زیادہ روشن رات تھی۔ غرض آتشبازی کی کیفیت روشنی کی کثرت سے براتیوں کی جمعیت سے نہ زبان کو یارا جو کہے۔ نہ قلم کو طاقت جو لکھے۔ بیت

جب آئی دُلہن کے محل پر برات کہوں واں کے عالم کی کیا تم سے بات

یہاں مجلس نشاط وہاں سے زیادہ تر آراستہ تھی۔ ساز بج رہے تھے۔ ناچ ہو رہا تھا۔ کئی اشخاص پیشوائی کو گئے۔ دولھا کو ہاتھوں ہاتھ لے آئے۔ مسند شاہانہ پر بٹھایا۔ حاتم نوشہ کے پاس جاکر ایک مسند پر خوش و خرم بیٹھا اور براتی بھی اپنے اپنے قرینے سے شریک مجلس ہوئے۔ ابیات

وہ دولھا کا مسند پر آبیٹھنا بہم رفیقوں کا جا بیٹھنا

طوائف کا اُٹھنا اک انداز سے دکھانا وہ آصورتیں ناز سے

غرض ناچ کا سامان راگ کا بیان کچھ کہا نہیں جاتا۔ سب لکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اتنے میں قاضی صاحب آئے۔ عقد پڑھایا۔ مبارک سلامت ہوئی۔ شربت اور پان بٹنے لگے اور دولہا کو محل کی ڈیوڑھی پر لے گئے اور وہاں سے کئی بوڑھی بیگمیں دُلہن کی انّا سمیت آئیں۔ نوشہ کو بسم اللہ کر کے اندر لے گئیں۔ دُلہن کے مسند پر بٹھایا۔ وہ بھی لباس عروسی پہنے جواہر سے آراستہ عطر میں ڈوبی، پھولوں میں بسی نشۂ حُسن میں چُور ہو رہی تھی۔ شہزادہ گھونگھٹ میں اسی کی جھلک دیکھ کر ذرا ٹھیر اٹھا۔ لیکن آرسی مصحف دیکھتے ہی غش کر گیا۔ انّا اسی دم گھبرا کر گلاب پاش لا کر چھڑکنے لگی۔ دیر کے بعد ہوش میں آیا۔ شکر خدا کا دوگانہ پڑھا حاتم کی ہمت پر آفرین و تحسین کی۔ اس کے بعد جو رسمیں باقی رہی تھیں ہنسی خوشی بجا کر پھر دُلہن کو گود میں بٹھا کر سکھپال میں سوار ہو کر بڑی دھوم دھام سے شادیانہ بجواتا۔ دولتخانہ میں داخل ہُوا۔ چار روز تک محل سے پاؤں باہر نہ رکھا۔ پانچویں روز نکلا۔ حاتم کے پاؤں پر گر پڑا۔ حاتم نے اُٹھا کر سینہ سے لگایا۔ شہزادہ نے اسے بھینچ کر گلے لگایا اور حاتم نے

مبارکباد دے کر رخصت چاہی۔ پھر منیر شامی نے دو چار روز اور بھی اُسے بمنت رکھا۔ صحبت نشاط دوبارہ گرم کی۔ آئین مہمانداری خاطر خواہ بجالایا۔ تب حاتم نے متبسم ہو کر کہا کہ اب تم مجھے رخصت کرو۔ یہ شرط انصاف نہیں۔ اپنی سی حالت سمجھ۔ تب منیر شامی نے مجوب ہو کر اسی وقت رخصت کیا۔ وہ نہایت خوش و خرم یمن کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑے دنوں میں شہر کے قریب پہنچا۔ بادشاہ کو اس کے آنے کی خبر ہوئی۔ وزیر پیشوائی کے لئے بھیجا۔ وہ اس کو نہایت جاہ و جلال سے بادشاہ کے حضور میں لے گیا۔ اس نے دوڑ کر چھاتی سے لگایا۔ یہ پاؤں پر گر پڑا۔ بادشاہ نے اُسے اُٹھا کر سینے سے لگایا۔ پیشانی کو چوما۔ محل میں لے گیا۔ اس نے مؤدب ہو کر اپنی والدہ کو مجرا کیا۔ اس نے سر سے لے کر پاؤں تک بلائیں لیں۔ یہ قدمبوس ہوا۔ اس نے اُٹھا کر چھاتی سے لگایا۔ دل کو ٹھنڈا کیا۔ پھر تو محل میں مبارک سلامت کی دھوم مچی۔ شہر میں آئین آمین ہوئی۔ گھر گھر شادیانے بجے۔ بادشاہ نے ہر ایک چھوٹے بڑے کو رتبے کے موافق خلعت دیا۔ نقد و جواہر بخشا۔ محتاجوں کو غنی کر دیا۔ اور حاتم کا نئے سر سے ملکہ زرّیں پوش کے ساتھ بیاہ کیا۔ پھر سب کے سب خدا کا شکر بجالائے۔ عیش و عشرت میں مشغول ہوئے۔ ملک آباد ہوا۔ ہر غنی و غریب کا دل شاد ہوا۔ بادشاہ اپنے ایوان عام میں جا بیٹھا۔ ندیموں سے کہنے لگا۔ آفاق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو غیر کے واسطے اپنا سکھ چھوڑ دیں۔ اوروں کے کام میں دُکھ سہیں۔ فی الحقیقت دونوں جہانوں میں بھلے وہی ہیں۔ جلنا مرنا بھی اُنہیں کا اچھا ہے۔ یہ چند کلمے ارشاد کر کے بادشاہ نے تو گوشہ پکڑا۔ اور حاتم کو قائم مقام کیا۔ غرض دس برس سات مہینے نو روز میں حاتم کی ہفت سیر تمام ہوئی منیر شامی اپنے مطلب کو پہنچا۔ آخر کار نہ رہا یہ، نہ رہا وہ۔ ایک کہانی سننے کو رہ گئی۔

ہے طے کدھر جہان میں حاتم کہاں رہا
افسانہ اس کا خلق کے بس درمیاں رہا!

تمام شد

اشتہار

ہر قسم کے قرآن شریف مترجم معرّا

بارعایت اور عمدہ

ملنے کا پتہ

شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب

کشمیری بازار لاہور

و

مالکان علمی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ

لاہور

تفاسیر و اسلامیات اور تاریخ و سیاسیات پر چند اہم تصانیف

رحمۃ للعالمین - قاضی محمد سلیمان منصور پوری
اوّل تا سوم مجلد ۱۷—۰
الفاروق - علامہ شبلی نعمانی ۴—۵۰
حسین ابن علیؓ - نکہت شاہجہان پوری ۲—۰
تذکرۃ الاولیا - شیخ فریدالدین عطارؒ ۲—۰
سید احمد شہید - مولانا غلام رسول مہر ۱۵—۰
جماعت مجاہدین - مولانا غلام رسول مہر ۷—۰
سرورِ عالمؐ - مولانا غلام رسول مہر ۲—۵۰
ایک اسلام - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ۴—۰
حرفِ محرمانہ - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ۵—۰
اللہ کی عادت - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ۴—
حرفِ آخر - ابویحییٰ امام خاں نوشہروی ۲—۰
زندگی کے نمونے - ابویحییٰ امام خاں نوشہروی ۱—۵۰
قرآنی دعوتِ انقلاب - مولانا محمد علی ایم اے ۳—۵۰
اقبال قرآن کی روشنی میں - قاضی محمد ظریف ۶—۰
انوارِ اولیا - رئیس احمد جعفری ندوی ۱۰—۰
انوارِ انبیا - مرتبہ ادارۂ تصنیف و تالیف ۱۰—۰
نہج البلاغت اُردو ترجمہ مع متن (کامل تین حصے مجلد)
ترجمہ تہذیب - مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی
سید رئیس احمد جعفری، سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی ۲۵—۰
حجۃ اللہ البالغہ اُردو - اسمٰعیل گودھروی ۲۵—۰
سیرت ائمۂ اربعہ - سید رئیس احمد جعفری ۷—۵۰
تذکرۂ غوثیہ - مولانا شاہ گل حسن ۶—۰
تلخیص البخاری - سلیس اُردو ترجمہ ۱۲—۰
قرآنی دستورِ حیات - ابویحییٰ امام خاں نوشہروی ۴—۰
دو اسلام - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ۳—۵۰

دو قرآن - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ۴—۵۰
جہانِ نو - ڈاکٹر غلام جیلانی برق ۳—۰
مردِ مومن - ڈاکٹر میر ولی الدین ۲—۲۵
اسلام کا تمدنی و سیاسی نظام - نکہت شاہجہانپوری ۵—۰
موازنۂ صلیب و ہلال - نکہت شاہجہانپوری ۲—۵۰
الوحی المحمدی - تصنیف - سید محمد رشید رضا
ترجمہ - سید رشید احمد ارشد ۷—۵۰
امام مالکؒ - تالیف - محمد ابوزہرہ
ترجمہ و حواشی - عبیداللہ قدسی ۱۰—۰

تفاسیر قرآن پاک

تفسیر بیان القرآن (بارہ جلدوں میں)
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ۴۵—۰
تفسیر حقانی (آٹھ جلدوں میں) مولانا عبدالحق حقانی ۴۵—۰
تفسیر موضح القرآن مولانا عبدالقادر محدث ۱۰—۰
تبویب القرآن - مولانا وحید الزمان
۸—۰

سیرت النبی مرتبہ ابن ہشام (دو جلدیں کامل)
ترجمہ - مولانا عبدالجلیل صدیقی
نظرِ ثانی و تہذیب - مولانا غلام رسول مہر ۳۶—
صحیفۂ علویہ - ترجمہ و حواشی - سید مرتضیٰ حسین فاضل ۸—۰
صحیفۂ کاملہ - ترجمہ مولانا سید قائم رضا نسیم ۱۲—۰
انبیائے قرآن - محمد جمیل احمد ایم اے جلد اوّل ۱۲—
جلد دوم ۱۲—۰ جلد سوم ۱۳—۵۰
انبیائے قرآن - سید مرتضیٰ حسین فاضل جلد چہارم ۱۳—۵۰

قرآنی اخلاق - پروفیسر عبدالصمد صارم
مقالاتِ قرآنی - علامہ عبداللہ العمادی
تذکرہ حسینی - علم الدین قادری
اسلام کے عالمگیر اصول - سید احمد حسن نقوی
اسلام میں امامت کا تصور - بدرالدین بدر جالندھری
خطباتِ بدر - بدرالدین بدر جالندھری
حماد الدین - ابوالقاسم دلاوری
اسلام کا نظریۂ جہاد - حکیم حیدر زمان صدیقی
اسلام کا نظریۂ سیاست - حکیم حیدر زمان صدیقی
اسلام کا معاشیاتی نظام - حکیم حیدر زمان صدیقی
تعمیری انقلاب اور قرآنی اصولِ حکمت - حکیم حیدر زمان
تاریخ اسلام - عبدالحکیم نشتر جالندھری
تاریخ تصوف اسلام - رئیس احمد جعفری
تاریخ انقلاباتِ عالم (اوّل و دوم) - سید ابوسعید بزمی ایم اے
مختصر تاریخ اسلام - غلام رسول مہر
بہادر شاہ ظفر اور اُن کا عہد - رئیس احمد جعفری
سیرتِ محمد علی - رئیس احمد جعفری
دید و شنید - رئیس احمد جعفری
کمال اتاترک - اُستاذ محمد توفیق مصری
ہمارا قائد - زیڈ - اے سلہری
جب خون بہہ رہا تھا - سید ابوسعید بزمی ایم اے
سکھ عہدِ اسلامی میں - عباد اللہ گیانی
احسن الکلام - امان اللہ خاں ارمان سرحدی
دانش کدہ - محمد صدیق خیر آبادی
کشمیر اور جوناگڑھ کی کہانی - رئیس احمد جعفری
حیدر آباد جو کبھی تھا - رئیس احمد جعفری

مندرجۂ بالا کتب کے علاوہ دیگر اسلامی، ادبی، تاریخی، معاشرتی، اخلاقی، طبی اور فنی معلومات کے لئے ہماری مکمل فہرست حسنِ مطالعہ طلب فرمائیے۔ نیز ہمارے ہاں پاک و ہندوستان کے ناشرین کی ہر قسم کی مطبوعات بھی مل سکتی ہیں۔ فرمائش روانہ کرتے وقت اپنی تمام پسندیدہ کتب کے نام صاف اور واضح لکھیے۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہمارا فرض

شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجرانِ و ناشرانِ کتب لاہور — چوک انارکلی لاہور — بندر روڈ کراچی — اسٹیشن روڈ حیدرآباد

50

قیمت